منظّم مساجد

خادمانِ مساجد کی ذمہ داریاں

مرتب

مُفتی احمدُ اللہ نِثار صاحب قاسمی نقشبندی مُجدّدی

ناظم دارُالعُلوم رشیدیہ حیدرآباد

ناشر

دارُالعُلوم رشیدیہ

زیرانتظام: رشیدیہ ایجوکیشنل چیاریٹیبل اینڈ ویلفیر ٹرسٹ

منتظم مساجد
خادمانِ مساجد کی ذمہ داریاں

ترتیب

مفتی احمد اللہ نثار صاحب نقشبندی مجددی
ناظم دارالعلوم رشیدیہ حیدرآباد

ناشر

دارالعلوم رشیدیہ
زیر انتظام: رشیدیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ

فہرس

ذمہ داران مسجد کی شرعی واخلاقی ذمہ داریاں

ائمہ کی تنخواہوں کا معیار کیا ہونا چاہیے

ذمہ دارانِ مساجد کی مجموعی ذمہ داریاں

تقریظ

حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب دامت برکاتہم

ناظم وشیخ الحدیث اِدارہ اشرف العلوم حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وبہ نستعین

اسلام میں مسجد کی بہت اہمیت ہے، یہ مرکزِ ملت، منبعِ ہدایت، وحدتِ امت کی علامت ہے، اور مقامِ عبادت ہے، اسی لئے اس کا نظم وانتظام بہت ہی حسّاس ونازک ذمہ داری بن جاتا ہے۔

مسجد کی تعمیر، نماز وعبادت کے لئے درکار سہولتوں کی فراہمی، طہارت واستنجاء کا بہتر انتظام، صفائی ستھرائی کا اہتمام اگر اس کا ایک پہلو ہے تو امام ومؤذن کا انتخاب، مکتب کا قیام، رشد وہدایت کا فیضان، اوقاتِ اذان ونماز کی نگرانی وپابندی انتظامِ مساجد کا دوسرا پہلو ہے، تیسرا پہلو اُن امور کے بہتر طریقے پر انجام پانے کے لئے بہ قدرِ ضرورت فراہمیٔ سرمایہ اور حاصل شدہ سرمائے کا اس کے واجبی اور واقعی محل پر صرف کرنا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان سب ذمہ داریوں کو بہ احسن وجوہ تکمیل کرنے کے لئے انتظامیہ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئیے جو ان ذمہ داریوں کی اہمیت کا علم اور ان کے بارے میں عند اللہ مسئول وماخوذ ہونے کا یقین رکھتے ہوں، مگر عام طور پر مساجد کا ذمہ دار یا تو متمول آدمی کو بنایا جاتا ہے، یا با اثر شخصیت کے حوالے کر دیا جاتا ہے، ان حضرات کے سامنے سب سے اہم اور راجح کام پہلے والا ہے، جس میں ذمہ دارانِ مساجد کو دلچسپی بھی ہے، اور معیار بھی بلند ہوتا جا رہا ہے، لیکن دوسرے اور تیسرے پہلو میں دینی معلومات کی کمی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ معیار نہیں آرہا ہے بل کہ بہت سی جگہوں میں حق تلفی وظلم تک ہو رہا ہے، اس کی

وجہ ظاہر ہے کہ علم نہ ہونا ہے۔

مولانا مفتی احمد اللہ نثار قاسمی سلمہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس موضوع کے تمام ضروری پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے ذمہ دارانِ مساجد کے لئے ایک اچھا مواد جمع فرمایا ہے۔ اس سے ان شاء اللہ نظامِ مساجد بھی عمدہ ہو جائے گا، خدامِ مساجد کی شکایات بھی دور ہوں گی اور مسجد کی انتظامیہ بھی مؤاخذۂ الٰہی سے محفوظ رہے گی۔

میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور نافع بنائے۔

آمین والسلام علی النبی الکریم۔

والسلام

محمد عبد القوی غفرلہ

یکم محرم الحرام/ ۱۴۴۵ھ

تقریظ

مفتی ابو بکر جابر قاسمی صاحب دامت برکاتہم

ناظم کہف الایمان بورابنڈہ حیدرآباد

مُنَظّم مساجد اور خُدّام مساجد کی ذمہ داریاں (مرتبہ مفتی احمد اللہ نثار قاسمی وفقه الله لمایحبه ویرضاه) کی آٹھ عناوین اور دو سو پچھتر صفحات پر مشتمل قیمتی کتاب ہے نظامِ مساجد کی جامعیت، تمام خدمت کرنے والے حضرات (جیسے کمیٹی، متولیان، ائمہ ومؤذنین، مصلیان، وغیرہ) کی ذمہ داریوں کو سادی زبان میں عملی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے مفصل جزئیات کو نقل کیا ہے، حسبِ عادت قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اور ملفوظات وواقعاتِ اکابر سے بھر پور استفادہ کیا گیا، اس موضوع پر رائج اردو ذخیرہ سے استفادہ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

محترم مرتب گرامی قدر اب تک ۶۰ رکتابیں ترتیب دے چکے ہیں اپنے اکابر سے مشورہ کا تعلق کے بعد ہی کوئی کام انجام دیتے ہیں، نظامت، خطابت، تدریس کے ساتھ ماشاءاللہ حساس عناوین پر اچھا خاصا علمی ذخیر مرتب کر رہے ہیں، خطباء وعلماء کرام کے ساتھ عوام الناس کو بھی استفادہ کرنا چاہیے، پروردگار عالم انھیں عافیت کے ساتھ مقبول کام وافراد مُیَسّر فرماتے رہے۔ (آمین)

ابو بکر جابر قاسمی

۱رجمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ

۱۶رنومبر، جمعرات ۲۰۲۳ء

غبارِ خاطر

مسلم معاشرہ میں مسجد کی حیثیت روحِ اسلامی کی سی ہے، جس کے بغیر اسلامی معاشرہ زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ مسجد کے بغیر کسی مسلم بستی کا تصور ممکن ہے، مسجد اہلِ محلہ و بستی کے ایمان اور اسلام کا پتا دیتی ہے، دنیا کی تمام مساجد بیت اللہ الحرام خانۂ کعبہ کی شاخیں ہیں، اسی لیے ساری مسجدیں ''بیت اللہ'' اللہ کا گھر ہیں، جہاں جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کے لیے ان بابرکت مساجد کا نظام وہ نظام ہے کہ انسانی عقل اس سے ارفع اور بہتر نظام کو سوچ ہی نہیں سکتی۔

مسجد کی تعمیر اور اسکی خدمت سنتِ ابراہیمؑ وز کریاؑ ہے، ہر کسی کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوتی، اور جس کو نصیب ہے انہیں اس کی قدر نہیں ہوتی، ہمیشہ اس خوف سے خدمت ہو کہ کہیں محروم نہ کر دیا جاؤں، عہدہ کی لالچ انسان کو ایمان اور حق سے محرم کر دیتی ہے، مکتب اور مسجد کی مخلصانہ خدمت نسلوں کی ہدایت کا دروازہ کھلوادیتی ہے، کمیٹی کے احباب کو خیر کی چابی بننے کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہر خیر مسجد سے عام ہو اور ذریعہ ہم بنیں، شر کی چابی بننے سے پناہ مانگنی چاہئے، ہم کہیں لوگوں کو ہدایت سے محروم کرنے والے نہ بن جائیں۔

''فَطُوبَى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ مِغْلَاقًا لِلشَّرِّ، وَوَيْلٌ لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحًا لِلشَّرِّ مِغْلَاقًا لِلْخَيْرِ''

مولانا مناظر حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں جو کرنا ہے سب کا نمونہ اسی پہلی مسجد ''مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں قائم کر دیا گیا، ہمیں صرف انہی کاموں کو کرنے کی ضرورت ہے، جو سب سے پہلے مسجد میں انجام دئے جاتے تھے... عمارت کی یہ خاص قسم جس کا نام ''المسجد'' ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قائم کیا ہوا ایک ''نظام'' ہے، یہ مسجد پانچوں وقت کی نماز کی جگہ بھی تھی، اسی میں صفہ کا مدرسہ بھی تھا، اسی میں مسافر بھی ٹہرائے جاتے تھے، اور مقدمات بھی اسی عمارت میں طے ہوتے تھے۔(۱)

---

(۱) اسلام کا نظام مساجد: ۱۴: -۲۲

اس لحاظ سے مسجد مسلمانوں کی علمی، عملی، اخلاقی، رفاہی، عسکری، معاشرتی، سماجی قیادت گاہ تھی، یہ جہاں دارالعلوم تھا وہیں دارالقضاء، دارالافتاء اور بیت المال بھی تھا، مگر افسوس جوں جوں عہدِ مبارک سے بُعد ہوتا گیا یہ ساری خوبیاں بکھرتی چلی گئیں۔ واہ! کسی نے بہت خوب کہا: اذا الناس ناس والزمان زمان'' اس وقت کے لوگ بھی کیسے بہترین لوگ تھے اور زمانہ بھی کیسا بہترین تھا۔

مسجد جس طرح عظمت کے قابل ہے اسی طرح خدامِ دین بھی قابل عظمت ہیں، ان کا دل وجان سے اکرام واعزاز کرتے رہنا چاہیے، مسجد کے خادمین کو معقول تنخواہ دینا کہ وہ بے نیازی سے گذر بسر کریں، خدمت دین وعظمتِ دین میں داخل ہے، حق الخدمت دئے بغیر لوگوں کے صدقات کے حوالے کرنا خلافِ مروّت ہے، معیاری تنخواہ ائمہ کرام کے اکرام میں داخل ہے، ہمارے روّیے کی وجہ سے مسجد قابل و دردمند امام وخطیب سے محروم نہ ہوجائے، علماء کی خدمت اپنی نجات کا ذریعہ ہے، مسجد کے رنگ روغن اور تعمیرات سے زیادہ مقصد پر خرچ کرنے کا جذبہ ہو، موجودہ زمانہ میں ائمہ کرام سے زیادہ مجاہدات وقربانی بہت کم لوگوں سے ممکن ہے، غلطی کا امکان ہر شخص سے ہے مگر عقلمند ڈاکٹر سڑک پر آپریشن نہیں کرتا، بے عزت کرنا مسئلہ کا حل نہیں ہے، معزول کردینا اصلاح کا راستہ نہیں ہے، ہر بڑے پر کوئی بڑا ہوتا ہے، جن سے کہلوانے پر اصلاح کی توقّع ہو ان سے رابطہ کرلینا چاہئے۔

مسجد کے ٹرسٹی ہونے کا مطلب شریعت کا مفتی ہونا نہیں ہوتا ہے، مسجد کی انتظامی ذمہ داریاں بخوبی انجام دیں، دینی اور علمی رہنمائی کا فریضہ امام صاحب پر چھوڑ کر خود بھی دینی مسائل میں امام کی بات مانیں۔

مسجد کی تولیت بڑا اشرف ہے، جو عہدہ جتنا عظیم ہوتا ہے اس کی ذمہ داری بھی اتنی عظیم ہوتی ہے، ایسے موقع پر معمولی غلطی بھی عظیم شمار ہوتی ہے، تولیت سماجی عہدہ نہیں ہے، بلکہ دینی عہدہ ہے، سیاسی عہدوں کی طرح مکاری سے نہیں شرعی عہدے کی طرح جواب دہی

کے احساس سے انجام دیا جائے گا۔کیا یہ بات افسوس ناک نہیں کہ مسجد جیسی مقدس جگہ میں تولیت وکمیٹی دین بیزار بلکہ دین فروش ہو۔

متولی خدا پرست ہو نہ کہ خواہش پرست،متولی،صدر یا کمیٹی کا ممبر عالم باعمل نہ سہی دیندار و دیانت دار ہو،فاسق شخص کو مسجد کی ذمہ داری حوالے نہیں کی جائے گی،حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں''تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے،فاسق وفاجر مسجد کا متولی نہیں ہوسکتا،کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں،بل کہ متضاد باتیں جمع ہیں،مسجد خدا پرستی کی جگہ ہے اور متولی،صدر خدا پرستی کے بجائے خواہش پرست ہے۔(۱)

مسجد کی خطابت پر تنگ نظری نہ کی جائے،منکرات پر روک نہ لگائی جائے،اللہ کے گھر سے اگر''أمر بالمعروف اور نھی عن المنکر''کا پیغام عام نہ ہوا تو کہاں توقع رکھی جائے گی؟ لوگوں کے بدک جانے کا خوف نہیں رکھنا چاہئے،مصلحت پسندی کے خوف اور ہر دلعزیزی کے شوق نے لوگوں کو حق سے محروم کر دیا ہے،اہلِ حق کو خدمت کے میدان سے محروم کرنا دراصل اشاعتِ دین میں رکاوٹ بننا ہے،اس سے بڑی بدبختی کیا ہوگی،امام کو حق بات کہنے کی پوری آزادی دی جائے،امام اگر لوگوں کی اصلاح کی کوئی تدبیر کرے تو مخالفت کے بجائے معاونت کی جائے۔

یہ فکر ہو کہ مسجد کا کامیاب خادم کیسے بنوں؟ جس سے میری بخشش ہو جائے،لوگوں میں شبیہ حاکمانہ نہیں خادمانہ بناؤ،خالی الذہن ہو کر ان صفات کو پڑھنا اور سننا چاہئے، <u>بعض لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ صالحین سے تو محبت کرتے ہیں مگر مصلحین سے بیر رکھتے ہیں،کیونکہ صالح اپنی ذات میں مگن رہتا ہے،مگر مصلح اپنی اصلاح کے ساتھ مخاطب کی اصلاح بھی چاہتا ہے،اور جب اپنے اندر سدھار لانا نہ ہو تو مصلح کی صالحیت بھی نظر نہیں آتی ہے۔</u>

کمیٹی کے افراد کی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے کہ دینی کتابوں کا مطالعہ اہلِ علم کی روشنی

---

(۱) مستفاد: فتاوی رحیمیہ: ۹/ ۱۹۴

میں ضرور کریں، عموماً محض عصری علوم یافتہ یا جاہل کمیٹیاں مسجد کے پورے نظام کو برباد کردیتے ہیں، ماضی میں مسلم حکمران جہاں دیگر ممالک کو فتح کرنا ضروری سمجھتے تھے وہیں مفتوح قوم کی کتابیں پڑھنا بھی ضروری سمجھتے تھے، بے علم بادشاہ کو عاجز سمجھا جاتا تھا، حکمران اپنے شہزادوں کے لئے بہترین معلم ایسے رکھتے تھے جیسے تلوار بازی کے لئے استاذ رکھا کرتے تھے۔ تنہائی کا مطالعہ بعض مرتبہ وہ اثر کرتا ہے جو سالوں کی تقریر نہیں کرپاتی۔

عہد نبوت میں امام اور مؤذن کی تقرری کا ثبوت تو ملتا ہے، مگر علیحدہ سے کسی انتظامیہ کا وجود نہیں ملتا، کیونکہ اس زمانہ میں ایسے انتظامی ہنگامے نہیں تھے جو آج کل دیکھے جارہے ہیں، البتہ خادم کا وجود ثابت ہے جو رضاکارانہ طور پر صفائی کرلیا کرتے تھے؛ زمانہ گذرتے گذرتے انتظامی کمیٹی بھی مستقل شعبہ کی حیثیت حاصل کرچکی ہے۔

خدمتِ دین میں مخلص ہونے کے ساتھ تربیت اور صحبت یافتہ بھی ہونا چاہئے، ورنہ جس طرح بندر نے اپنے انسان دوست کے ناک کی مکھی اڑانے کے لئے تلوار سے ناک ہی ختم کردیا، اور تالاب میں اچھلنے والی مچھلیوں پر رحم کھا کر بندر نے مچھلیوں کو تالاب سے باہر نکال پھیکا، دونوں جس طرح روح وجان لیوا ہیں اسی طرح مساجد کی روح اور جان ختم کرنے والے نااہل کمیٹیاں ہیں جو اصول شرع کی پابندی نہ کرتے ہوں، مگر افسوس آج کل نااہل متولیوں، صدور اور غیر تربیت یافتہ کمیٹیوں کی وجہ سے نااہل ائمہ کی بھرمار نظر آتی ہے، اور مساجد میں بدنظمی بخوبی دیکھی جارہی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ تمام صدور و متولی بگڑے ہوے نہیں ہوتے ہیں، جہاں دیگر شعبہ جات میں بہترین لوگ ہیں وہیں اس شعبہ میں بھی بہترین متولی وصدر پائے جاتے ہیں جو بعض ائمہ سے بھی بہتر کہلائے جانے کے مستحق ہوتے ہیں، البتہ اس طبقہ میں اکثر سر پھرے لوگ ہی دیکھے گئے ہیں، جن کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنا بہت ضروری ہے۔

ہرایرے غیرے کی شکایت پر امام صاحب کو تنبیہ کرنے اور بات بات پر ان کو ٹوکنے کا مزاج جاہلانہ مزاج ہے، مسجد کے ہر مصلّی بلکہ ہر ذمہ دار کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ امام صاحب پر

حکم چلائے، اپنی مرضی کے کام پر لگائے، یا کوتاہیوں کی اصلاح کرتا پھرے۔ مہذب اور سلیقے سے گفتگو کرنے والا شخص ہی بات کرے، لوگوں کا عجب مزاج بنا ہوا ہے کہ جن کے گھر میں ان کی بیوی بھی ان کی نہیں سنتی وہ بھی امام پر رعب جماتے ہیں۔

بعض لوگ امام پر اتنی کڑی نظر رکھتے ہیں کہ اپنی اولاد کی کوئی برائی ان کو نظر نہیں آتی، کیونکہ ان کی نظر میں اولاد فرشتہ ہیں اور امام سے ہی غلطیاں ہوتی ہیں، حتی کہ لڑکیوں کے ارتداد پر بولنا خراب لگتا ہے، مگر محلہ کی بیٹیاں غیروں کا بستر گرم کریں یہ خراب نہیں لگے گا، اگر خراب لگتا ہے تو جس طرح امام کے سامنے جرأت دکھائی جاتی ہے ویسے وہاں کیوں نہیں دکھائی جاتی؟

افسوس کہ آج بہت سے لوگ امام مسجد، مؤذن کو بدنام کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، چھوٹی غلطی بھی مجمع میں بیان کرکے اپنے رعب جمانا چاہتے ہیں، یہ خیال تک نہیں رہتا کہ اگر میرے باپ کی غلطی یا بیٹے کی غلطی ہوتو کیا میں ایسے ہی اصلاح کرنا پسند کرونگا؟ اور میری اس حرکت سے میں لوگوں کو ائمہ کرام، سے دور کرکے باطل کا ساتھ دے رہا ہوں یاد رہے کہ یہ غیر مسلموں کا طریقہ ہے، بعض مرتبہ تعجب ہوتا ہے قوم کی بے حسی پر کہ جب امام صاحب حق پر ہیں تو انکے قدم سے قدم ملا کر چلنے اور ان کا ساتھ دے کر ان کی دلجوئی اور ہمت افزائی کرنے کے بجائے ظالموں کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

کیا مسجدوں کے امام ومؤذن اس معاشرے کا حصہ نہیں ہیں؟ کیا ہمارا معاشرہ اپنے امام ومؤذن کو ان کا مقام دے رہا ہے... امام کو ایک مزدور سے بھی کم تنخواہ دیتے ہیں.. ایک ٹیچر سے بھی کم تنخواہ دیتے ہیں... ٹیچر کو ریٹائر ہونے کے بعد تا حیات پنشن ملتی ہے، اسپتالوں میں علاج کی سہولیت مفت میں وغیرہ، مگر امام مزدور سے کم تنخواہ میں بچوں کی پرورش، پڑھائی لکھائی، علاج ومعالجہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔ ألأمان والحفیظ۔

اپنی اپنی ذمہ داریوں سے متعلق شرعی رہبری عظیم نعمت ہے، رسالۂ ہذا میں کچھ اہم ذمہ

داریاں اور مسجد کی نافعیت کو عام وتام کرنے کے طریقہ ذکر کئے گئے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ تمام امور قابو میں آئیں، مگر سوائے نماز کے دیگر امور انجام نہ دئے جانا بھی قابل اصلاح عمل ہے، ائمہ کرام کے کما حقہ حقوق ادا نہ کئے جانا تو ایک طرح کا ظلم ہے، جن کی اصلاح ضروری ہے، ہر سال شہر کی اور گاؤں کی کمیٹیوں، صدور ومتولی حضرات کا ایک روزہ تربیتی پروگرام کا سنجیدہ نظام اپنے اپنے علاقے کی مقبول تنظیموں کی طرف سے کیا جائے، اور وقتاً فوقتاً اپنی ذمہ داریوں سے واقف کرایا جائے تو تبدیلی کی عین توقع کی جاسکتی ہے، کمیٹی کے احباب کو بھی چاہئے کہ اپنے شعبہ کا دین سیکھ لیں، عاجز نے کوشش کی ہے کہ تحریر کے ساتھ تقریر میں بھی کتاب کے خلاصہ کو محفوظ کرادیا جائے، چونکہ ہر کمیٹی اپنی ذمہ داریاں پڑھنے کے لئے وقت نکال نہیں پاتی، بعض کو پڑھنا بھی نہیں آتا بعض کو پڑھنے کی توفیق بھی کم مل پاتی ہے، بعض کو ائمہ کرام مخاطب بنا نہیں پاتے، اس لئے عاجز کے یوٹیوب چینل سے بھی کتاب کا خلاصہ سنا جاسکتا ہے، اِس کتاب کو ترتیب دینے میں مختلف اہلِ علم حضرات سے استفادہ کیا گیا ہے، چونکہ عاجز منصب امامت کا اہل نہیں رہا مگر کمیٹیوں کو قریب سے دیکھنے اور مشاہدہ کا اتفاق ہوا ہے، اس لئے بہت سے امور مشاہدات اور تجربات کی بنیاد پر شریعت کی روشنی میں لکھے گئے جو یقیناً نافع ہوں گے، نیز عزیزم مفتی سید سلمان سلمہ استاذ دارالعلوم رشیدیہ کا بھی قدرے تعاون شامل رہا۔

اللہ تعالی اس کتاب کو قبول وقابل استفادہ و ذریعۂ نجات بنائے، تمام مساجد کی کمیٹیوں تک اس کا پیغام پہنچ جائے، ہر کمیٹی میں نمایاں انقلاب وتبدیلی کا ذریعہ بنائے۔

مفتی احمد اللہ نثار قاسمی۔

خادم دارالعلوم رشیدیہ مہدی پٹنم حیدرآباد

28/01/2023ء

مطابق ۵؍رجب المرجب ۱۴۴۴ھ

ایک ضروری گذارش- پہلے یہ پڑھلیں-

بالعموم انسانی مزاج یہ ثابت ہوا کہ ماتحت سرپرست کی اور سرپرست ماتحت کی خامیاں اور کوتاہیاں دیکھتا ہے، اور ہر شخص ایک دوسرے سے اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے، بروقت ایک دوسرے کا حق ادا کرنے کی فکر نہیں کرتا، دونوں خدام مسجد ہونے کے باوجود شکایتوں کا طوفان ختم نہیں ہوتا، بہت کم کمیٹیاں اور ائمہ کرام ایسے ہیں جنہیں ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہ ہو، زیرِ نظر کتاب کمیٹی، صدر، ممبر، اور مصلیوں کی ذمہ داریوں سے متعلق ہے، اس وجہ سے نہیں کہ ائمہ کرام کا طبقہ بالکل فرشتہ صفت ہے، انہیں کسی تربیت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس وجہ سے کہ تمام کمیٹیاں قابل ملامت ہی ثابت ہوئی ہیں، کہ مجرمانہ تصور کے ساتھ مخاطب بنایا جائے، بلکہ تذکیر کے طور پر چند اہم ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے، چونکہ مسجد کی کمیٹی کا ممبر یا صدر یا متولی بننے والے احباب کسی دارالافتاء سے یا ادارے وعالم سے اپنی متعلقہ ذمہ داریاں سیکھ کر عہدے پر نہیں آتے ہیں، اور بالعموم آپ حضرات کو کوئی مخاطب کرکے آپ کی اپنی ذمہ داریاں بتائے تو جاننے کی فکر بھی نہیں دیکھی گئی ہے، چونکہ آپ کے ذمہ مالیات کا شعبہ متعلق ہوتا ہے تو خواہ اپنے جیب کی رقم دینا نہ ہو مگر مالی واسطہ تعلّی پیدا کردیتا ہے، جس کی وجہ سے بندہ اپنے کو بعض مرتبہ تربیت سے ماوراء سمجھ لیتا ہے، جبکہ ائمہ کرام اپنے اساتذہ وغیرہ سے اپنی ذمہ داریاں پھر بھی سن لیتے ہیں، علاوہ ازیں ائمہ کرام سے متعلق علیحدہ کتاب جو اس سے بھی ضخیم ہے مرتب کی جاچکی ہے، اہل علم وعلماء سے کئی بار آپسی مذاکرات بھی ہوئے ہیں، یہاں آپ حضرات سے متعلق اہم امور پر گفتگو کی گئی ہے، جو نہایت عرق ریزی کے ساتھ جمع کی گئی ہے، اور اس قدر امور پر جامع

کتاب بہت کم دستیاب ہے،(۱) اس لئے آپ حضرات کو اپنی آخرت کی خاطر ان امور کی قدر جان کر اپنے معمول میں لانے کی حتی الامکان کوشش ضرور کر لینی چاہئے، تاکہ ان ذمہ داریوں سے بری ہو کر دونوں میں فاصلے اور دوریاں کم ہو جائیں۔

یہ بات یاد رہے کہ ہم علماء کرام نہ آپ کے دشمن ہیں، اور نہ ہی آپ کے دنیوی وجاہت کے گستاخ و منکر ہیں، چند کمیٹیوں کی بداخلاقی اور بدتمیزی کی وجہ سے مکمل شعبہ بدنام ہو چکا ہے، ایسے میں چاول کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں، دنیوی وجاہت والے کا اکرام کرنا "قوموا لسیدکم" اور "أنزلوا الناس منازلھم" کے تحت ہم پر بھی ضروری ہے، آپ سے متعلق ذمہ داری پورے احترام و عزتِ نفس اور دارین کی خیر خواہی میں مرتب کی گئی ہیں، اور اسی نیت سے بھی مخاطب کیا جا رہا ہے، آپ اور ائمہ کرام اللہ کے گھر کی عظیم خدمت کی سعادت حاصل کر کے اللہ کو پانے کی کوشش میں ہیں، یوں سمجھیں کہ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، اس لئے ہمارے آپس میں کسی طرح کا بعد اور بیر نہیں رہنا چاہئے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں، ایک دوسرے کے ملازم نہیں ہیں، مقتدی کے بغیر امامت کیسی؟ امام کے بغیر جماعت کی نماز کیسی؟ مسجد کے سارے انتظامات کا مقصود نماز باجماعت ہے جس کا ذمہ دار امام ہے، اور نماز باجماعت کے لئے ضروری درجہ کا انتظام بھی ضروری ہے۔

عاجز ہی نہیں بلکہ عاجز کی پوری برادری اور قوم بے چین و فکرمند ہے کہ مسجد کے ذمہ داروں کے لئے اسلامی آداب مرتب ہوں، انہیں ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلوایا جائے، سنتِ زکریاؑ کی روح کو دوبارہ زندہ کیا جائے، جس کے لئے بہت سے اہلِ قلم نے بہت مفید کتابیں رقم فرمائیں، عاجز بھی بہت سی ایسی باتیں مرتب کرنے کی کوشش کی ہے جس کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اللہ تعالی ہم سب کو اخلاص، استقامت اور حسنِ اخلاق

(۱) مذکورہ جملوں سے صرف کتاب کی اہمیت کو اجاگر کرنا مقصود ہے، مرتب کے کمال کو بتانا ہرگز مقصود نہیں ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ کسی بھی نیکی میں انسان کی حیثیت صرف واسطہ کی ہوتی ہے، خدائے تعالی اپنے فضل سے جس سے چاہے کام لیے لیتے ہیں، بندہ کو مغرور نہیں بننا چاہئے، ہمیں اپنا مقصود رضائے الہی کو بنانے میں ہی عافیت و نجات ہے۔

سے ہمکنار فرمائے۔

عاجز حضرت مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم اور مفتی ابوبکر جابر قاسمی صاحب کا شکرگذار ہے کہ اپنا قیمتی وقت فارغ فرما کر عاجز کی ہمت افزائی فرمائی اور دعائیہ کلمات سے نوازا، اللہ رب العزت ہمیں اپنی مرضی اور اکابرین کے زیرِ سایہ چلنا و پلنا آسان کر دے۔

عاجزِ مرتب: احمد اللہ نثار قاسمی

مسجد کا تعارف اور نظامِ مساجد کی جامعیت

مسجد کا تعارف

توحید و رسالت کے اقرار کے بعد سب سے افضل اور اہم عمل نماز ہے، صراحتاً نماز کا حکم قرآنِ کریم کی تقریباً اڑسٹھ (۶۸ یا ۸۰) آیتوں میں مذکور ہے، حدیثیں جن عنوانات کے تحت ذکر کی جاتی ہیں، ان میں سب سے وسیع حصہ نماز کا ہے، نماز کی حالت میں انسان کے سر سے پاؤں تک پورا وجود مکمل طور پر عبادت میں مشغول اور احکام خداوندی کے سامنے سرخم ہوتا ہے، پورے جسم کو ساکن و جامد اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق جمار ہنا ہے، آنکھوں کو وہاں دیکھنا ہے، جہاں آپ ﷺ نے دیکھا، زبان کو وہی کچھ کہنا ہے اور وہی بول ادا کرنے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے ادا کئے ہیں، کبھی ایک اقراری مجرم اور غلام کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے، کبھی اپنے مالک کے سامنے کمر تک جھکتا ہے، کبھی اپنے وقار کی علامت ناک اور پیشانی کو خدا کی چوکھٹ پر بچھا دیتا ہے، نہ حسب خواہش بولنے کی اجازت ہے، نہ چلنے کی، نہ حرکت کی، نہ کھانے پینے کی، گویا پورا وجود غلامی اور بندگی کی تصویر ہے!

ایسی عظیم الشان عبادت کے لئے ایسا ماحول بھی ضروری تھا، جو ذہن کی یکسوئی اور قلب کی فراغت کا باعث ہو، جس میں ہر شخص افکار دنیا سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس سے مناجات کے لئے یکسو ہو؛ اسی لئے یوں تو روئے زمین پر کہیں بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے، اور یہ اس اُمت کے امتیازات میں سے ہے۔ "وجُعلتْ لي الأرض مسجدًا وطهورًا" (۱) کہ اس کی عبادتیں در و دیوار کی محتاج نہیں ہیں؛ لیکن ماحول کی ہم آہنگی اور موافقت کے لئے کچھ مقامات کو مخصوص کرنے اور انھیں نماز کی ادائیگی کے لئے مختص کرنے کا حکم دیا گیا، یہی عبادت کے لئے مخصوص جگہیں "مسجدیں" کہلائیں جاتی ہیں، خود قرآن مجید میں ۲۸/ مواقع پر مساجد کا ذکر آیا ہے اور متعین طور پر مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد قباء کا ذکر فرمایا گیا

---

(۱) صحيح مسلم، في أوائل المساجد و مواضع الصلاة، حديث : ۵۲۱

ہے۔(۱)

مساجد مراکزِ اسلام وشعائرِ اسلام ہیں

مساجد مراکز اسلام اور شعائر اسلام ہیں، مساجد روئے زمین پر سب سے مقدس سب سے پاکیزہ جگہ ہے، دنیا میں جنت کا باغ ہیں، اسلام کے قلعے اور اہلِ اسلام کے اجتماعی نظام کے مراکز ہیں۔(۲)

مساجد کو جو مقام حاصل ہے وہ تاج محل، لال قلعہ، قطب مینار، چارمینار، پارلیمنٹ، راج بھون اور وائٹ ہاؤس جیسی جگہوں کو اس کا عشرِ عشیر بھی حاصل نہیں ہے، کیونکہ ساری تعمیرات فانی ہیں اور مساجد خواہ وہ کچی اینٹ کی ہوں باقی ہیں، مسجد حرام سے مل کر جنت کا حصہ بن جائیں گی۔ "تذهب الارض كلها الا المساجد ينضم بعضها الى بعض"۔(۳)

اسلام میں مساجد کی اہمیت

☆ اسلام میں مساجد کی حیثیت دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کی طرح محض عبادت گاہ کی نہیں ہے بلکہ مساجد دینی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی، رفاہی قیادت کا مرکز ہیں۔

☆ دنیا کی ظلمتوں میں اسلام ہدایت کا نور ہے اور مساجد وہ چراغ ہیں جہاں سے یہ نور اپنی کرنوں سے معاشرہ کے گوشہ گوشہ کو منور کرتا ہے۔

☆ مساجد کی حیثیت اسلامی معاشرہ میں دل کی ہے جہاں سے علم و ہدایت کا خون معاشرہ کی رگوں میں پہنچتا ہے۔

☆ مسجد ایک معاشرہ میں اسلام کے زندہ ہونے کی علامت اور اسلام کا اعلیٰ ترین

---

(۱) شمع فروزاں، مسجدوں کی حفاظت اور ہماری ذمہ داریاں، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی

(۲) فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الاجارۃ: ۹/ ۲۹۸

(۳) اسلام کا نظام مساجد: ۱۸

شعار ہے۔مساجد مسلمانوں کی نہ صرف تربیت گاہیں ہیں بلکہ مساجد مسلم معاشرہ کی عکاسی کرتی ہیں۔

☆ بندے کا اللہ سے رابطہ دو حوالوں سے ہے، ایک بندے کی طرف سے عبادت کا دوسرا اللہ کی طرف سے ہدایت کا ہے، مسجد رابطہ کے ان دونوں حوالوں کا مرکز ہے۔

☆ مسجد کی ایک جہت مصلیٰ کی ہے، اللہ کے سامنے بندگی کے اظہار کا اعلیٰ ترین وسیلہ (نماز) کی اجتماعی ادائیگی کا مقام ہے، دوسری جہت منبر کی ہے، منبر اللہ کی طرف سے اتاری گئی ہدایت کی اشاعت کا مرکز ہے، منبر تعمیر کردار اور افراد سازی کا سب سے بڑا مرکز ہے۔

☆ مسجد دعوت و اصلاح اور سماجی رابطہ (social connectivity) کا ایسا زبردست نظام ہے کہ اگر اُس کی صحیح بنیادوں پر استوار کرلیا جائے تو امّت کو کسی اور نظام کے ایجاد یا امپورٹ کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔(۱)

مسجد کی اہمیت کا اندازہ کریں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: اسلام میں مساجد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے؛ کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے، اس وقت تو خود کعبۃ اللہ موجود تھا، جو اس کائنات میں تعمیر ہونے والی پہلی مسجد تھی، اس پر مشرکین کا قبضہ تھا؛ لیکن جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ پہنچنے سے پہلے قباء میں قیام پذیر ہوئے تو وہیں آپ ﷺ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی، جس کا خود قرآن مجید نے ذکر کیا ہے، ''**لمسجد اسس علی التقوی**'' (۲) پھر مدینہ پہنچنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی اور اپنے رفقاء کی رہائش گاہ کے لئے فکر کرنے سے پہلے مسجد کی فکر فرمائی اور جس مکان کو آپ کی قیام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا، اسی کے سامنے ایک زمین خرید کر مسجد نبویؐ کی بنیاد رکھی۔

یوں تو پوری کائنات ہی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، لیکن دنیوی زندگی کی حد تک اللہ تعالی

(۱) ذمہ داران مساجد کی خدمت میں چند گذارشات تحریر: سرفراز فیضی

(۲) التوبۃ: ۱۰۸

کی ہی مشیت سے انسان زمین کے کسی ٹکرے کا مالک بنتا ہے، اور اس میں مالکانہ تصرف بھی کرتا ہے، وہ اسے خریدتا ہے، بیچتا ہے، اپنی چاہت کے مطابق خود استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو بھی استعمال کیلئے دیتا ہے، اس کی مرضی ہے کہ وہ اس کو محل بنادے یا بیت الخلاء، بادشاہ کی قیام گاہ بنادے یا جانوروں کا اصطبل، مگر زمین کے جس ٹکرے کو مسجد بنادیا جائے، اس پر انسان مالکانہ تصرف نہیں کرسکتا، اگر کسی زمین کو مسجد بنادیا گیا تو چاہے اس پر کوئی عمارت نہ ہو، وہ کھلا ہوا ہو، میدان ہی کیوں نہ ہو، لیکن اب اس کو مسجد کیلئے وقف کرنے والا شخص نہ کسی کو قیمت لے کر بیچ سکتا ہے، نہ ہبہ کرسکتا ہے، نہ ناپاکی کی حالت میں اس جگہ قیام کرسکتا ہے، نہ کسی اور مقصد کیلئے اس جگہ کو استعمال کرسکتا ہے، اب عبادت کے اعتبار سے اس زمین میں تمام مسلمانوں کا حق برابر ہے، وقف کرنے والا شخص کسی سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ "میں تم کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے تم نماز ادا نہیں کرو"، اس لیے جیسے مسجد بنانا ثواب کا کام ہے، اور ایسے شخص کیلئے واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں گھر بنانے کی خوش خبری دی گئی ہے، ویسے ہی اپنی طاقت اور صلاحیت کے مطابق مسجدوں کو بچانا بھی ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ جیسے انسان تن من دھن لگا کر اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، اسی طرح وہ ہر طرح کی قربانی دے کر مسجد کی حفاظت کرے"۔

مسجد کی فضیلت

☆ مساجد دنیا ہی میں جنت کے باغات ہیں۔
☆ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب جگہ مساجد ہیں۔
☆ مسجد آنے والا نورِ کامل کا مستحق ہوتا ہے۔
☆ مسجد آنے والا رب کا مہمان ومجاہد فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔
☆ مسجد کی آمد ورفت باعثِ رحمت ہے۔

☆مسجد کا قرب بھی باعث فضیلت ہے۔
☆دور سے چل کر مسجد آنا نورِ آخرت کا ذریعہ ہے۔
☆سفر میں جانے اور آنے کے فوری بعد حاضر ہونے کی جگہ مسجد ہے۔
☆مساجد اسلام کے قلعے ہیں جہاں اسلام کی حفاظت ہی نہیں بلکہ اشاعت بھی ہوتی ہے۔

تعمیر مسجد کے مقاصد

ا۔مسلمانوں کا مسجد سے دور ہونا جہاں کئی برائیوں کا سبب ہے وہیں مساجد میں تعمیر مساجد کے مقاصد کو قائم نہ کرنا بھی بڑا اسبب ہے، تعمیر مساجد کا ایک عظیم سبب نماز قائم کرنا ہے وہیں مسلمان کو کامل مسلمان بننے کے مواقع فراہم کرنا ہے، جب تک ان تمام مقاصد کو مسجد میں زندہ نہ کیا جائے معاشرہ کو وہ روح نہیں ملے گی جس کے لئے معاشرہ بے چین ہے، اس کے لئے مساجد میں مندرجہ ذیل امور کی انجام دہی مقصد کا درجہ رکھتی ہے۔

۲۔اسلامی تعلیم
۳۔دعوتِ دین
۴۔اصلاح وتزکیہ کا نظام
۵۔خاندانی وسماجی اختلافات کا حل
۶۔مسلمان سماج کی دینی ودنیوی ترقی کے اسباب کی فراہمی
۷۔سماج کے محروم طبقہ کو حق دہی کا نظام
۸۔خواتین اور ہر پیشہ سے منسلک فرد کو مکمل دین کی تعلیم
۹۔برادرانِ وطن کو برادرانِ اسلام بنانے کا نظام
۱۰۔مجبور ومزدور طبقہ کو اپنی ذمہ داریوں کے ساتھ حقوق کی تعلیم

حضرت مولانا ظفیر الدین صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ''مرکز اسلام کی یہ مسجد صرف رسمی

مسجد نہ تھی بلکہ اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بھی تھی جہاں دین ودنیا کے سارے قوانین ترتیب پاتے تھے، رسول اللہ ﷺ کا دربار اسی میں لگتا تھا، اور سارے کام اسی مسجد سے لئے جاتے تھے۔(۱)

مسجد کا پاکیزہ نظام معاشرہ کی پاکی کی ضمانت ہے

مساجد کا نظام جس قدر بہتر ہوگا مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی پر اس کے نہایت خوش نما اثرات مرتب ہوں گے، مسلمانوں کا معاشرہ پاکیزہ بنے گا، اسلام کی روح زندگیوں میں صاف نظر آئے گی۔

مسجد اگر معاشرہ کی اصلاح کی ضامن نہیں تو کون ہے؟

مساجد معاشرہ کے ہر فرد کی اصلاح وتربیت کی جگہ ہے، اسلامی تعلیمات جس طرح عام ہیں ان تعلیمات کو عام کرنے کی جگہ بھی سب کے لئے عام ہے، یہاں بچے، جوان، بوڑھے، خواتین سب کو حسبِ موقع استفادہ کی اجازت ہے، اگر مسجد صرف ان کی تربیت کی ہی ضامن ہے جو وہاں آکر تربیت حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو سماج کا وہ طبقہ جو کسی بھی وجہ سے آنہیں سکتا اور مسجد سے اس تک ان تعلیمات کو نہیں پہنچایا گیا تو اس کی اصلاح کا کون ذمہ دار ہے؟ کیا سماج میں دوسری کوئی ایسی عمومی جگہ بھی ہے جہاں اصلاح کی امید رکھی جاسکتے؟ کیا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں جاہل، عالم، ڈاکٹر، انجینئر، جج، وکیل، پرنسپل، ٹیچر، تاجر، کسان، غریب، مالدار، مزدور، شوہر، والد، بیٹا، پڑوسی، ووٹر، نوکر سب جمع ہوتے ہوں؟ ہر ایک کو اس کے شعبہ کا دین دیا جائے۔

کیا مساجد کو چندہ صرف انہیں لوگوں کا آتا ہے جو مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں؟ کیا تعمیر مسجد میں صرف مصلیوں کا ہی تعاون ہے؟ کیا مسجد صرف انہیں لوگوں کی ہے جو مسجد

(۱) اسلام کا نظام مساجد: ۲۲

آتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ بازار، معاشرہ، اور خارجی امور کی اصلاح کا مرکز جب مساجد ہیں اور مساجد کا نظام خود بگڑ چکا ہو تو پھر معاشرہ کی اصلاح کیسے ہوگی؟ جب وضو کا پانی ہی ناپاک ہو چکا تو طہارت کیسے حاصل ہوگی؟ محافظ ہی جب چور بن جائے تو حفاظت کیسے ہوگی؟

؎ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

اور یہ بھی یاد رہے کہ انفرادی زندگی میں ہونے والا نقصان کم ہے بمقابل اجتماعی زندگی میں ہونے والے نقصان کے، مساجد کا نظام اجتماعی ہے، یہاں اگر ضرر و نقصان کے فیصلے یا امور پائے جائیں تو اس کا نقصان متعدی اور پورے سماج پر پڑتا ہے، لہذا مسجد کا نظام جتنا بہترین ہوگا معاشرہ کی اتنی ہی اصلاح ہوگی۔

مساجد عمارت کا نہیں بلکہ نظام کا نام

مسجد صرف عمارت نہیں بلکہ ایک نظام کا نام ہے، مسلم معاشرہ کی اصلاح کا بہت کچھ انحصار نظام مساجد کی اصلاح پر ہے۔ مساجد کی اِس اہمیت ہی کے پیش نظر مساجد کی تعمیر پر خصوصی فضیلتوں اور انعامات کے وعدے کیے گئے ہیں، اگر اسلامی ریاستیں موجود ہیں تو مساجد کی تعمیر اور انتظام کی ہر ذمہ داری ریاست کی ہوگی، اسلامی حکومت کی غیر موجودگی میں علاقہ کے مسلمانوں پر یہ ذمہ داری ہے، الحمدللہ دین سے دوری کے اس دور میں بھی مساجد کے معاملہ میں اہلِ اسلام کی حساسیت باقی ہے، ملک بھر میں پھیلی لاتعداد مساجد اس بات کی گواہ ہیں، دنیا پرستی کے اس دور میں بھی مسلمان اپنی گاڑھی کمائی سے مساجد کی تعمیر کرتے ہیں اور ان کے رکھ رکھاؤ کا سارا خرچ بھی برداشت کرتے ہیں۔ وہ مخلصین یقیناً مبارکبادی کے مستحق ہیں جو مساجد کی تعمیر اور اس کے انتظام میں اپنا قیمتی مال اور وقت صرف کرتے ہیں، اُن کو اُن کی محنتوں کا حقیقی صلہ یقیناً اللہ تعالی دینے والا ہے۔(۱)

(۱) ماہنامہ الجماعہ، اپریل 2017

مسجد کی آبادی کا مطلب کیا ہے؟

مساجد کی آبادی اس کی ظاہری تعمیر وتزین، اس کے نقش ونگار اور فلک بوس میناروں سے نہیں ہے، صحیح آبادی عبادت الٰہی، ذکر الٰہی، اور اعمالِ مسجد سے ہے، اسکے لئے خدا ترس امام، صالح مؤذن، باصلاحیت متولیوں پر ہے، مساجد کا نظام بہتر سے بہتر ہونے کا زیادہ تر مدار عام طور پر متولیوں پر ہوتا ہے، اس لئے متولی باصلاحیت ہونا چاہئے۔(۱)

مسجد کی آبادی سے روکنے والا ہر کام ظلم میں داخل ہے

وَمَن اَظلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَن یُّذکَرَ فِیھَا اسمُہٗ وَسَعٰی فِی خَرَابِھَا اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُم اَن یَّدخُلُوھَآ اِلَّا خَآئِفِینَ لَھُم فِی الدُّنیَا خِزیٌ وَّلَھُم فِی الاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیمٌ۔

اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ کی مساجد میں اس کے نام کے ذکر سے منع کرے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے، یہ لوگ بغیر خوف کے مسجدوں میں داخل ہونے کے لائق نہیں، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

مذکورہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات درج ہیں:

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ’’اس سے مراد نصاری ہیں جو بیت المقدس میں گندگی پھینکتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے‘‘۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ: ’’اس سے مراد اللہ کے دشمن نصاری ہیں جنہوں نے یہود کے بغض کی وجہ سے بخت نصر بابلی (بابل، عراق کا حکمران) مجوسی کی بیت المقدس کو ویران کرنے میں مدد کی۔

(۱) فتاوی رحیمیہ، کتاب الاجارہ: ۹/۲۹۸

ایک قول یہ ہے کہ : ''اس سے مراد مشرکین ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ عمرہ کرنے کے قصد سے چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے آپ ﷺ کو روک لیا اور عمرہ کرنے کے لیے مسجد حرام میں جانے نہیں دیا اور کہنے لگے کہ'' جن لوگوں نے ہمارے آباء واجداد کو جنگِ بدر میں قتل کیا تھا ہم ان کو مسجد حرام میں حج اور عمرہ کے لئے نہیں جانے دیں گے''

بقول علامہ ابن جریرؒ کہ : اس آیت کے شانِ نزول میں پہلا قول راجح ہے کہ نصاریٰ نے بخت نصر کی مدد سے بنو اسرائیل کے مومنوں کو بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا' اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق اور سباق میں یہود اور نصاریٰ کے برے افعال کا بیان کیا جا رہا ہے، مشرکین کی برائیوں کا بیان نہیں ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو یوم حدیبیہ میں عمرہ کرنے سے روکا تھا' لیکن ان کا مقصد مسجد حرام کو ویران اور برباد کرنا نہیں تھا، بلکہ مسجد حرام کی تعمیر کرنے والے اور اس پر فخر کرنے والے تھے' اس لئے آیت کا روئے سخن بخت نصر مجوسی کی طرف ہی متوجہ ہے جو بیت المقدس کو ویران اور برباد کرنے کے لیے اس میں گندگی اور مردار ڈال دیتا تھا اور بنو اسرائیل کے مومنوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرتا تھا اور یہودیوں سے بغض کی وجہ سے نصاریٰ اس کے شریک تھے۔(۱)

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص بھی اللہ کی مسجد میں لوگوں کو اللہ کے ذکر و عبادت کرنے سے روکے یا کوئی ایسا کام کرے جس سے مسجد ویران ہو جائے وہ بڑا ظالم ہے، چنانچہ نمازی کو روکنا، نماز میں خلل پیدا کرنے والی حرکت کرنا جیسے شور و شغب، بینڈ باجے، نمازی کے پاس بلند آواز سے ذکر، وعظ و بیان وغیرہ سب امور ظلم میں داخل ہیں۔(۲)

(۱) جامع البیان: ۱/ ۳۹۸، ملخصاً، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۹ھ
(۲) ملخص: معارف القرآن: ۱/ ۲۴۲

☆ ہندوستان میں بہت سی مسجدوں کو آثارِ قدیمہ کے نام پر بند کر دیا گیا ہے۔اور وہ مسجدیں پورے طور پر ویران ہیں وہاں صرف زائرین اور سیاحوں کو جانے کی اجازت ہے اور نماز وقرآن پڑھنے پر پابندی ہے۔جبکہ مساجد عبادت کے لیے ہوتی ہیں انکو آثارِ قدیمہ کے نام پر تالا لگانا اور اس میں نماز واذ کار ادا کرنے سے روکنا ظلم ہے اور یہ اتنا ہی بڑا ظلم ہے جتنا بڑا ظلم مسجدوں کو شہید کرنا ہے۔

مساجد پر ظلم کی شکلیں

ظلم کہتے ہیں کسی کے ساتھ بھی کسی بھی طرح کی حق تلفی کرنا۔

''**الظلم هو وضع الشيء في غير محله، ومجاوزة الحق والتعدي على الآخرين في أموالهم أو أعراضهم، ومن فعل شيئاً من ذلك فقد ظلم نفسه وظلم غيره**''

☆ مساجد پر ظلم کی شکلوں میں:
☆ مسجد میں صحیح انتظام نہ کرنے والے متولیوں کا تسلط
☆ نمازیوں کی راحت کی فکر نہ کرنا
☆ صحیح اذاں نہ دینے والے مؤذن
☆ صحیح امامت نہ کرنے والے أئمہ
☆ مساجد کی مرکزی واجتماعی شان کو بھلا دینا
☆ مساجد کے مقاصد کو فراموش کر دینا۔وغیرہ

آج کے مساجد کے احوال سے متعلق حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاج پوریؒ نے ایک کہاوت سے سمجھا کر فرماتے ہیں: مگر افسوس آج مساجد کی حالت ''غریب کی بیوی سب کی بھابھی'' جیسی بنادی گئی ہے، لائق ونالائق فاسق وفاجر سب متولی بننے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، حدیث میں ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بڑے بڑے

عہدے نااہلوں کے سپرد کردیے جائیں گے، اور قوم کا سردار فاسق بنے گا۔(۱)

☆ مساجد کے نظام میں نہ آخرت کا استحضار، نہ اسلامی تعلیمات کی رعایت، نہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات کا اہتمام، بس اپنی خواہشات کی تکمیل کی فکر، اپنے ذاتی مفاد کی ترجیح، ہر جگہ اپنے غرض کی تلاش، عارضی خواہش کے لئے اجتماعی نظام کو برباد کردینا، ایسا لگتا ہے کہ پورا دین خواہشات کا مجسمہ بن رہا ہے، مسجد جیسی مقدس جگہ بھی اپنی سیاست ومفاد پرستی سے محفوظ نہ رہ سکی، کاش مسجد اور اس کے مقدس نظام کو اپنے مفادات کے بجائے معاشرہ کی اصلاح کے لئے درست رکھا جاتا، مرنے کے بعد اللہ کے گھر میں کی جانے والی من مانی پر کیا منہ دکھایا جائے گا، شریعت کے نام شریعت کی تعلیمات کو نظر انداز کردیا جاتا ہے۔

پورے ملک بلکہ پورے عالم کا نظام بدلنے کی تمنا یابات کی جاتی ہے مگر اپنے محلہ کی مسجد کا نظام بدلنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔

مساجد سے تعلق کی عظمت وفضیلت

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کو سب جگہوں سے زیادہ محبوب مساجد ہیں اور سب سے زیادہ ناپسند جگہیں بازار ہیں۔

"أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا، وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقُهَا"۔(۲)

☆ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مساجد زمین میں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، یہ آسمان والوں کے لئے ایسے چمکتے ہیں جیسا کہ زمین والوں کے لئے آسمان کے ستارے چمکتے ہیں۔(۳)

(۱) فتاویٰ رحیمیہ: ۹/ ۶۷۴

(۲) صحیح مسلم، حدیث: ۶۷۱

(۳) مجمع الزوائد: ۱۹۳۴

☆ حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس نے کوئی مسجد بنائی جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنا دیتے ہیں۔ "من بنى مسجداً لله تعالى ـ يبتغي به وجه الله ـ بني الله له بيتا في الجنة"۔ (۱)

☆ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مسجد کو پسند کیا اللہ تعالیٰ نے اسے پسند کیا۔ "مَنْ أَلِفَ الْمَسْجِدَ أَلِفَهُ الله"۔ (۲)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح اور شام مسجد جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مہمان نوازی کا انتظام فرماتے ہیں، جتنی مرتبہ صبح یا شام مسجد جاتا ہے اتنی ہی مرتبہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے مہمان نوازی کا انتظام فرماتے ہیں۔

"من غدا إلى المسجد أو راح أعد الله له نزله من الجنة كلما غدا أو راح" (۳)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محلوں میں مسجدیں بنانے اور انہیں صاف ستھرا اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا۔ أَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ۔ (۴)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مسجد ہر متقی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ جس کا گھر مسجد ہو (مسجدوں سے خصوصی تعلق ہو) اسے راحت دوں گا، اس پر خصوصی رحمت نازل کروں گا، پل صراط کا راستہ آسان کر دوں گا، اپنی رضا نصیب کروں گا اور اسے جنت عطا کروں گا۔

(۱) صحیح بخاری: حدیث، ۴۵۰

(۲) الطبراني في المعجم الأوسط، حديث: ۶۳۸۳

(۳) صحیح البخاری: حدیث، ۶۶۲

(۴) أبو داود في السنن، كتاب الصلاة، باب اتخاذ المساجد في الدور، حديث: ۴۵۵

"المسجدُ بیتُ کلِّ تقيٍ، وتکفَّلَ اللهُ لمَن کان المسجدُ بیتَهُ بالرَّوحِ والرَّحمةِ، والجَوازِ علی الصِّراطِ، إلی رِضوانِ اللهِ، إلی الجنَّةِ"(۱)

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: مسجد میں بیٹھنے والا تین فائدوں میں سے ایک فائدہ حاصل کرتا ہے کسی بھائی سے ملاقات ہوتی ہے جس سے یا تو کوئی دینی فائدہ ہوجاتا ہے یا کوئی حکمت کی بات سننے کو مل جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت مل جاتی ہے جس کا ہر مسلمان کو انتظار رہتا ہے۔(۲)

مساجد سے متعلق اکابر کے ارشادات

مساجد سے متعلق ہمارے اکابر واسلاف کے ارشادات نقل کیے جاتے ہیں، تاکہ اندازہ ہو کہ ہمارے اکابر کا مساجد سے رشتہ کیسا تھا۔

(۱) علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ اپنی کتاب "تنبیه المغترین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ مساجد پرہیزگاروں کے گھر ہیں، مساجد کو جن لوگوں نے اپنا گھر بنالیا ہے اللہ رب العزت ان لوگوں کے لیے راحت وآرام اور پل صراط پر آسانی سے گذارنے کے ضامن ہے۔(۳)

(۲) ابوصدیق ازدیؒ فرماتے تھے کہ: مساجد میں بیٹھنے کی عادت ڈالو کیونکہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ مساجد انبیائے کرام علیہم السلام کے بیٹھنے کی جگہیں تھیں۔(۴)

(۳) حکیم بن عمرؒ سے روایت ہے کہ: مساجد کو اپنا گھر بناؤ، ابوادریس خولانیؒ فرماتے تھے کہ مساجد میں بیٹھنے والے لوگ اللہ رب العزت کے نزدیک باعزت ہے۔(۵)

(۱) ترغیب وترہیب، حدیث: ۳۳۰
(۲) مسند احمد: ۴۹۱۴
(۳) احکام المساجد، ص: ۵۸
(۴) احکام المساجد، ص، ۵۸
(۵) احکام المساجد، ۵۸

(۴) حضرت عطاء بن ابی رباحؒ مسلسل چالیس سال تک مسجد میں مقیم رہے۔

(۵) مالک بن دینارؒ فرمایا کرتے تھے کہ :اگر پیشاب پاخانے کی حاجت نہ ہوتی تو میں مسجد سے کبھی باہر نہ نکلتا اور مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں لوگوں پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن مساجد کو آباد کرنے والوں، قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں اور مسلمانوں کے معصوم بچوں کو دیکھ کر اپنا عذاب روک لیتا ہوں۔(۱)

(۷) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ فرمایا کرتے تھے کہ مساجد ومدارس دین کے قلعے ہیں، جب تک یہ قلعے آباد رہیں گے تو پوری قوم آباد رہے گی۔(۲)

(۸) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ فرمایا کرتے تھے کہ مساجد ومدارس دین کے کارخانے ہیں، کارخانے آباد ہوں گے تو مال کی پیداوار برابر جاری رہے گی اور حفاظ کرام، قرائے عظام، مفتیان، واعظین اور مفسرین قرآن نکلتے رہیں گے اور اگر یہ کارخانے بند ہوجائیں گے تو مال نکلنا بند ہوجائے گا اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایمان واسلام ختم ہوجائے گا، لہذا مساجد ومدارس کو آباد رکھو۔(۳)

امام وخطیب سے مساجد جائے ہدایت ہیں

مساجد اسلامی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی مثال رکھتی ہے اور انبیاء کرامؑ نے اپنے کام کی بنیاد مسجد کو بنایا ہے جس طرح مسجد کی اہمیت ہے، اسی طرح زیادہ مسجد میں بیٹھنے والے عالم کی اہمیت ہے، سب سے پہلی مسجد بیت اللہ کی ہے اور اس کی اہمیت قرآن پاک نے خود بیان کی ہے اور اللہ نے اس کی تعمیر انبیا کرامؑ سے کرائی اور اس کی شان یہ بتائی کہ ''**ھدی للعالمین**'' ہے، لیکن اس مسجد کی تعمیر کے بعد ابراہیمؑ کو جس چیز کی ضرورت محسوس

(۱) احکام المساجد، ۵۹

(۲) احکام المساجد، ۱۵۸

(۳) احکام المساجد، ۱۵۸

ہوئی، وہ یہ ہے کہ اس مسجد کو آباد کرنے کے لیے کسی رسول کا ہونا چاہیے، کوئی کتاب ہونی چاہیے، مدرسہ ہونا چاہیے اور بیت اللہ کی جو عالمی حیثیت ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت تک نمایاں نہیں ہوئی، مکہ معظمہ شرک کا مرکز تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت اور آپ کی اکیس سالہ جدوجہد کے بعد مکہ فتح ہوا اور مکہ کی وہ حیثیت ''ھدی للعالمین'' جو قرآن پاک نے بیان فرمائی وہ بحال ہوئی اور قیامت تک بحال رہے گی، تو مسجد جہاں اہم ہے، وہاں مسجد کا خطیب اور مسجد کا امام بھی بہت زیادہ اہم ہے۔

مسجد کی کمیٹی، صدر، متولی اور ممبران کا مقام

مسجد کی خدمت محبوب بندوں کی ملتی ہے

مسجد جس طرح عظمت کی جگہ ہے اسی طرح اس سے تعلق کسی بھی لحاظ سے ہو قابل تعظیم، مبارک، باعثِ اجر اور برکت ہے، اللہ رب العزت اپنے محبوب بندوں کو ہی مسجد کی خدمت کی سعادت نصیب کرتے ہیں، بالعموم متولی، صدر و کمیٹی اللہ کے منتخب بندے ہوتے ہیں، اللہ انہیں اپنی نیکی کا فوری بدلہ یہ عطا کرتے ہیں کہ قوم کے دل میں ان کی عظمت و محبت پیدا کر دیتے ہیں، چنانچہ مسجد کے صدر و متولی کا پورا محلہ و بستی بھی احترام کرتی ہے۔

مسجد کی خدمت ایمان کی علامت ہے

آپ ﷺ نے فرمایا : "اگر کسی شخص کی مسجد میں آمد و رفت رہتی ہے تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو"إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ"(۱)

صرف آمد و رفت پر ایمانی شہادت کی تعلیم دی گئی ہے، اگر کوئی مسجد کی خدمت میں مصروف رہتا ہو تو اس کے کیا فضائل و مناقب ہونگے؟ مسجد کی خدمت بڑی نعمت ہے، اس پر جس قدر شکر گزاری کی جائے کم ہے۔

مشرکین مکہ بھی مسجد حرام کی تعمیر اور اس کی دیکھ بھال کو اپنے لیے قابل فخر تصور کرتے تھے، اور جا بجا اس کا اظہار بھی کرتے تھے؛ لیکن قرآنِ کریم نے اس کا رد کیا کہ بغیر ایمان کے صرف تعمیرِ مسجد انسانی نجات کے لیے کافی نہیں۔

"اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ، وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ"۔ (۲)

(۱) ترمذی، حدیث : ۲۶۱۷

(۲) سورہ توبہ : ۱۹

مسجد کا متولی نائبِ خدا ہوتا ہے

مفتی عبدالرحیم صاحبؒ رقم طراز ہیں: "افسوس فی زمانہ صرف مالداری دیکھی جاتی ہے، اگرچہ وہ بے علم و عمل ہو، نماز و جماعت کا پابند نہ ہو، فاسق ہو؛ حالانکہ مسجد کا متولی حقیقت میں نائبِ خدا شمار ہوگا تو ایسے عظیم منصب کے لیے اس کے شایانِ شان متولی ہونا چاہیے"(۱)

منصبِ تولیت سنتِ نبوی ﷺ ہے

تاریخ شاہد ہے کہ آپ ﷺ سے تعمیرِ مسجد قباء، مسجد نبوی ﷺ، فتح مکہ مکرمہ کے بعد مسجد حرام وغیرہ کی تولیت آپ ﷺ ہی نے سنبھالی ہے، جس طرح منصبِ امامت آپ ﷺ اپنی حیاتِ مبارکہ میں بشرطِ صحت کسی کے حوالے نہیں فرمایا اسی طرح منصبِ تولیت بھی کسی کے حوالے نہیں فرمایا، فقہی رو سے واقف (وقف کرنے والا) تولیت کا زیادہ حقدار ہوتا ہے، اس کے بعد حاکم، ظاہر ہے آپ ﷺ واقف بھی تھے اور امیر المومنین بھی، علاوہ ازیں فتح مکہ کے بعد کعبۃ اللہ کی چابی کے آپ ﷺ ہی حقدار تھے لیکن آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ کے حوالے فرمائی، آپ ﷺ کے بعد بھی امیر المومنین ہی اس ذمہ داری کو نبھاتے آئے ہیں۔ حاصل یہ کہ منصب امامت اور منصبِ تولیت دونوں نبی کریم ﷺ سے منسوب ہیں۔

ذمہ دارانِ مسجد کا دل مسجد سے لگا رہتا ہے

ہر مذہب میں جتنی اہمیت عبادت اور طریقۂ عبادت کی ہوتی ہے اتنی ہی اہمیت عبادت گاہوں کی بھی ہوتی ہے۔ ہندوؤں کے لیے مندر، یہودیوں کے لیے بیعہ، عیسائیوں کے لیے کلیسا، سکھوں کے لیے گردوارہ، شیعہ کے امام باڑہ، اور مسلمانوں کے لیے مساجد

(۱) فتاویٰ رحیمیہ: ۹/ ۲۷۴

انتہائی مقدس مقامات ہیں۔ ہر قوم کے نزدیک خواہ وہ زندگی بھر عبادت کریں یا نہ کریں، مگر اپنی عبادت گاہوں کا احترام ہمیشہ باقی رہتا ہے ، وہ ان کے نقصان کو برداشت کر سکتے ہیں اور نہ ہی بے حرمتی گوارا کر سکتے ہیں۔

مسجد سے بھی مسلمان کی عقیدت، محبت ہوتی ہے، لفظ مسجد سنتے ہی قلب و ذہن پر تقدیس واحترام کے حسین جذبات چھا جاتے ہیں، یہ خدا ترسی اور طہارتِ ظاہری و باطنی کی دلیل ہے۔ "**و من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب**"۔ حقیقت یہ ہے کہ ادب واحترام کرتا ہے اللہ تعالی کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے"۔(۱)

مسجد سے دل لگا رہنا عبادت کی خاطر باعثِ برکت ہے تو مسجد سے دل لگا رہنا عبادت اور خدمت دونوں کی خاطر تو کس قدر باعث اجر وثواب ہوگا۔

مسجد کی تولیت امانت ہے

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت (ایمانداری دنیا سے) اٹھ جائے تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کر۔ اس نے کہا ایمانداری اٹھنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب (حکومت کے کاروبار) نالائق لوگوں کو سونپ دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کر۔

" إذا ضُيِّعَتِ الأَمانَةُ فانْتَظِرِ السَّاعَةَ قالَ: كيفَ إضاعَتُها يا رَسولَ اللَّهِ؟ قالَ: إذا أُسْنِدَ الأمْرُ إلى غيرِ أهْلِهِ فانْتَظِرِ السَّاعَةَ"۔ (۲)

تولیتِ مسجد ایک امانت ہے، خلفائے راشدین خود ہی مسجد نبوی ﷺ کے خطیب اور امام تھے اور اس کی تولیت بھی انہی کے پاس تھی، یہ حضرات تولیت کو دنیاوی فخر و مباہات کا ذریعہ نہیں بلکہ اپنے لئے ذریعہ نجات خیال کرتے ہوئے اسے انجام دیتے تھے۔

جب سے اہلِ ثروت حضرات نے مساجد پر خرچ کرنے کو اپنے لئے فخر و مباہات کا

(۱) سورۃ الحج ۳۲:

(۲) صحیح بخاری، حدیث :۶۴۹۶

ذریعہ بنایا ہے اس وقت سے مساجد کا داخلی نظام درہم برہم ہو چکا ہے، آج بھی اگر مساجد کا داخلی نظام اہل علم کے پاس ہو اور اخراجات کی ذمہ داری مال دار حضرات اپنی سعادت سمجھ کر خادمانہ طور پر قبول کرلیں تو تولیت مساجد کا مسئلہ درست ہوسکتا ہے۔

اکثر مساجد میں تولیت خاندانی ہے، جماعتی ہے، کہیں قومی و مسلکی ہے، جنہیں اوقاف کے مسائل کا علم تک نہیں ہے، اوقاف کی ملکیت کو ذاتی ملکیت کی طرح استعمال کیا جاتا ہے، کسی کو پوچھنے کا حق نہیں ہے، کوئی پوچھ لے تو جواب ملتا ہے ''تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟'' جب تعمیر کے لئے چندہ وصول کئے تھے تب خیال نہیں آیا کہ یہ کون ہیں؟ جب کمیٹی بنانے کے لئے ووٹنگ لی گئی تو ووٹ لیتے وقت خیال نہیں آیا کہ یہ کون ہیں؟ جب مسجد پر ناگہانی آفت آتی ہے تو تب خیال نہیں آتا کہ یہ کون ہیں؟

مسجد کی تولیت سیاست نہیں بلکہ عبادت ہے

جب سے عہدہ او راقتدار کی حرص لوگوں میں پیدا ہوگئی تب سے مسجد کی تولیت بھی سیاسی مسئلہ بن چکا ہے، آج کل متولی وہ لوگ بنائے جاتے ہیں جو یا تو مالدار ہوں یا سیاسی رسوخ رکھتے ہوں، یا خود جاہ ومنصب والے ہوں، خواہ انہیں مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی فرصت نہ ہو اور نہ ہی نماز اور جماعت کی روح سے آشنا ہوں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے اداروں کی طرح مسجد کی تولیت کے لئے آپس میں جھگڑا فساد اور مقدمہ بازی ہوتی رہتی ہے۔ بعض دفعہ پولیس مسجد میں آجاتی ہے اور مسجد میں تالا تک لگ جاتا ہے۔ آپس میں اختلاف اس حد تک ہو جاتا ہے کہ اسکی بنا پر اس مسجد میں آنا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ امامت کی طرح تولیت کا حق بھی متقین اور صالحین کو ہی پہنچتا ہے۔

نماز ادا کرنا جس طرح عبادت ہے اسی طرح نماز گاہ یعنی مسجد کا نظام سنبھالنا بھی عبادت ہے، مسجد کی آبادی اور تمام ضروریات کا انتظام کرنا، حساب صاف رکھنا، نمازیوں اور امام کی حسبِ حیثیت مسجد سے متعلق تکالیف کو رفع کرنا، ہر ایک کا اس کی شان

کے موافق شرعی اکرام کرنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا، عہدے کا طالب نہ ہونا، احکامِ شرع کے تحت اپنی اصلاح میں لگے رہنا وغیرہ بھی عبادت ہے۔

جب کمیٹی اور متولیان مسجد کے انتظامی امور کو خدمت سمجھیں گے دیگر عبادات میں جس طرح سیاسی چال نہیں چلی جاتی اسی طرح تولیت بھی سیاسی اثرات سے محفوظ رہے گی۔

کمیٹی اور اصحابِ مساجد کی قرآنی صفات

تعمیر مساجد سنتِ انبیاء علیہم السلام ہے، دنیا کی پہلی مسجد تعمیر کرنے والے خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، مسجد نبوی کی اور مسجد قباء، بیت المقدس وغیرہ کی تعمیر انبیاء کرام علیہم السلام کی ہے، نیز بڑے کام کرنے والوں کی تمنا کیا ہوتی وہ بھی انبیاء کرام علیھم السلام نے کہ (۱) قبولیتِ خدمت کی فکر ہوتی ہے (۲) شریعت کی اطاعت کے جذبے ہوتے ہیں (۳) اپنی نسل کی دینداری کی فکر اور دعائیں ہوتی ہیں (۴) اپنی نسل کو قوم کا رہبر و امام بنانے کی محنت و جذبے ہوتے ہیں۔

”وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الحَكِيمُ۔ (۱)

محنت کر کے دعا کرنے والوں کی دعا کا اثر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک طویل مدت ان کی نسل میں انبیاء کرامؑ کی شرف و منزلت بخشی۔ اور دوسری طرف بنی

---

(۱) البقرہ ۱۲۷:-۱۲۹

اسماعیلؑ سے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

تعمیرِ مساجد میں صرف کامیاب وہی ہوں گے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے اعمال بلکہ ان کی زندگیاں اللہ کی راہ میں ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں۔

"إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلاَّ اللهَ فَعَسَى أُوْلَئِكَ أَن يَكُونُواْ مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ"۔

ایمان اور ایمانی اوصاف کے بغیر تعمیر مساجد ہی نہیں بلکہ تعمیر کعبۃ اللہ، اور خدمت ضیافت حجاج بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔

"أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لاَ يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللهِ وَاللهُ لاَ يَهْدِيْ الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ"۔ (۱)

مساجد ہی کے تعلق سے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں یہ بھی فرماتا ہے کہ: اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں، لہٰذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو، مطلب یہ ہے کہ عبادت گاہوں میں اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔"وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَداً"۔(۲) حضرت سعید بن جبیر نے مساجد سے مراد وہ اعضاء لیے ہیں جن پر آدمی سجدہ کرتا ہے، یعنی ہاتھ، گھٹنے، قدم اور پیشانی، مطلب یہ ہے کہ یہ اعضاء اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان پر اللہ کے سوا کسی اور کے لیے سجدہ نہ کیا جائے۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ زمین پوری کی پوری عبادت گاہ ہے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ خدا کی زمین پر کہیں بھی شرک نہ

(۱) التوبہ ۱۷: ۱۸-
(۲) الجن ۱۸:

کیا جائے۔

مسجد میں اصل حکم اللہ کا چلے گا

اللہ رب العزت نے آیت کے مختصر حصہ میں پوری تولیت کا خلاصہ کر دیا۔ "وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا۟ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا" مساجد اللہ ہی کے ہیں، یعنی مسجد اللہ کی ملکیت ہے، جس کی ملکیت ہوگی وہاں اسی کا تصرف ہوگا، اسی کا حکم نافذ کیا جائے گا، مسجد کی تولیت ذاتی ملکیت نہیں ہے، کمیٹی مسجد کی مالک نہیں بن جاتی ہے، بلکہ وہ صرف انتظامی امور کے مامور ہوتے ہیں، جو شرعی ہدایات کے مطابق انجام دینا ہے، خواہ کوئی شخص اپنی ذاتی رقم سے پوری مسجد بنا کر متولی بنا ہو، پھر بھی وہ مالک نہیں ہوگا، بلکہ وہ خادم ہوگا، یہ بات اگر سمجھ میں نہیں آئی اور اپنی ملکیت سمجھا تو اللہ کی ملکیت پر ناجائز قبضہ کا مجرم شمار ہوگا۔

متولی حضرات اور کمیٹیاں یاد رکھیں کہ: جس طرح اللہ نے بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے اسی طرح تولیت بھی ایک نعمت ہے، اور جس طرح دیگر نعمتوں سے آزمایا جاتا ہے تولیت کے ذریعہ بھی آزمایا جائے گا، اگر تولیت کو شریعت کے مطابق انجام دیا جائے تو نعمت میں اضافہ بھی ہوگا آخرت میں ذریعۂ نجات بھی، اور اگر من مانی کی جائے گی تو نعمت کے چھن جانے کا انتظار ہی نہیں بلکہ اللہ کی سخت پکڑ کا بھی انتظار کرنا چاہئے۔

مسجد کی تولیت وصدارت اقسام واحکام

متولی کی تعریف

انتظام کرنے والا، مہتمم، کسی امانت، جائیداد یا وقف وغیرہ کا منتظم، ٹرسٹی، نگرانِ کار، سرپرست۔ مسجد کی کمیٹی، صدر، ٹرسٹی، ممبر وغیرہ سب اسی میں داخل ہیں۔

تولیت کی قسمیں

تولیت کی دو قسمیں ہیں: جس طرح تعمیر کی دو قسمیں ہیں، تعمیرِ ظاہری، تعمیر باطنی، اسی طرح تولیت ظاہری، تولیتِ باطنی۔

تعمیرِ ظاہر: عمارت، در و دیوار بنانا، پانی، لائٹ، پنکھا، قالین، ضروریاتِ مسجد کا انتظام کرنا۔

تعمیرِ باطنی: مسجد مقصود کو انجام دینا، عبادت، ذکر، تعلیم، تفسیر، حدیث، معاشرہ میں دینی روح کو زندہ کرنے کے امور بخوبی انجام دینا۔ تعمیرِ ظاہری کی مثال جسم کی ہے اور تعمیرِ باطنی کی مثال روح کی ہے، روح کے بغیر جسم مردہ ہے، اسی طرح روحِ مسجد کے بغیر وہ صرف عمارت کہلائے گی۔

تولیتِ ظاہری: تعمیرِ ظاہری کے انتظامات کا ذمہ دار بننا، اگر فرد ہو تو متولی، افراد ہوں تو کمیٹی کہلاتی ہے۔

تولیتِ باطنی: تعمیرِ باطنی کے امور کو انجام دینا یا انجام دہی کے مواقع واسباب فراہم کرنا۔ اصل تولیت باطنی تولیت ہے۔

حقیقی تولیت کا حقدار ایمان باللہ، ایمان بالآخرہ، اہتمام صلوۃ وزکوۃ کے ساتھ ''لومۃ لائم'' سے بےخوفی جیسی صفات والا ہونا شرط ہے اس کے بغیر روحِ مسجد زندہ نہیں رہے گی۔ بلکہ جن میں یہ صفات نہیں وہ بنصِ قرآنی تولیت کے حقدار بھی نہیں۔

''إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَأَقَامَ

ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَلَمۡ يَخۡشَ إِلَّا ٱللَّهَ‘‘(۱)

سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ تحریر فرماتے ہیں: ’’نیز یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ خدا پاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہوسکتے ہیں، یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہوسکتا، کیوں کہ دونوں کے درمیان مناسبت باقی نہیں رہتی، بلکہ متضاد باتیں جمع ہوجاتی ہیں، وہ یہ کہ مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور (یعنی خدا پرستی سے منھ موڑنے والا)۔‘‘(۲)

آج کے متولیان و کمیٹی کے احباب کو دیکھ لیں، اکثر بے نمازی، صرف جمعہ کے نمازی وہ بھی چندہ جمع کرنے کے لئے، بے ریش، امانت داری سے عاری مخلصانہ صفات سے خالی، شرعی امور کی انجام دہی میں غافل، سماجی وسیاسی دباؤ سے دو چار، تبھی تولیت سماجی عہدہ بن کر رہ گیا، بہت کم مساجد میں کمیٹی حضرات سماج میں پورا دین زندہ کرنے کے فکرمند نظر آتے ہیں، معاونت تو کجا محنت پر خاموشی بھی گوارا نہیں ہے، اپنی کرسی کے چکر میں ترجیحی کاموں میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

مسئلہ حقیقی تولیت کا ہے

مولانا مناظر حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مسئلہ اب اس کا نہیں کہ مساجد بنائی جائیں، بلاشبہ مسلمانوں نے لاکھوں، کروڑوں نہیں بلکہ اربوں روپے لگا چکے ہیں، بہت سے ممالک میں مسلمان اپنی ذات کی طرح مساجد کی تعمیر پر خرچ کرتا ہے، سوال صرف یہ ہے کہ مساجد سے کیا کیا کام لئے جائیں... ضرورت اس کی ہے کہ مسجدوں سے وہ کام لئے جائیں جو سب

(۱) سورہ توبہ: ۱۸

(۲) ترجمان القرآن بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ: ۲۹۵/

سے پہلے قائم ہونے والی مسجد ''مسجد نبوی ﷺ'' سے لئے جاتے تھے۔(۱)

مسجد کمیٹی کے لیے ایسے افراد کا انتخاب ہونا چاہیے جو دیانت دار اور دین دار ہوں، فسق وفجور کی چیزوں (مثلاً ترکِ نماز فلم بینی اور ڈاڑھی منڈوانے) سے بچتے ہوں نیز ان کے اندر انتظامی امور کو سمجھنے اور انہیں انجام دینے کی صلاحیت بھی ہو، مسجد کمیٹی کے انتخاب کا شریعت میں کوئی متعین طریقہ نہیں ہے، اہل محلہ اتفاق کے ساتھ یا اکثریت سے مذکورہ بالا اوصاف کے حامل لوگوں کو نامزد کردیں کافی ہے، انتخاب کے لیے "ووٹنگ" کا طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے؛ لیکن بہر حال انتخاب مذکورہ بالا اوصاف کے حامل لوگوں کا ہی ہونا چاہیے، خائن، فسق وفجور میں مبتلا بے نمازی یا داڑھی کاٹنے والے کو امور مسجد کے ذمے داری سونپنا جائز نہیں ہے۔ "ووٹنگ" کی صورت میں محلے کا ہر فردِ عاقل اس کو اس میں شریک ہونے کی اجازت ہونی چاہیے خواہ وہ محلے میں نیا بسا ہو یا پہلے سے؛ باقی اگر "ووٹنگ" کے حق کو مصلحتاً صرف پرانے لوگوں کو دیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۲)

تولیت وصدارت کا مقصد

علم شریعت حاصل کرنے کی جگہ مدرسہ ہے تو اسے تبلیغ کرنے کی جگہ مسجد ہے، چنانچہ مسجد احکامِ شریعت پر عمل پیرا ہونے کے لئے میدانِ دعوت ہے، مسجد کے انتظامی خدمات سے رضائے الٰہی مقصود ہے، عبادت میں راحت کے اسباب مہیا کرنا اور شریعت کی تبلیغ کی رکاوٹوں کو ختم کرنا، اس لئے کمیٹی کو کہیں جھکنا اور کہیں ڈٹ جانا پڑتا ہے جس کے لئے مسجد کی انتظامیہ کو علمِ شریعت کے مسئلہ میں عالم اور مفتی صاحب کے تابع رہنا مقاصدِ تولیت میں داخل ہے، جس مسجد میں تعلیمِ شریعت کا انتظام نہ ہو وہاں جھگڑے ضرور ہوتے ہیں، نیز جس مسجد میں تولیت کو خدمت کے بجائے عہد شمار کرلیا جائے اور عوامی چندے کی رقومات

(۱) اسلام کا نظام مساجد: ۱۴

(۲) آن لائن دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 154220

کو ذاتی ملکیت یا ذاتی کمال سمجھ لیا جائے تو بھی جھگڑے ہی نہیں بلکہ خود کمیٹی اور صدر ہی تعلیم شریعت میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

مسجد کی تولیت وصدارت کے شرائط

مسجد اللہ کا گھر ہے، یہاں کے نظام کی خدمت کے لئے شرائط کی رعایت ضروری ہے، خواہ متولی بننے کے لئے ہو یا کمیٹی کا ممبر بننے کے لئے۔نااہل کو ممبر یا صدر نہیں بنایا جاسکتا، صرف مالدار ہونا کافی نہیں ہے، یا صرف خرچ کرنے کا جذبہ ہونا کافی نہیں ہے۔حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”جب متولی نااہل ہوں گے تو انکے ماتحت بھی نااہل ہوں گے، یہ ان علماء کی قدر کرنہیں سکتے جو غیرت منداور خود دار ہیں نتیجہ ہر آئے دن تبدیل ہوتا رہیگا، اور مسجد سے کوئی کام نہیں ہوگا۔

حضرت مفتی احمد بیمات صاحبؒ فرماتے ہیں: ”جیسے ہر کام کے لئے قابلیت شرط ہے ویسے ہی تولیت وصدارت کے لئے بھی قابلیت شرط ہے، نااہل کو کسی شعبہ میں جگہ نہیں دی جاتی، اہلیت ہو تو عہدہ سنبھالے ورنہ اس کے حوالے کردے جو اسکا اہل ہے۔(۱)

۱۔مسجد کے انتظام کو بخوبی انجام دینے کی اہلیت وقابلیت ہو یعنی انتظامی امور کی صلاحیت وجانکاری ہو، لہٰذا انتظام سے جاہل شخص کو تولیت یا کمیٹی کا فرد نہیں بنایا جائے گا۔

۲۔عملداری کی طاقت ہو۔منزل کا جاننا کافی نہیں ہے، بلکہ منزل تک پہنچنے کی صلاحیت ہونا بھی ضروری ہے۔اور اس صلاحیت کا استعمال خلافِ شرع نہ ہو۔

۳۔انتظامی امور کے انجام دہی کی مہارت ہو۔

۴۔معاملات اور مالیات میں امانت داری ودیانت داری ہو، حضرت شعیبؑ کی دختر نے یہی دو صفات حضرت موسیٰؑ میں دیکھی تھیں۔”ان خیر من استاجرت القوی

(۱) مستفاد: احکام المساجد: ۱۴۰

الامین ''اور حضرت یوسفؑ نے بھی اسی کو بنیاد بنایا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا تخت لانے کی ذمہ داری جس کو سونپی اس میں بھی یہی دو خوبیاں تھی۔ ''وانی علیه لقوی امین ''، چونکہ مسجد کے مال میں خیانت پوری قوم کے مال میں خیانت شمار ہوگی، اس لئے یہاں امانت داری بہت ضروری ہے۔

۵۔حق پرست ہو۔

۶۔خواہش پرستی سے محفوظ ہو۔انہیں دو باتوں کا حکم اللہ رب العزت نے حضرت داوٗدؑ کو دیا تھا۔

''يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلاتَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللهِ''(۱)

آیت میں عدل کا حکم ہر چھوٹے بڑے فیصلہ میں شامل اور حکم مجازاً ہر عہدے دار کو ہے۔

۷۔متولی، صدر اور کمیٹی کا ممبر بننے کی خواہش نہ ہو، عہدے کے طالب کو عہدہ نہیں دیا جائے گا، الایہ کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا نہ ہو۔

۸۔مصارفِ اوقافِ مسجد کا علم ہو۔

۹۔مسجد کے مال میں لاپرواہ نہ ہو۔

۱۰۔وقفِ مسجد کا خیر خواہ ہو۔مسجد کے لئے جو بھی چیز وقف کی گئی اس کو نقصان سے بچانے کی فکر ہو۔

۱۱۔ذرائع آمدنی کی حفاظت کرنے والا ہو۔

۱۲۔علانیہ گناہ کا مرتکب نہ ہو جیسے شرابی، زانی، ڈاڑھی منڈا، تارکِ جماعت، کاسب حرام دھوکہ باز وغیرہ۔

---

(۱)سورہ ص، آیت:۲۶

۱۳۔مال کمانے میں اندھادھن نہ ہو، جیسے جواری۔

۱۴۔امامت ومؤذنی اور خادم کی تعیین اور ان کے مشاہرے کے سلسلہ میں اہل وناایل اورمعقول ونامعقول کافرق کرنے کی صلاحیت ہو۔(۱)

آج کل مسجد کی صدارت کا معیار کیا ہے؟

آج کل مسجد کی کمیٹی کاممبر یاصدراورمتولی بننے کامعیارشرعی امورکاپایاجانا نہیں ہے،بلکہ (۱)ثروت ومالداری،(۲)سماجی وجاہت اوردبدبہ(۳)سیاسی لیڈروں سے تعلقات ہو (۴)خاندانی سلسلہ سے صدارت یاتولیت چلی آرہی ہو۔یہ سوچ کرایسے لوگ کمیٹی میں شامل ہوتے ہیں یاشامل کئے جاتے ہیں کہ ایسے لوگ مسجد کے مالیہ کی فراہمی آسانی سے کرلیں گے،یاقانونی امور بخوبی انجام دلوائیں گے،ممکن ہو یہ فوائد حاصل ہوبھی جاتے ہوں مگر مشاہدہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی جیب کاایک پیسہ مسجد پرخرچ نہیں کرتے،بلکہ بعض تومسجد کی آمدنی کواپنی تجارت میں خرچ کرلیتے ہیں،ایسے لوگوں سے حساب پوچھنے کی کسی کوہمت بھی نہیں ہوتی،جواب دینے کویہ لوگ ضروری بھی نہیں سمجھتے،اورایسے لوگ متدین نہ ہوں تواہلِ علم کے قدردان بھی نہیں ہوتے،تولیت کے شرعی امورسے ہٹ کرایسی باتوں کی وجہ سے صدر یاکمیٹی کاممبر بناناشرعادرست نہیں ہے،غریب شخص میں شرائط تولیت پائے جانے کے باوجود صرف غربت کی وجہ سے کمیٹی کاممبر نہ بنانا بھی درست نہیں ہے۔نیز مالدار کے مقابلہ غریب شخص کمیٹی ممبر بننے کی ہمت بھی نہیں کرتاکہ کون ان کے منہ لگے،اہلِ محلہ کی ذمہ داری ہے کہ مسجد کی انتظامیہ شرعی امور بننے کی صورت میں ہی راضی ہوں ورنہ خود بھی خائن شمار ہوں گے۔

---

(۱)مستفاد:احکام المساجد:۱۴۱

کمیٹی کے افراد کن صفات کے حامل ہوں؟

ڈاکٹر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی صاحب لکھتے ہیں ''عموماً ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے یا پھر سنِّ یاس (مایوس کن بڑھاپہ) کو پہنچ جانے والے حضرات کو مسجد کی انتظامی کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے منتخب کیئے جاتے ہیں جبکہ مسجد کے امور کی انجام دہی کے لیے زیرک، معاملہ فہم اور وسیع القلب اشخاص کی از حد ضرورت ہوتی ہے جو نہ صرف دوراندیش اور منفعت بخش فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں بلکہ وہ سائنٹفک مینجمنٹ Scientific management، ڈجیٹل مینجمنٹ Digital management، ڈساسٹر مینجمنٹ Disaster management، فینانشیل مینجمنٹ Financial management اور ہیومن ریسورس مینجمنٹ Human reserves management کی خوبیوں سے بھرپور واقفیت رکھتے ہوں، تاکہ مساجد کی محدود آمدنی کو کثیر المنافع مواقع پر صرف کرسکیں، اور قلیل عرصہ میں مسجد کی انتظامی کمیٹی کو مالی اعتبار سے خود مکتفی بناسکیں اور ماتحتوں کی صلاحیتوں کی حتی الوسع نشو و نما کرنے کا ہنر بھی جانتے ہوں اور وہ ملت کو درپیش حساس مسائل پر سیر حاصل بحث وتمحیص، دلائل و بیانات میں غور وتدبر اور آپسی صلاح ومشورہ کے بعد ایسے اقدامات کرسکیں جو امت مرحومہ کے حق میں دونوں جہانوں کی سعادت مندیوں اور ابدی فلاح کا ضامن ہوں چونکہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب اس خطۂ ارضی سے انسانیت کے دینی، تعلیمی، معاشی، معاشرتی، روحانی، سیاسی، اصلاحی وغیرہ جیسے اَن گنت مصالح ومنافع وابستہ ہیں، مسجد کی انتظامی کمیٹی کی تشکیل میں کوتاہی وتساہلی سے کام لینا ''لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا'' کے مترادف ہے۔

کسی بھی ادارہ کے مقاصد واہداف کے مطابق انتظامی اُمور کی اہمیت وافادیت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے چنانچہ کوئی خانگی اسکول یا تجارت کے لیے ایک عام ذہن کافی ہوتا ہے لیکن یونیورسٹی University یا ملٹی نیشنل کمپنی Multinational company کو

چلانے کے لیے مختلف ڈیپارٹمنٹس Departments اور شعبہائے حیات سے تعلق رکھنے والے ماہرین پر مشتمل کمیٹیوں کی تشکیل ناگزیر ہوجاتی ہے۔خانگی اسکول یا تجارت کو چلانے کے لیے جو سالانہ مصارف عائد ہوتے ہیں یونیورسٹی یا ملٹی نیشنل کمپنی کو فعال بنانے کے لیے تشکیل دی جانے والی کمیٹیوں پر اس سے کہیں زیادہ مصارف عائد ہوتے ہیں چونکہ ان کے اغراض ومقاصد کا دائرہ وسیع تر ہوتا ہے، ذراسی کوتاہی ونادانی عظیم نقصان کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔

اس تناظر میں اگر ہم کسی ادنیٰ عقل وفہم رکھنے والے انسان سے بھی سوال کریں کہ مسجد کی انتظامی کمیٹی کیسی ہونی چاہیے وہ یہی جواب دیگا کہ وہ انتہائی ماہر، حساس اور فعال اشخاص پر مشتمل ہونی چاہیے چونکہ اس میں ذراسی کوتاہی ساری انسانیت کے لیے ضرررساں ثابت ہوسکتی ہے۔آج کے معاشرے میں جو تیزی سے بگاڑ آرہا ہے یہ اس کی بین دلیل ہے۔(۱)

تعلیم یافتہ نوجوانوں کو کمیٹی میں شامل کریں

محلہ کے ان نوجوانوں کو مسجد کی انتظامی کمیٹی میں شامل کریں جو دینی جامعات یا عصری یونیورسٹیوں سے فارغ ہوں تاکہ وہ مسجد کے مدرسہ میں بیک وقت School Dropout Children (جو کسی وجہ سے تعلیم ترک کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں) کے لیے دینی وعصری تعلیم کا انتظام ہوسکے اور یہ تعلیم یافتہ نوجوان ان غریب ونادار بچوں کو اپنے مضامین کے مبادیات پڑھاسکیں چونکہ آج کل Open University کا دور ہے اس تناظر میں قوی امید کی جاسکتی ہے کہ یہی بچے جو آج تعلیم سے محروم ہیں کل ہوسکتا ہے مبادیات کا علم ہونے کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم کا ذوق ان کے دلوں میں پیدا ہوجائے اور وہ اس کی تکمیل فاصلاتی تعلیم سے کرسکیں۔ہوسکتا ہے یہی بچے مستقبل میں ملت کا بہترین اثاثہ ثابت

---

(۱) مضامین ڈاٹ کام، اشاعت 22 اکتوبر، 2018

ہوں۔ تو دوسری طرف ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کو پڑھانے سے مضمون میں مزید مہارت حاصل ہو جائیگی اور مسجد سے وابستگی انسان کے کردار پر بھی مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔(۱)

مسجد کی صدارت علماء کا حق ہے

☆مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”اہلِ علم پابند صوم وصلوۃ ہوتے ہیں، بے علم، بے عمل، فاسق وفاجر، دھاڑی منڈے تولیت اور اہتمام نیز دینی سوسائٹی اور قیادت وسیادت کے اہل نہیں ہو سکتے، صحیح حقدار حاملین قرآن و پابند شریعت لوگ ہیں“۔(۲)

☆مساجد شعائر اسلام میں سے ہیں، جو شعائر اسلام کا محافظ نہ، شریعت کا پابند نہ ہو، نماز باجماعت کا پابند نہ ہو، گناہ کبیرہ کا مرتکب یا صغائر پر مصر ہو، وہ خانۂ خدا کا متولی نہیں بن سکتا، اس میں اللہ کے گھر، امام، اور مؤذن بلکہ مصلیوں کی بھی توہین وتحقیر لازم آتی ہے۔(۳)

☆علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: ”بے علم وعمل فاسقوں کو ایسے معزز عہدے سپرد کرنے میں ان کی تعظیم لازم آتی ہے، حالاں کہ فاسق واجب الاہانت ہے، وہ تعظیم کا مستحق نہیں، حاملین قرآن کو جہال وفاسقوں کی ماتحتی اور تابعداری کرنے سے ان کی توہین وتذلیل لازم آتی ہے، جیسے مردوں کا عورتوں کی ماتحتی اور تابعداری میں رہنا تذلیل سمجھا جاتا ہے۔(۴)

☆خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے عاملوں کو لکھا: ہمارے کاموں کا ذمہ دار سوائے اہلِ قرآن (حفاظ) کے کسی کو مقرر نہ کرنا، عاملوں نے جواباً لکھا: ہم نے ان میں خیانت پائی ہے“ عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا: سوائے اہلِ قرآن کے کسی کو مقرر نہ کرنا، اگر ان میں خیر وبہتری نہ

(۱) مضامین ڈاٹ کام، اشاعت 22 اکتوبر، 2018

(۲) فتاوی رحیمیہ: ۹/ ۷۳

(۳) فتاوی رحیمیہ: ۹/ ۱۷۳

(۴) بحوالہ: فتاوی رحیمیہ: ۹/ ۷۵

ہوگی تو ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بدرجۂ اولی نہیں ہوگی۔(۱)

اسی بات کو علامہ شامیؒ نے کسی کے حوالہ سے نقل فرمایا: اہل علم کے بھلے آدمی دوسرے بھلے آدمیوں سے بہتر ہیں، اور اِن کے خراب آدمی دوسرے خراب لوگوں سے بہتر ہیں۔

"خَيْرُهُمْ خَيْرٌ مِنْ خَيْرِ غَيْرِهِمْ وَشَرُّهُمْ خَيْرٌ مِنْ شَرِّ غَيْرِهِمْ"۔(۲)

☆ اہل شخص کی موجودگی میں نااہل شخص کو، بلکہ افضل شخص کی موجودگی میں مفضول کو دین و جماعت کی ذمہ داری سپرد کرنا خلافِ شریعت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا نااہل کو عہدہ سونپنا اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنا ہے، ظاہر موجودہ دور میں مسجد کے چندہ سے ہی مسجد کا نظام چلانا اور امانت داری سے چلانا، کیا یہ کام علماء نہیں کر سکتے؟۔(۳)

مسجد کی کمیٹی اور متولی کی انتظامی ذمہ داریاں!

☆ امامت کی شرعی اہلیت رکھنے والے شخص کو امامت کے لئے مقرر کرنا۔

☆ مؤذنی کی اہلیت رکھنے والے شخص کو مؤذنی کے لئے مقرر کرنا۔

☆ مسجد کی ملکیت اور اسکی آمدنی کی مکمل حفاظت کرنا۔

☆ آمدنی اور خرچ کا حساب بالکل صاف رکھنا۔

☆ مسجد کی آمدنی کو مناسب (شرعاً جہاں خرچ کرنے کا حکم ہو) اور ضروری جگہ ہی خرچ کرنا، غیر ضروری جگہ یا ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرنا۔

☆ مسجد کی صفائی اور انتظامات میں مصلیوں کی راحت کا خیال رکھنا۔

☆ مسجد کی صفائی کے لئے علیحدہ خادم مؤذن کے علاوہ رکھنا۔

---

(۱) مکارم الحفظہ: ۴۷

(۲) تکملہ حاشیہ ردالمحتار: ۱/ ۳۴۷

(۳) احکام المساجد: ۱۴۲

☆مسجد میں موجود قرآن مجید، مصلی وغیرہ کی حفاظت کرنا۔ متولی، کمیٹی وغیرہ کا فرض ہے کہ قرآن مجید، دینی کتابوں کو کیڑوں کی خوراک ہونے نہ دے، اس کے لئے اہلِ علم سے استفادہ کا میدان کھلا رکھے۔ یا وقف کی اجازت سے کتاب کے اہل کو کتاب دیدے۔

☆مسجد کی زائد آمدنی کو مسجد کی مستقل آمدنی کا ذریعہ بنانا۔ یعنی مسجد کے لئے زمین وغیرہ خریدنا۔ تاکہ آئندہ مسجد کے کام آسکے۔

☆مسجد کو آباد رکھنے والے اعمال انجام دیتے رہنا۔(۱)

نوٹ : کمیٹی یا صدر و متولی کی غفلت کی وجہ سے مسجد کی کسی چیز کا نقصان ہوجائے تو یہی لوگ ضامن ہوں گے۔(۲)

مسجد کی کمیٹی و صدر کو کب معزول کیا جائے گا؟

☆مسجد کی تولیت وصدارت کے شرائط جب نہ پائے جائیں تو عوام کی ذمہ داری ہے کہ ایسے شخص یا کمیٹی کو معزول کردیں ورنہ اہلِ محلہ بھی گناہ گار ہوں گے۔(۳)

☆مسجد کے مالیہ میں خیانت کردے تو معزول کرنا واجب ہے۔

☆جب انتظامی صلاحیت ختم ہوجائے۔ خواہ وہ مسجد وقف کرنے والے کی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔

☆جب مسجد کو بازاری سیاست کے لئے استعمال کیا جانے لگے جس سے مسجد کی بے حرمتی لازم آتی ہو۔

☆جب مقاصد مسجد میں کمیٹی رکاوٹ بنتی ہو۔

---

(۱) مستفاد: احکام المساجد: ۱۵۲

(۲) مسلم قانون: ۱/ ۴۵۵

(۳) مستفاد: احکام المساجد: ۱۵۲

بیت المقدس کی تولیت کا حق یہودیوں کو ہے یا مسلمانوں کو؟

مسجد کی تولیت خاندانی وراثت کی بنیاد پر نہیں ہوگی، کہ فلاں شخص کے بعد ان کے بیٹے کو تولیت حاصل ہوگی، خواہ نااہل ہی کیوں نہ ہو، جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے مسجد حرام کی تعمیر کی اور وہ مکہ مکرمہ کی آبادی کا باعث بنی، اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے پوتے حضرت یعقوبؑ نے مسجد بیت المقدس کی بنیاد رکھی، عرصہ دراز کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اس مسجد کی جدید تعمیر فرمائی۔

قرآنی دلیل

ا۔ مسجد اقصیٰ کی تولیت اگر خاندانی وراثت کی بنیاد پر ہوتو یہودی اس کے حقدار ہوں گے، اور اگر تولیت نظریہ کے بنیاد پر ہوتو مسلمان اس کے حقدار ہوں گے، عظمتِ بیت المقدس تو دونوں میں ہے، کیونکہ قرآن وحدیث کی رو سے انبیا کے نظریاتی وارث مسلمان ہیں نہ کہ یہود۔

یہودی، نصاریٰ اور مشرکین، خود کو ملت ابراہیمی کا وارث قرار دیتے تھے مگر قرآن کریم نے یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے دعوے کی تردید فرما کر مسلمانوں کو ملت ابراہیمی کا اصلی وارث قرار دیا ہے ظاہر ہے یہ وراثت خاندان کی بنیاد پر نہیں ہے۔

”مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِياًّ وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ O(۱)

”حضرت ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک موحد مسلم تھے اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ابراہیمؑ سے نسبت رکھنے کا حق اگر کسی کو پہنچتا ہے تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے

(۱) آل عمران : آیت، ۶۷

جنہوں نے ان کی پیروی کی اور اب یہ نبی (حضرت محمد ﷺ) اور ان کے ماننے والے اس نسبت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ صرف انہی کا حامی و مددگار ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔''

بنی اسرائیل اگرچہ کہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد ہیں اور خود کو حضرت یعقوبؑ کا وارث مانتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے محض خاندانی تعلق کا اعتبار نہیں فرمایا:

''اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱)

''یا پھر تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب اور اولاد یعقوب سب کے سب یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔ تمہاری حرکات سے اللہ تعالیٰ غافل تو نہیں ہیں۔''

آیت میں نفی نظریاتی تعلق کی فرمائی نہ کہ خاندانی تعلق کی جو کہ حق تولیت کی بنیاد ہے تو حق تولیت کی نفی خود بخود ہوگئی، ظاہر ہے انبیاء کی وراثت نظریے کی بنیاد پر ہوتی ہے نہ کہ خاندان کی بنیاد پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح انبیاء کے نظریات کے وارث مسلمان ہیں، اس طرح انبیاء کی تعمیر کردہ عبادت گاہوں کے وارث بھی مسلمان ہیں۔

حدیث سے استدلال

۲۔ یہی بات حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کو یہود نے عاشوراء کا روزہ رکھنے کی وجہ حضرت موسیٰؑ کی فرعون سے نجات کا سبب ذکر کیا تو فرمایا: ''ہم تمہاری نسبت

(۱) البقرہ: آیت، ۱۷

کے اعتبار سے موسیٰ کے زیادہ قریب ہیں۔

""فنحن أحق وأولى بموسى منكم ،فصامه ﷺ وأمر بصيامه"" (١)

اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے قربت خاندانی نہیں ہے چونکہ آپ ﷺ بنی اسماعیل سے ہیں جبکہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل سے ہیں، لہذا آپ ﷺ کے فرمان میں نظریے کی قربت مراد ہے، چنانچہ آج بھی صومِ عاشوراء نظریاتی مطابقت کی وجہ سے ہے البتہ مشابہت سے احتراز کرنے کے لئے صومِ ۹ محرم الحرام کا حکم فرمایا۔

یہود نظریاتی مطابقت کیا رکھتے، انہوں نے تو انبیاء کرام کو قتل کیا، بہت ہی گھٹیا الزام لگایا جیسے حضرت عیسیٰؑ پر اس کے بعد بھی مسجد اقصیٰ پر تولیت کا کوئی مذہبی یا اخلاقی حق باقی نہیں رہتا۔

تاریخ سے دلیل

۳۔ اگر خاندان کی بنیاد پر تولیت مانی جائے تو مشرکین بھی بیت اللہ پر تولیت کا دعویٰ کرتے ہیں کہ مکہ فتح ہونے سے قبل کعبہ میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی، لوگ دیوتاؤں کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے تھے، صفا اور مروہ پر اساف اور نائلہ نامی بت نصب تھے۔ مگر مسلمانوں نے خانہ کعبہ ہمارے آباواجداد سے چھین کر ہمارے دیوتاؤں کی بے حرمتی کی اور ہمارے دیوتاؤں کو ہماری عبادت گاہ سے نکال دیا۔

اس وقت سے آج تک خانہ کعبہ مسلمانوں کے قبضے میں ہی ہے، جبکہ یہ دعوی بھی غلط ہے کیونکہ معمار کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو خدائے واحد کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا، نہ کہ بتوں اور دیوتاؤں کی پوجاپاٹ کے لیے۔ لہذا فتحِ مکہ سے مشرکین کی تولیت ختم نہیں

(١) صحیح مسلم، حدیث: ١١٣٠

کی گئی بلکہ ناجائز قبضہ اور ناحق تولیت کو ختم کر کے حق دار کو حق تولیت سونپا گیا۔

یہود کو تولیت کا حق کب ہوسکتا تھا؟

۴۔اللہ تعالیٰ نے یہود کو مسجد اقصیٰ کی تولیت مشروط طور پر عطا فرمائی تھی، چنانچہ فرمایا۔

"یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡٓ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ وَاِیَّایَ فَارۡہَبُوۡنِ ۝ (۱)

مسجد اقصیٰ پر یہود کی تولیت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت تھی۔ مگر احکام الٰہی کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی شرط پر، پر افسوس یہود سے یہی کام نہیں ہوسکا، جس کی وجہ سے نافرمانی حد سے بڑھ نے کے بعد پہلی بار اللہ نے ابل کے بادشاہ بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا، جس نے یہود کو ارض مقدس سے جلاوطن کر دیا۔ ٹھوکر کھانے کے بعد توبہ کی تلقین و توفیق ہوئی ایرانیوں کے زمانہ میں ارض مقدس کی تولیت دوبارہ عطا فرمائی۔

مگر نعمت ملنے کے بعد پھر مستی میں آگئے تو دوسری بار خدا تعالیٰ نے ان پر رومیوں اور یونانیوں کو مسلط کر دیا، جنہوں نے یہود کا قتل عام کیا، مسجد اقصیٰ کو جلا دیا اور جلاوطن یہودی ایک بڑی تعداد میں انتہائی مایوسی کے عالم میں ارض مقدس کو چھوڑ کر مدینہ منورہ اور اس کے ارد گرد آ کر آباد ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا انتظار کرنے لگے۔

آپ ﷺ تشریف لائے تو ان یہودیوں کے لئے یہ بہترین اور آخری موقع تھا کہ تورات کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کے آخری نبی پر ایمان لاتے، اور اللہ رب العزت نے بھی ان کو سہ بارہ تولیت کا مژدہ بھی سنایا تھا، چنانچہ فرمایا:

"عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یَّرۡحَمَکُمۡ ۚ وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَجَعَلۡنَا جَہَنَّمَ

---

(۱)البقرہ : آیت،۴۷

لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا○(۱)

”(اب محمد ﷺ کی بعثت کے بعد) ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر پھر تم نے ویسا ہی کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے اور حق کے منکروں کے لیے ہم نے جہنم کا احاطہ بنا رکھا ہے۔“

مگر صد افسوس کہ یہود اس موقع سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور آخری نبی کا نہ صرف انکار کیا بلکہ دشمنی پر اتر آئے۔ تو تیسری بار اللہ نے انہیں نہ صرف مدینہ منورہ اور خیبر سے ان کو جلاوطن کیا گیا بلکہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو یہود کے قبضہ سے نکال کر مسلمانوں کو عطا فرمایا۔

سفرِ معراج کی حکمت سے استدلال

معراج کا مقدس سفر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار اور رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے۔ مسجد اقصیٰ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو جمع فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کو ان کا امام بنایا۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ مسجد اقصیٰ میں رسول اللہ ﷺ کو انبیاء کی امامت پر مامور کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ انبیاء کرام سے لیے گئے وعدے ”لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ“ (البتہ تم ضرور بضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے) کا عملی اقرار ہو جائے۔

اور دوسری یہ حقیقت ثابت ہو جائے کہ بانیانِ مسجد اقصیٰ کی موجودگی میں آپ کا امامت کے لیے بحکم خداوندی کھڑا ہونا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ آپ کی موجودگی میں جس طرح کوئی نبی مصلی امامت پر نہیں کھڑا ہو سکتا، اسی طرح آپ کی امت کی موجودگی میں کوئی دوسری امت مسجد اقصیٰ کے مصلے پر نہیں کھڑی ہو سکتی۔

---

(۱) بنی اسرائیل: آیت، ۸

علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنی کتاب ''سیرۃ النبیؐ'' کی جلد سوم میں ''قرآن مجید اور معراج'' کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں: ''آپ ﷺ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی ﷺ القبلتین کا منصب عطا ہوا۔ یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت ﷺ کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، اسی لیے معراج میں آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی صف میں آپ ﷺ کو امامت پر مامور کیا گیا تا کہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلان عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکار محمدی کو عطا ہوتی ہے اور نبی القبلتین نامزد ہوتے ہیں۔''

اپنی امت کو بیت المقدس کی نماز کی ترغیب دینا

آپ ﷺ نے نہ صرف خود نماز پڑھائی بلکہ اپنی امت کو بھی اس میں نماز پڑھنے کی تعلیم وترغیب دی۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''بیت المقدس حشر ونشر کی زمین ہے (قیامت برپا ہونے کا میدان سرزمین مقدس ہوگی) اس سرزمین میں جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ اس میں ایک نماز (مسجد حرام اور مسجد نبوی کے سوا) دیگر مقامات میں ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ ''بيت المقدس ارض المحشر والمنشر ايتوه وصلوا فيه فان صلوة فيه كالف صلوة فی غير''(۱) اگر خاندان کی بنیاد پر یہود کو مسجد اقصیٰ کی تولیت کا حق ہوتا تو سرکار دو عالم ﷺ مسلمانوں کو وہاں نماز پڑھنے کی ترغیب کیوں دیتے؟ <u>کیا آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کسی بھی یہودی عبادت گاہ میں کوئی نماز پڑھی یا اہل ایمان کو اس کی ترغیب دی</u>؟! اگر آپ ﷺ نے کسی یہودی عبادت گاہ میں نہ خود نماز پڑھی اور نہ اہل ایمان کو اس کی ترغیب دی تو بیت المقدس میں آپ کے نماز پڑھنے اور اپنے متبعین کو اس میں نماز پڑھنے کی تلقین کرنے کا کیا مطلب ہے؟ واضح ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد اقصیٰ کو مسلمانوں کا حق

---

(۱) کنز العمال

تصور کرتے ہوئے وہاں نماز پڑھنے کی ترغیب دی۔

واقعہ عمرؓ سے استدلال

فتح بیت المقدس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ رات کے وقت بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ میں حاضری دی اور محراب داؤد میں دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی اور پھر صبح کو اسی مقام پر باجماعت نماز فجر ادا کی۔ آپؓ نے عیسائیوں کے مشہور کنیسہ قیامہ کی بھی سیر کی۔ دوران سیر نماز کا وقت آگیا۔ بطریق نے جو آپؓ کے ساتھ تھا، عرض کیا کہ یہیں نماز پڑھ لیجیے مگر آپؓ نے پیش کش قبول نہ کی اور باہر نکل کر سیڑھیوں پر تنہا نماز ادا کی۔ آپؓ نے بطریق سے کہا، ''اگر میں یہاں نماز پڑھ لیتا تو میرے بعد مسلمان اس کنیسہ کو تم سے چھین لیتے کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز پڑھی تھی۔'' پھر آپؓ نے بطریق کو اس مضمون کی ایک تحریر لکھ کر دے دی کہ گرجا کی سیڑھیوں پر بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کی جائے اور نہ اذان دی جائے۔(۱)

آخر کیا وجہ ہے کہ فاروق اعظمؓ مسجد اقصیٰ میں دو رکعت تحیۃ المسجد بھی ادا فرماتے ہیں اور نماز فجر بھی باجماعت پڑھتے ہیں لیکن عیسائیوں کے مشہور کنیسہ قیامہ میں نماز کا وقت ہونے کے باوجود اور بطریق (۲) کی پیش کش کے باوجود وہاں نماز ادا نہیں فرماتے بلکہ سیڑھیوں پر تنہا نماز ادا فرماتے ہیں؟ پھر سیڑھیوں پر تنہا نماز پڑھنے کے بعد یہ مضمون بھی تحریر فرما دیتے ہیں کہ سیڑھیوں پر بھی جماعت کی نہ نماز ادا کی جائے اور نہ اذان دی جائے۔ اگر آپؓ بیت المقدس پر یہود کی تولیت کا حق تسلیم فرماتے تو کیا وہاں نماز باجماعت ادا

(۱) تاریخ ملت، جلد اول، ص ۲۷۲

(۲) اسقف اعظم سے اوپر کا سردار، یونانی زبان سے ماخوذ ہے، سردار قبیلہ، خاندان کا بزرگ یا کسی خاندان کا سربراہ کے معنی میں مستعمل ہے، ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو بنی اسرائیل کے تین بطریق کہا جاتا ہے اور جس دور میں وہ زندہ رہے اس دور کو قرونِ بطریق کہا جاتا ہے۔ بطریق کا اصل مذہبی مطلب بائبل کے نسخہ سپتو اجنتا میں ملتا ہے۔

فرماتے؟ سیدنا عمرؓ فاروق نے اس طرزِ عمل سے اس حقیقت کو عملی طور پر ثابت کیا کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے جو مذہبی عبادت گاہیں خود تعمیر کی ہیں، ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں، لیکن جہاں تک مسجد اقصیٰ کا معاملہ ہے، اس کی تولیت کا حق مسلمانوں کو ہے۔ اس مقدس مسجد کو ہرگز یہود کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔ محض چند تاریخی واقعات اور توریت کی بعض عبارات کو بنیاد بنا کر اللہ تعالیٰ کی مغضوب وملعون قوم کو مسجد اقصیٰ کی تولیت کا حق ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔(۱)

---

(۱) بتغیر یسیر بحوالہ: الشریعہ اکادمی، مولانا محمد یوسف صاحب

ذمہ دارانِ مسجد کی شرعی و اخلاقی ذمہ داریاں

مسجد کی آبادکاری کے بنیادی ستون

مسجد کی آبادکاری کے چار بنیادی ستون ہیں:

(۱) مسجد کی انتظامیہ (۲) مقتدی و مصلی (۳) امام (۴) مؤذن۔(۱) یہاں پہلے دو ستون سے متعلق اہم امور عرض کئے جائیں گے۔

یہ خدمت سعادت ہے

[۱] اخلاص سے کام کریں، مسجد کی تعمیر اور اس کی خدمت بڑے ثواب کا کام ہے، مگر یہ ثواب، ثواب دینے والے سے لیں، بندوں سے نہ لیں، لہٰذا اس خدمت کا اجر اگر آخرت میں اللہ سے چاہتے ہیں تو دنیا میں اس عہدہ کو نام کمانے، رعب جمانے، حکم چلانے اور دھاک بٹھانے کا ذریعہ نہ بنائیں۔ اس عہدہ کو نعمت کے ساتھ ذمہ داری سمجھیں۔ مسجد کا مقام دین میں بہت بلند ہے اس لیے اس کی تولیت کی ذمہ داری بھی بہت بڑی ہے۔ اللہ کے یہاں جواب دہی کا احساس ہمیشہ زندہ رکھیں۔ لوگوں میں شبیہ حاکمانہ نہیں خادمانہ بنائیں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم دین سیاح و مفکر ہیں آپؒ کا فارسی شعر ہے:

شکرِ خدای کن کہ موفّق شدی بخیر   زانعام وفضل او نہ معطّل گذاشتت

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی   منت شناس کہ خدمت بداشتت (۲)

''خدا کا شکر ادا کرکہ نیکی کی توفیق سے نوازے گئے، اس کے انعام اور فضل سے بیکار نہیں کردیے گئے، یہ احسان نہ جتلاؤ کہ میں بادشاہ کی خدمت کر رہا ہوں بلکہ بادشاہ کا اپنے اوپر احسان سمجھو کہ اس نے تمھیں اپنی خدمت کے لیے قبول کرلیا''

---

(۱) کامیاب امامت کے اصول وآداب اور کامیاب مؤذنی پر تفصیل کے لئے۔ ''مسنون امامت؛ کامیاب امامت کے اصول وآداب'' کتاب کا ائمہ کو مطالعہ کرنا مفید ہوگا۔ احمد اللہ نثار قاسمی۔

(۲) گلستان سعدی، باب ہشتم، در آدابِ صحبت

ہمارے ذہن و دماغ میں مسجد اور خدام دین علماء وحفاظ کی خدمت وقت، مال کے اعتبار سے کرتے ہوئے کبھی بھی جتلانے کا جذبہ پیدا نہ ہو، اللہ کا کرم ہے کہ مجھے قبول کیا، مجھ سے زیادہ باصلاحیت لوگ، مجھ سے زیادہ عقلمند اور مجھ سے زیادہ مالی فراوانی والے لوگ موجود ہیں لیکن اللہ تعالی نے مجھ جیسے ناکارہ کو ناپاک کو قبول کرلیا یہ ان کا کرم ہے، احسان جتلانے کا رخ پیدا نہ ہو بلکہ شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہو۔

عہدہ کی طلب خطرناک مرض ہے

عہدے کی طلب بہت خطرناک مرض ہے، ابو جہل کو جب بچوں نے زخمی کردیا تو افسوس کرنے لگا کاش میں قریش کے کسی سردار کے ہاتھ قتل ہوتا، بچوں کے ہاتھ مارے جانے کا غم ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ قتل کرنے کا ارادہ کیا تو کہنے لگا میری گردن کو مونڈھوں کے پاس سے کاٹنا، تاکہ جب محمد (ﷺ) کے پاس مقتولوں کی گردنیں جائیں تو میری گردن سب میں نمایاں ہو، یعنی موت پر بھی عہدہ کی لالچ ختم نہ ہوئی۔ نیز آپ ﷺ کا فرمان بھی ہے عہدے کی طلب والے کو عہدہ نہیں دیا جائے گا، چنانچہ حضرت عباسؓ آپ ﷺ کے چچا نے کسی علاقے کی گورنری مانگی تو آپ ﷺ نے نہیں دیا۔

اگر کسی کی نیت پہلے سے ہی خراب ہو جائے کہ مجھے مسجد کی صدارت یا ممبر بننے کا موقع ملے گا، تو میری شہرت ہوگی، تو نیت بگڑنے کے بعد کام بھی درست ہونا مشکل ہے، فسادِ نیت کا اثر یہ ہوگا کہ امام ومؤذن سے بدتمیزی، مسجد کے مالیہ میں بے احتیاطی، مصلیوں کے ساتھ ناروا سلوک، وغیرہ بہت سے مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔

حضرت مفتی احمد ابراہیم بیمات صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ”جاہ وعزت کے خاطر کسی کا مسجد کا متولی یا صدر بننا حرام ہے، جس سے آخرت میں چھٹکارہ پانا ناممکن ہے۔(۱)

(۱) احکام المساجد: ۱۴۰

عہدہ کا غرور نہ ہونا

مہلب وزیر کے بیٹے کو حضرت مالک بن دینارؒ نے تکبر سے چلتا ہوا دیکھ کر ٹوکا تو مہلب کے بیٹے نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا: ہاں! تمھاری پیدائش گندے پانی کے قطرے سے ہے، موت آنے پر میت اور مردار بن جاؤ گے، زندگی بھر ہر وقت ہر مجلس میں غلاظت اٹھائے پھرتے ہو۔

”هل عرفت من أنا ؟نعم! اوّلک قطرة قذرة, وآخرک جيفة قذرة, وأنت بين ذالک تحمل العذرة“

اگر کسی طرح اس کا اظہار ہوتا رہتا تو ساتی شیخی کرکری ہو جاتی کبھی گندہ ذہنی اور کوڑھ کے ذریعہ مشاہدہ کرا دیتے ہیں تاکہ ان کو دیکھ کر رحمت خداوندی یاد آجائے۔(۱)

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ کمالات سب کے سب موہوب (عطا کردہ) ہیں۔ جس کو ہبۂ کمالات پر قدرت ہے۔ اس کو سلب کمالات پر بھی قدرت ہے۔ تو کسی کو بھی اپنے اعمال پر ناز نہ (ہونا) چاہیے۔(۲)

مسجد کی صدارت، تولیت، ممبری وغیرہ سب عارضی خدمات کے عہدے ہیں، جو کبھی بھی چھینے جا سکتے ہیں۔

خدمت میں قبولیت کی فکر کریں

ریاکاری اندھیری رات میں پتھر پر چلنے والی چیونٹی سے بھی زیادہ غیر محسوس طریقے سے انسان میں سرایت کر جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں ایسی چیز سے باخبر کروں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجّال سے بھی بڑھ کر خطرناک ہے؟“ راوی

---

(۱) مجالس مفتی اعظم: ۷۳

(۲) تفسیر ماجدی: ۲/۸۹۹

کہتے ہیں ہم نے عرض کیا : جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا : ”شرک اصغر ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اسے بڑے اچھے طریقے سے ادا کرتا ہے اس لیے کہ اسے کوئی دیکھ رہا ہوتا ہے“۔(۱)

[۲] خدمت قبول کروانے کی فکر ہو، اللہ ڈرنے والوں کے عمل کو قبول فرماتے ہیں ”انما یتقبل اللہ من المتقین“(۲) عمل کر کے مطمئن ہونے والے نہیں بلکہ ڈرنے والے متقی ہوتے ہیں۔

ایک دکان کے افتتاح کے موقعہ پر مالکِ دکان کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے، ہاتھ کانپ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں اپنے مزدوروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہوں، پتہ نہیں میرے ماتحت مجھ سے خوش ہیں یا نہ خوش، نیکی کر کے ڈرنے والے لوگ مشکل سے ملتے ہیں۔

جو اللہ کے یہاں قبول کروانے کے ارادے سے دیتے تھے، وہ لوگ ایسے دیا کرتے تھے کہ آپ کا ہاتھ اوپر کا ہاتھ ہے، میرا ہاتھ نیچے کا ہاتھ ہے، آپ لے کر مجھ پر بڑا احسان کر رہے ہیں، میں دے کر آپ پر احسان نہیں کر رہا ہوں، اس لیے وہ ہاتھ نیچے کر کے پیش کیا کرتے تھے، اوپر والا ہاتھ دینے والے کا ہاتھ ہے نیچے والا ہاتھ لینے والے کا ہاتھ ہے، بیچ والا ہاتھ اللہ کا ہے، آدمی اگر دیتے وقت سوچے کہ میرا مال مستحق کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں جاتا ہے، تو آدمی کا انداز بدل جائے گا، اللہ کے نیک بندے حقدار کا حق ہتھیلی میں رکھ کر خوشبو لگا کر پیش کیا کرتے تھے۔

اللہ کن کے مال کو قبول کرتے ہیں؟

اخلاص والے ہمیشہ اپنی نیت کے بارے میں ڈرتے رہتے ہیں، اغراض والے اپنی

(۱) ابن ماجہ

(۲) سورۃ المائدہ

نیتوں کے بارے میں مطمئن رہتے ہیں، اللہ ان کے مال کو قبول کرتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ علماء عظام و ائمہ کرام کی بدولت میں چلتا ہوں، اللہ ان کے مال کو قبول نہیں کرتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ میری وجہ سے یہ ائمہ چل رہے ہیں، مسجد میری وجہ سے نہیں بلکہ میں مسجد کی برکت سے ہوں، مکتب کے ذریعے میں چل رہا ہوں، پتہ نہیں کون سا صدقہ، میری کونسی بلا کو ٹال رہا ہے، پتہ نہیں کون سے طالب علم کی دعا میرے لیے کون سا نفع لا رہی ہے، نجانے کون سے ماتحت کے دل سے نکلنے والی دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں میری نسلوں کو چمکانے کا فیصلہ کروا دی ہے۔

خدمتِ دین میں اخلاص کے سبق آموز واقعات

فتح مدائن میں جب اموی سردار مسلمہ بن عبد الملک نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا اور اس میں کافی عرصہ گزر گیا اور کامیابی کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو اس قلعہ پر دھاوا بولنے کیلئے چند جانبازوں کا انتخاب کیا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ ایک جوان تیروں کی بارش اور دشمن کی صفوں سے آگ کے برستے شعلوں میں جان ہتھیلی پر رکھ کے دیوانہ وار قلعہ کی دیوار کی طرف بڑھا جا رہا ہے اور بالآخر قلعے کی دیوار کے قریب آ کر نقب لگانے میں کامیاب ہو گیا اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہوا اور قلعہ فتح ہو گیا۔

اب ہر نگاہ اس سرفروش مجاہد کو تلاش کر رہی تھی جس کے سر اس فتح کا سہرا تھا مگر کوئی اسے پہنچانتا نہ تھا۔ مسلمہ کے سوال پر سب نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس نے پورے لشکر کو جمع کیا اور کہا نقب لگانے والا جانباز کہاں ہے؟ پورے لشکر پر سناٹا طاری ہو گیا لیکن کوئی سامنے نہ آیا'' مسلمہ بن عبد الملک'' نے دوبارہ کہا میں اس کو اس کے رب کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ سامنے آئے اچانک ایک نقاب پوش آگے بڑھا اس کی صرف آنکھیں ظاہر تھیں ''مسلمہ'' کے سامنے آ کھڑا ہوا اور کہا: میں جانتا ہوں کہ کس نے نقب لگایا مگر شرط یہ ہے کہ [۱] اسکا نام نہ پوچھنا [۲] اسکا قبیلہ نہ پوچھنا [۳] اسے کچھ انعام نہ دینا، اگر آپ مجھے میرے رب کی قسم نہ دیتے تو میں

کبھی اپنے آپ کو ظاہر نہ کرتا، اب میں بھی آپ کو آپ کے رب کا واسطہ دیتا ہوں مجھ سے میرے نام کے بارے میں سوال نہ کرنا اور اگر آپ جان بھی لیں تو کسی سے ذکر نہ کرنا اس لیے کہ میں نے یہ عمل اس ذات کیلئے کیا ہے جو مجھے آپ سے زیادہ عطاء کرنے پر قادر ہے۔

''مسلمہ بن عبدالملک'' بعد میں جب بھی دعا کرتے تو ضرور کہتے ''أللهم اجعلنی مع صاحب النقب'' اے اللہ مجھے نقب والے کے ساتھ کر دے۔

''أحد أبطال الفتوحات في المشرق مع صاحب النقب، حيث حاصر مسلمة حصناً واستعصى على المسلمين فتحه، فندب الناس -أي أرشدهم ودلهم- إلى نَقْب منه، لعل أحدًا منهم يدخل منه ويقاتل في الداخل ويفتح أبواب الحصن للمسلمين، فما دخله أحد فجاء رجل من عُرض الجيش، فدخله ففتحه الله عليهم :فنادى مسلمة :''أين صاحب النِقب؟'' فما جاء أحد، فنادى:''إني قد أمرت الآذن بإدخاله ساعة يأتي، فعزمت عليه إلا جاء''، فجاء رجل فقال:''استأذن لي على الأمير''، فقال له:''أنت صاحب النِقب ؟'' قال:''أنا أخبركم عنه''، فأتى مسلمة فأخبره عنه، فأذن له، فقال:''إن صاحب النِقب يأخذ عليكم ثلاثاً :ألا تُسَوِّدُوا اسمه في صحيفة إلى الخليفة، ولا تأمروا له بشيء، ولا تسألوه :ممن هو؟''قال مسلمة :''فذاك له''، قال:''أنا هو''، فكان مسلمة لا يصلي بعدها إلا قال:''اللهم أجعلني مع صاحب النقِب''(۱)

(۱) مختصر تاریخ دمشق: ۷/ ۲۷۳، عیون الأخبار: ۱/ ۲۶۵

☆ ''ابوعمر بن نجید'' چوتھی صدی ہجری کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں۔ایک دفعہ سرحدوں کی حفاظت کیلئے رقوم ختم ہوگئی ،امیر شہر نے اہلِ ثروت کو ترغیب دی اور سر مجلس رو پڑے۔ابوعمر بن نجید نے دولاکھ درہم کی ایک خطیر رقم آ کر انہیں دے دی۔امیر نے اگلے دن لوگوں کو جمع کیا اور تعاون کرنے والے ابوعمر کی تعریف کی،لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی ،جب ابوعمر بن نجید اسی مجلس میں کھڑے ہو کر فرمانے لگے وہ رقم میری والدہ کی تھی میں نے دیتے وقت ان سے پوچھا نہیں تھا جبکہ اب وہ راضی نہیں ہیں لہٰذا یہ رقم واپس کر دی جائے،امیر شہر نے واپس کر دی ،اگلی رات ابوعمر وہ دوبارہ رقم لے کر حاضر ہوئے اور کہا یہ رقم لے لیں لیکن اس شرط پر کہ آپ کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ یہ کس نے دی ہے۔امیر کی آنکھیں اشکبار ہوئیں اور کہا ابوعمر تم اخلاص کی کس قدر بلندی پر ہو۔یہ ہے وہ نمونے جو ان نفوس مذکیہ نے ہمارے لیے مشعل راہ کی حیثیت سے چھوڑے ہیں۔(۱)

☆ مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ :ایک صاحب نے کسی دیہات میں ایک مسجد و مدرسہ تعمیر کیا،مولانا کے حوالے چابیاں دیدی کہ ہم نہیں چلا سکتے یہ آپ حضرات کی فیلڈ ہے،مکمل حوالے کر کے چلدئے، جب حیدر آباد واپس ہوئے گھر میں داخل ہوئے طبیعت خراب ہوئی اور اس دنیا سے رخصت ہوگئے،مخلص چُھپنا چاہتا ہے اور ریا کار چھَپنا چاہتا ہے،اللہ آخری وقت اخلاص والا عمل کروالیں بڑی سعادت کی بات ہے،کہ ریا کاری پیدا ہونے کا موقع بھی نہیں ملا۔

☆ فلاحِ دارین ترکیسر مدرسہ کا سالانہ خرچ بیس کروڑ کے آس پاس ہے،مکمل خرچ ایک فیملی برداشت کرتی ہے،کبھی احسان جتلانے کا معاملہ پیش نہیں آیا،ایک موقع سے انہیں کے خاندان کے کسی فرد کا مدرسہ میں داخلہ کروانا تھا تو سفارش کا انداز اس طرح رہا کہ ''میں اپنے فلاں رشتہ دار کے لڑکے کو آپ کے مدرسہ میں داخلہ کے لئے بھیج رہا ہوں اگر

(۱) کتابوں کی درسگاہ میں ص،۲۶ بحوالہ عیون الاخبار ج:۱ص،۱۷۲

اصول کے مطابق داخلہ کی گنجائش ہوتو داخل فرمالیں“۔

☆حرمین شریفین کی تو اکثر احباب کو حاضری نصیب ہوئی ہے،وہاں کی تولیت مسجدِ حرام اور مسجد نبوی کی کتنی خدمت کرتی ہے،واردین وزائرین،حجاو معتمرین کے ساتھ کتنا حسنِ سلوک کا معاملہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں،آبِ زمزم،صفائی،اعتکاف کی سہولت وغیرہ.کبھی احسان جتلانے والا معاملہ ہوا،کبھی حجاج سے جھگڑا ہوا؟ یہاں ہمیں کیا چھوٹی سی مسجد کی خدمت ملی کہ امام کی دعا سے زیادہ بددعا کے مستحق بن جاتے ہیں۔

☆مفتی ابوبکر جابر قاسمی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ: دودھڑا ضلع سدی پیٹ صوبہ تلنگانہ کے قریب ایک صاحب نے مدرسہ تعمیر کیااور خود اس مدرسہ کی واچمنی کے لئے بیٹھ گئے۔

امام کا احترام کریں

حضرت یحی بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ”علماء کرام رسول اللہ ﷺ کی امت پران کے باپ اور ماں سے بھی زیادہ شفقت کرنے والے ہیں،ان سے پوچھا گیا کہ: وہ کیسے؟ فرمایا:اس لئے کہ ان کے باپ اور ماں توان کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں ،اور علماء ان کو آخرت کی آگ سے بچاتے ہیں۔

”العلماءأرحم بأمة محمد ﷺ من آبائهم وأمهاتهم ،قيل له:وكيف ذلك؟ قال:لأن آبائهم وأمهاتهم يحفظونهم من نار الدنيا،وهم يحفظونهم من نار الآخرة“(۱)

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ لکھتے ہیں کہ”اسلام میں منصبِ امامت کی بڑی اہمیت ہے،یہ ایک باعزت باوقار اور باعظمت اہم دینی شعبہ ہے،یہ مصلّی رسول اللہ ﷺ کا مصلّی ہے،امام نائب رسول ہوتا ہے اور امام اللہ رب العزت اور مقتدیوں کے درمیان

(۱)احیاء علوم الدین،فضیلۃ التعلیم:۱/۲۴

قاصد اور ترجمان ہوتا ہے، اس لئے جو سب سے بہتر ہو اسے امام بنانا چاہئے، حدیث میں ہے: اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نماز درجہ مقبولیت کو پہنچے تو تم میں جو بہتر اور نیک ہو وہ تمہاری امامت کرے کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان قاصد ہے:

"ان سركم ان تقبل صلوتكم فليؤ مكم علماء كم فانهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم" رواه الطبراني وفي رواية الحاكم "فليؤ مكم خيار كم وسكت عنه" (۱)

ائمہ کرام کی کثرت بے احترامی کا سبب نہ بنے

ایک زمانہ تھا جب مسلم سماج میں علماء اور حفاظ کی بہت کمی تھی، نماز تراویح کے لئے لوگ کئی کئی ماہ پہلے سے حافظ کو تلاش کرتے تھے، اور تراویح پڑھانے والوں کے بڑے ناز و انداز اور مطالبات ہوتے تھے، علماء تو بہت ہی کم ہوتے تھے، ایک متوسط درجہ کے شہر میں بھی علماء کی تعداد اتنی کم ہوتی تھی کہ انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا، بیشتر مسجدوں میں صرف حافظ امام ملتے تھے، جمعہ میں لوگ کتاب پڑھ کر سنا دیتے تھے، زیادہ تر مسجدوں میں زبانی بیان کرنے والے لوگ نہیں ہوتے تھے، دیہاتوں کی صورت حال یہ تھی کہ نکاح پڑھانے کے لئے بھی دور دور سے عالم کو بلا کر لاتے تھے، آج سے تیس چالیس سال پہلے تک ملک کے بیشتر حصوں میں یہی صورت حال تھی، مدارس کم تھے اور دار الاقامہ والے مدارس اور کم تھے، اور وہ اقامتی مدارس جن میں عالمیت تک مکمل تعلیم ہو، بہت ہی کم تھے، پوری ریاست میں چند مدارس ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ علماء نے جو مدارس کی تحریک شروع کی تھی، وہ ترقی کرتی گئی، آج چھوٹے چھوٹے شہروں میں بھی علماء کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے، قصبات

---

(۱) شرح نقایہ: ۱/۸۶، والاولی بالا مامۃ الخ

اور بڑے دیہاتوں میں بھی علماء علم کی روشنی پھیلانے کا کام کر رہے ہیں، اب دور دراز دیہی گاؤں دیہات ایسے ہیں کہ جن میں جہاں کوئی مدرسہ اور مکتب نہیں ہے، یا علماء وحفاظ نہیں ہیں اور اس میں بھی دخل مقامی مسلمانوں کی غفلت، جہالت اور بے توجہی کا ہے۔لیکن دشواری یہ ہے کہ جب طلب کے مقابلہ رسد بڑھ جائے اور کسی میدان میں جتنے افراد کار کی ضرورت ہو، اس سے زیادہ افراد تیار ہونے لگیں تو چیز سستی ہو جاتی ہے اور انسان کی قدر گھٹ جاتی ہے، چنانچہ جیسے جیسے خدّام دین کی کثرت ہوتی گئی ویسے ویسے ان کے احترام میں کمی کی جانے لگی، دنیوی چیزوں کی طرح کثرت کو تحقیر کا سبب سمجھ لیا گیا، جبکہ اس کثرت کو سعادت سمجھنا چاہئے تھا۔

کیا شرم نہیں آتی ان کو جو سیاسی لیڈر کے آگے پیچھے فقیر بن کر گھومتے ہیں مگر جوان کی ٹوٹی پھوٹی نمازوں کا ذمہ دار ہے، اللہ اور بندے کے درمیان رابطہ پیدا کرتا ہے، اسلامی برکتوں نزول کے سبب ہے، اس کو پانچ نمازوں کا نوکر سمجھتے ہیں!۔

دین میں نماز افضل۔انسانوں میں امام افضل

نماز افضل ترین عبادت ہے اور اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا شعائر اسلام میں سے ہے، جماعت کے قیام کے لئے مسجد کا ہونا ضروری ہے، مسجدیں بھی اسلامی شعائر میں داخل ہیں، نیز جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے امام کا ہونا ضروری ہے، امام کا رتبہ اسلام میں ایسا ہی ہے جیسا نماز کا رتبہ تمام عبادتوں میں ہے۔

جب اسلام کا سیاسی بول بالا تھا اسلامی حکومتیں قائم تھیں تو امام صرف نماز کا امام نہیں تھا بلکہ اپنے علاقے کے مسلمانوں کا رہنما تصور کیا جاتا تھا لوگ اپنے معاملات میں ان سے مشورے طلب کیا کرتے تھے بلکہ باہمی نزاع کے دوران انہیں فیصل بھی تسلیم کرتے تھے۔

آج اگر چہ زبانی طور پر کوئی شخص منصب امامت کی تذلیل کا قائل نہیں لیکن عملی طور پر امام کی عزت کی کوئی پروا نہیں ہوتی، ادنیٰ سے ادنیٰ مقتدی بھی امام سے باز پرس

کرسکتا ہےلیکن امام کسی مقتدی کی صریح غلطی پر بھی تنبیہ کرنے سے جھجکتا ہے۔

مسجد کے دوستون ظالم اور دوستون مظلوم

مسجد کی آبادی کے لیے چارستون ضروری ہیں: پہلا: امام، دوسرا: مؤذن، تیسرا: مقتدی، اور چوتھا: مسجد کمیٹی، ان میں سے ہر ایک بہت اہم ہے؛ ان چارستونوں میں اللہ رب العزت کے یہاں سب سے اعلی اور افضل، دوستون ہیں، اور وہ امام اور مؤذن ہیں، مگر سب سے زیادہ مظلوم طبقہ امام اور مؤذن ہی ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ ان پر ظلم کرنے والے دوسرے دوستون، یعنی مسجد کے نمازی اور مسجد کی کمیٹی ہے؛ مقتدیوں نے ایسی کمیٹی کا انتخاب کیا، جو امام ومؤذن کی ضروریات کا خیال نہیں کرتی، دوسروں کی ضروریات سے وہ واقف تو ہوتے ہیں، مگر امام وموذن کی ضروریات سے ناواقف رہتے ہیں اور اگر واقف ہوبھی جاتے ہیں؛ تو ان کی ضروریات پوری کرنے میں کوئی دل چسپی نہیں کمیٹی کے ظلم پر خاموش رہے، مسجد کے صدر اور سکریٹری بھی سیاسی اور دبنگ لوگ ہوتے ہیں، جن کو دور تک بھی اللہ کا ڈر نہیں ہوتا۔

سماج میں ائمۂ کرام کی ناقدری عام ہو چکی ہے، ایک شخص کو امام بھی بنایا جارہا ہے اور اس کی ناقدری بھی ہو رہی، امام کی عزت ذمہ دارِ مسجد کا وطیرہ ہونا چاہیے؛ تاکہ ذمہ دار سے دیگر لوگ بھی سبق سیکھیں۔

ابتداءً امام کی آمد کے ساتھ اعزاز واکرام کا معاملہ ہوتا ہے؛ رفتہ رفتہ امام کی خامیوں کی تلاش شروع ہو جاتی ہے، امام کی غلطیوں پر نکتہ چینی کی جاتی ہے، مستحبات کے ترک پر نکیر کی جاتی ہے؛ اللہ تعالی نے فرمایا :لا تَجَسَّسُوا ''(۱) کسی کی ٹوہ میں مت پڑے رہو، کسی کے عیوب پر مطلع ہونے کی کوشش مت کرو۔

(۱)سورہ الحجرات :۱۲

امام بھی انسان ہی ہوتا ہے

امام بھی انسان ہی ہے، کوئی معصوم فرشتہ نہیں کہ ان کی غلطیوں کو نظر انداز کریں، حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری ؒ فرماتے ہیں: "فی زمانہ یہ ذمہ داری متولیانِ مسجد اور محلہ وبستی کے بااثر لوگوں کی ہے، ان کو اس اہم مسئلہ پر توجہ دینا بہت ضروری ہے، ائمہ مساجد کے ساتھ اعزاز واحترام کا معاملہ کریں، ان کو اپنا مذہبی پیشوا اور سردار سمجھیں، ان کو دیگر ملازمین اور نوکروں کی طرح سمجھنا منصبِ امامت کی سخت توہین ہے، یہ بہت ہی اہم دینی منصب ہے، پیشہ ور ملازمتوں کی طرح کوئی ملازمت نہیں ہے، جانبین سے اس عظیم منصب کے احترام، وقار، عزت، عظمت کی حفاظت ضروری ہے۔"(۱)

امام ومؤذن کا احترام کرنے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ یہ سوچ لیں کہ مسجد کے تمام مصلیوں کی نماز کا ثواب تنہاء ان حضرات کو ملتا ہے، یہ ہم سے زیادہ حقیقی ثواب کے مالک ہیں، اگر کوئی اختلاف ہوجائے تو خود سے حل کرنے کے بجائے مقامی دارالافتاء یا علاقائی بڑے عالم دین کے حوالے کر دیں، چھوٹی موٹی غلطیوں کو نظر انداز کر دیں۔

اگر کسی اور طبقے کی اتنی بے احترامی کی جاتی تو..

اگر علماء کرام نہ ہوتے تو ہم نہ تو خدا کی ذات وصفات سے آشنا ہوتے اور نہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا اندازہ ہوتا، بلکہ ہمیں نہ تو جینے کا سلیقہ آتا اور نا ہی ہم انسانیت کے فرائض سے واقف ہوتے، علماء کرام کا احسان ہے کہ مساجد ومدارس سے ہمیں شریعت وطریقت، اخلاق وکردار جیسی لازوال دولت سے نوازتے رہتے ہیں۔

مگر بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرہ میں عزت وتعظیم کا مستحق وہی ہے جو دولت مند و صاحبِ ثروت ہو، اور آج کے دور میں علما وائمہ کی جتنی ناقدری ہو رہی ہے شاید کسی دور میں

(۱) فتاویٰ رحیمیہ: ۹/ ۲۹۳ جدید

ہوئی ہو۔اور جتنی ناقدری ان کی اپنے اور غیر کرتے ہیں اتنی کسی اور طبقہ کی جاتی تو وہ کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا، مگر یہ علم نبوت کی کرامت ہے کہ تمام تر الزامات کو جھیلتے ہوئے سنت نبوی زندہ کرنے میں مگن رہتے ہیں۔

ائمہ کرام کی بے احترامی میں سب سے زیادہ مساجد کے متولیان وارا کین مبتلاء ہیں ''الامن رحم ربی''۔جاہل ٹرسٹیوں نے مسجد کے امام کو گویا غلام سمجھ رکھا ہے، ہر چھوٹی بات پر تذلیل وتوہین کی جاتی ہے۔

جتنا وہ توہین کرتے ہیں اس کا عشرِ عشیر بھی اگر کوئی امام ان کی کردے یا ان کے اندر موجود بد عملی وخلاف شریعت کام کی نشاندہی کردے تو وہ ان کے دشمن ہوجاتے ہیں، جب تک امام کو برخواست نہ کردیں انہیں سکون نہیں ملتا۔

مسلمانو! کچھ تو اپنے رب سے ڈرو! تمہیں پتہ نہیں ،یہی وہ بوریہ نشین ومردقلندر ہیں جنہیں سرکار نے اپنا نائب قرار دیا ہے، یہی وہ سیدھے سادھے لوگ ہیں جن کی مجلس کو نبی کریم ﷺ نے اپنی مجلس قرار دیا ہے۔مساجد اگر بیت اللہ ہیں تو مدارس بیت الرسول ہیں، اِس زمانہ میں اگر محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ واپس آجائیں تو مسجد میں عبادت کے بعد اپنے قیام کے لئے کوئی جگہ پسند کریں گے تو وہ صرف مدارس کو پسند کریں گے، ہر مورث اپنے وارث کے ساتھ رہنا پسند کرے گا، علماء کرام ہی انبیاء کے وارث ہیں۔

ائمہ کرام کی بے احترامی کا ایک منظر

مولانا روشن رضا مصباحی ازہری صاحب لکھتے ہیں''بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مسجد کے ٹرسٹیان میں سے کسی ایک کو امام سے کچھ کہا سنی ہوئی اور پھر اس نے پورے محلے میں بے جا انتشار پھیلانا شروع کیا کہ امام صاحب ایسے ہیں، ویسے ہیں، ان کے اندر یہ خامیاں ہیں، وہ نقائص ہیں، دنیا بھر کی بے بنیاد باتیں اس نے پھیلائی، پھر کیا تھا کسی کو تحقیق حال کی توفیق بھی نہ ہوئی، لوگ بیٹھے، میٹنگ ہوئی اور امام کو جگہ خالی کرنے کا فرمان جاری کردیا، بے قصور

امام صاحب کو انانیت سے چور، انسانیت سے عاری شخص کی گندی سازش کا شکار ہونا پڑا۔ امام کو فقط اس لیے نکال دیا گیا کہ اس نے جمعہ میں سود خوروں کے متعلق احادیث میں وارد وعیدات کو سنایا یا اس نے مسجد کے صدر کو سلام نہیں کیا وغیرہ۔

ستم یہ کہ ابھی چار گھنٹے بھی نہیں گزرے کہ ایک دوسرا مولوی بھی اسی جگہ پر بیگ اٹھائے ان ظالموں کی امامت کرنے چلے گئے اوران جانے والے مولوی صاحب نے یہ ضرورت بھی محسوس نہیں کیا کہ اس کی تحقیق کر لی جائے کہ سابق امام یہاں سے کیوں معزول ہوئے، اس کی وجہ کیا تھی، ان کا جرم کیا تھا؟ بس جگہ ملی چل پڑے اوران درندوں کے مظالم سہنے پر آمادہ ہو گئے، جبھی تو کسی نے کہا تھا:

ستم تو یہ ہے ہماری صفوں میں شامل ہیں چراغ بجھتے ہی خیمہ بدلنے والے لوگ

دیکھیں ظلم کرنے والے تو برے ہیں ہی مگر جو خود پر ہو رہے مظالم واستحصال وزیادتی پر آواز بلند نہیں کرسکتا تو وہ گویا انہیں ظلم کرنے کے مواقع فراہم کرا رہا ہے اور یہ بھی ایک جرم ہے، جبھی تو کسی نے کہا تھا:

دنیا میں قتیل اس سا منافق نہیں کوئی جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا

بے احترامی کے وجوہات

(۱) ائمہ کرام کی بے احترامی کی بڑی وجہ ائمہ کرام کی حد سے زیادہ تنخواہ کا کم ہونا ہے کیوں کہ دنیا ان چیزوں کی قدر نہیں کرتی جو سستے داموں میں مل جائے، آج ائمہ کرام کی تنخواہ سرکاری جھاڑو مارنے والے سے بھی کم ہے، ایک لاکھ کے آس پاس تنخواہ حاصل کرنے والے سے منہ لگنے کی مجال کسی کمیٹی میں نہ ہو گی شاید۔

(۲) متولیان، ٹرسٹیان، ممبران، صدر صاحبان و اراکین کی بے جا خوشامد اور چاپلوسی کرنا، جو امام چاپلوسی نہ کرے اسے ذلیل کر دیا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ چاپلوس کو بھی کسی دن بخشا نہیں جائے گا۔

(۳) مسجد کی صدارت وتولیت کو سیاسی عہدہ سمجھ لینا۔علم دین کی نہ صرف کمی بلکہ علم دین کی عظمت کا عظیم فقدان ہے۔

(۴) مسجد میں آنے والے عوامی چندہ پر ہونے والے قبضہ کی وجہ سے مالک ہونے کا زعم پیدا ہوجانا۔

(۵) دینی خدمات پر اجرت لینے کو دینی خدمات نہ سمجھنا، بلکہ دینی خدمات کو دنیاداری سمجھ کر عامیانہ سلوک کرنا۔

اہلِ علم کی توہین سے بچیں

عام طور سے یہ دیکھا اور سنا جاتا ہے کہ مسجد کی کمیٹی کے بعض حضرات ائمہ اور مؤذنین سے بات کرنے میں یا کسی غلطی پر ٹوکنے میں حد سے آگے گذر جاتے ہیں، جس وجہ سے علماء کا یہ ذہن بنتا جارہا ہے کہ امامت نہیں کرنی چاہیے، جس کی وجہ سے امامت وخطابت کے لئے صحیح افراد ملنا کم ہوتے جارہیں حالانکہ اہل علم کی مذمت وتوہین کرنا، خاص طور سے علماء کرام کی، کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں کہ : ’علم اور علماء کی توہین کفر ہے۔‘‘اَلِاسْتِهْزَاءُ بِالْعِلْمِ وَالْعُلَمَاءِ كُفْرٌ‘‘(۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’علماء کرام کا گوشت زہریلا ہوتا ہے جو اس کو سونگھے گا بیمار پڑ جائے گا اور جو اس کو کھائے گا مر جائے گا۔

’’لحوم العلماء مسمومة، من شمها مرض، و من أكلها مات‘‘۔(۲)

ایسے لوگوں کی زندگی باری تعالی تنگ کر دیتا ہے اور انہیں ذلیل رسوا کرتا ہے جو لوگ علماء کرام پر تبرا بازی والزام تراشی کیا کرتے ہیں۔

---

(۱) الاشباہ والنظائر، باب الردۃ : ۱۶۰

(۲) المعيد في أدب المفيد والمستفيد: ٦٠

امام کی بدعاء کا اثر

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اہلِ کوفہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا حاکم بنایا، تو کوفہ والوں نے حضرت سعدؓ کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ وہ تو اچھی طرح نماز بھی نہیں پڑھا سکتے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا بھیجا۔ آپؓ نے ان سے پوچھا کہ اے ابو اسحاق! ان کوفہ والوں کا خیال ہے کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھا سکتے ہو۔ اس پر آپؓ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں تو انہیں نبی کریم ﷺ ہی کی طرح نماز پڑھاتا تھا، اس میں کوتاہی نہیں کرتا عشاء کی نماز پڑھاتا تو اس کی دو پہلی رکعات میں (قراءت) لمبی کرتا اور دوسری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو اسحاق! مجھ کو تم سے امید بھی یہی تھی۔ پھر آپؓ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک یا کئی آدمیوں کو کوفہ بھیجا۔ قاصد نے ہر ہر مسجد میں جا کر ان کے متعلق پوچھا۔ سب نے آپؓ کی تعریف کی لیکن جب "مسجد بنی عبس" میں گئے۔ تو ایک شخص جس کا نام اسامہ بن قتادہ اور کنیت ابو سعدہ تھی کھڑا ہوا۔ اس نے کہا کہ جب آپ نے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہے تو (سنیے کہ) سعدؓ! نہ فوج کے ساتھ خود جہاد کرتے تھے، نہ مالِ غنیمت کی تقسیم صحیح کرتے تھے اور نہ فیصلے میں عدل وانصاف کرتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اللہ کی قسم میں (تمہاری اس بات پر) تین دعائیں کرتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور صرف ریا ونمود کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کر اور اسے خوب محتاج بنا اور اسے فتنوں میں مبتلا کر۔ اس کے بعد (وہ شخص اس درجہ بدحال ہوا کہ) جب اس سے پوچھا جاتا تو کہتا کہ ایک بوڑھا اور پریشان حال ہوں مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگ گئی۔ عبد الملک نے بیان کیا کہ میں نے اسے دیکھا اس کی بھویں بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں پر آ گئی تھی۔ لیکن اب بھی راستوں میں وہ لڑکیوں کو چھیڑتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی ایسے شقی لوگ موجود تھے جو علماء کرام کی گستاخی وتبرا بازی کیا کرتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے افراد کو دنیا میں ہی ذلیل ورسوا کرکے تمام آنے والی نسلوں کے لیے نشان عبرت بنادیا۔

"شَكَا أَهْلُ الْكُوفَةِ سَعْدًا إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ، فَعَزَلَهُ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّارًا فَشَكَوْا حَتَّى ذَكَرُوا أَنَّهُ لَا يُحْسِنُ يُصَلِّي، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا أَبَا إِسْحَاقَ، إِنَّ هَؤُلَاءِ يَزْعُمُونَ أَنَّكَ لَا تُحْسِنُ تُصَلِّي، قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: أَمَّا أَنَا وَاللّٰہِ فَإِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ مَا أَخْرِمُ عَنْهَا أُصَلِّي صَلَاةَ الْعِشَاءِ فَأَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأُخِفُّ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، قَالَ: ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ، فَأَرْسَلَ مَعَهُ رَجُلًا أَوْ رِجَالًا إِلَى الْكُوفَةِ فَسَأَلَ عَنْهُ أَهْلَ الْكُوفَةِ وَلَمْ يَدَعْ مَسْجِدًا إِلَّا سَأَلَ عَنْهُ وَيُثْنُونَ مَعْرُوفًا، حَتَّى دَخَلَ مَسْجِدًا لِبَنِي عَبْسٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ أُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ يُكْنَى أَبَا سَعْدَةَ قَالَ: أَمَّا إِذْ نَشَدْتَنَا فَإِنَّ سَعْدًا كَانَ لَا يَسِيرُ بِالسَّرِيَّةِ وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ، قَالَ سَعْدٌ: أَمَا وَاللّٰہِ لَأَدْعُوَنَّ بِثَلَاثٍ، اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هَذَا كَاذِبًا قَامَ رِيَاءً وَسُمْعَةً فَأَطِلْ عُمْرَهُ وَأَطِلْ فَقْرَهُ وَعَرِّضْهُ بِالْفِتَنِ، وَكَانَ بَعْدُ إِذَا سُئِلَ يَقُولُ شَيْخٌ كَبِيرٌ مَفْتُونٌ أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ، قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ: فَأَنَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلَى عَيْنَيْهِ مِنَ الْكِبَرِ، وَإِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِي فِي الطُّرُقِ يَغْمِزُهُنَّ۔(۱)

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث: ۷۵۵

عالم کی تکلیف پر خوشی کی وجہ سے زمین میں دھنسا جانا

اسی طرح محمد بن علی طوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: خالد بن خداش نے میرے والد کو ایک خط کے ذریعے اس دن کے واقعے کی خبر دی، جس دن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو دُرے مارے گئے تھے، یہ سن کر ایک شخص شکرانے کی نماز پڑھنے مسجد کے لئے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سینے تک زمین میں دھنسا دیا، اس کی چیخ پکار پر لوگ جمع ہوئے تو اسے کھینچ کر باہر نکالا۔

"كتب خالد بن خداش الى ابى فى اليوم الذى ضرب فيه احمد بن حنبل :واخبرك ان رجلا بلغه ماصنع باحمد ، فدخل المسجد ليصلى شكرا ، فخسف به الى صدره ، فاستغاث الناس، فاغاثوه"۔(۱)

عمران بن موسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں ابوالعروق کے پاس گیا، یہ وہ شخص تھا جس نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو کوڑے مارے تھے، میں نے دیکھا کہ وہ پینتالیس دن تک کتے کی طرح بھونکتے بھونکتے مرگیا۔

"دخلت عن ابى العروق الجلاد الذى ضرب احمد لانظر اليه فمكث خمسة واربعين ينبح كما ينبح الكلب"(۲)

ناقدری پر عذابات

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے گی تو اللہ تعالیٰ ان پر چار قسم کے عذابات مسلط کرے

(۱) مناقب احمد: ۶۵۴

(۲) مناقب احمد: ۴۲۴

گا: قحط سالی، بادشاہ کی جانب سے مظالم، حکام کی خیانت، دشمنوں کے مسلسل حملے۔

''الْقَحْطِ مِنَ الزَّمَانِ، وَالْجَوْرِ مِنَ السُّلْطَانِ، وَالْخِيَانَةِ مِنْ وُلَاةِ الْأَحْكَامِ، وَالصَّوْلَةِ مِنَ الْعَدُوِّ''(۱)

اور اللہ عزوجل ان لوگوں کو دنیا میں عبرت کا نشانہ بناتا ہے جو لوگ علماء کرام کی بے آبرو کرتے ہیں۔

عبد اللہ ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص بھی علماء کی بے قدری کرے گا وہ اخروی زندگی سے محروم رہے گا، جو شخص بھی حکمرانوں کی بے قدری کرے گا وہ دنیاوی زندگی سے محروم رہے گا اور جو شخص بھی اپنے بھائی کی بے قدری کرے گا وہ اچھے اخلاق و کردار سے محروم رہے گا۔

''من استخف بالعلماء ذهبت آخرته ومن استخف بالامراء ذهبت دنياه، ومن استخف بالاخوان ذهبت مروءته''۔(۲)

کمی کوتاہی ہر بندے سے ہوتی ہے علماء کی چھوٹی موٹی کمی کوتاہی پر اپنے منہ کو بند رکھنا چاہیے اپنی زبان کو علماء کی غیبت سے محفوظ رکھنی چاہیے علماء کی خوبی اور نیک باتوں کو اپنانا چاہیے۔

مؤذن کا احترام

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل جد الأنبیاء والرسل ابراہیم علیہ السّلام کو اپنا گھر صاف رکھنے کا حکم فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نیک بندی عمران کی بیوی اور عیسیٰ علیہ السّلام کی نانی کی بیت المقدس کی صفائی کے لیے اپنی اولاد کو وقف کرنے کی نذر کا ذکر فرمایا اور ان کی اولاد مریم علیہا السّلام کو اس خدمت کے لیے قبول فرمایا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی مسجد کی صفائی اور

(۱) مستدرک حاکم، ۴/ ۳۶۱

(۲) الذہبی، سیر أعلام النبلاء، ۱۷/ ۲۵۱

اس کا خیال رکھنے والوں سے محبت واضح ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مساجد کی صفائی و آبادی کا خیال رکھنے والوں کو اہلِ ایمان قرار دیا ہے۔

۱۔ مؤذنین کے ساتھ آبائی و خاندانی ملازمین کے جیسا برتاؤ نہ کیا جائے، یہ ہمارے زر خرید غلام نہیں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ : روزِ محشر لوگوں میں گردن کے اعتبار سے لمبے مؤذن حضرات ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر پہلی صف اور اذان دینے کی فضیلت کا علم ہو جائے تو آپس میں قرعہ اندازی کی نوبت آجائیگی۔

۲۔ مسجد کا نظام صحیح معنیٰ میں جب ہی چل سکتا ہے جبکہ مسجد کے لیے مؤذن و خادم الگ الگ ہو اور امام ان کے علاوہ ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا اگر کسی وقت امام نہ آسکا تو مؤذن نماز پڑھا دے گا۔

۳۔ چونکہ مؤذن و خادم رکھنے کا ایک مقصد امام کی عدم موجودگی میں نماز پڑھانا بھی ہے اس لیے اس خدمت کے لیے ایسا بندہ رکھا جائے جو نماز پڑھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

آپ ﷺ کا مسجد کی صفائی کرنے والے کا ساتھ سلوک

عبد اللہ بن عامر اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے تو فرمایا: یہ کس کی قبر ہے؟ عرض کیا گیا : یہ فلاں عورت کی قبر ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے مجھے کیوں اطلاع نہیں کی؟ عرض کیا گیا: آپ آرام فرما رہے تھے، بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے نہ کیا کرو، مجھے اپنے جنازوں کی اطلاع دیا کرو، پس وہاں صفیں بنائی گئیں اور آپ نے (اس کی قبر پر) نماز جنازہ پڑھی۔

"مَرَّ رسولُ اللهِ ﷺ بقَبرٍ، فقال :ما هذا القَبرُ؟ قالوا:قَبرُ فُلانةَ، قال:فلا آذَنْتُموني؟ قالوا:كنتَ نائمًا فكَرِهْنا أنْ نُوقِظَك، قال :فلا تَفعَلوا، فادْعُوني لجَنائزِكم، فصَفَّ عليها

فصلّٰی‘‘(۱)

مسجد کی صفائی کرنے والے کا آپ ﷺ نے اتنا خیال رکھا کہ جب وہ نظر نہ آئی، اس کی بابت دریافت فرمایا، اس کی وفات کی خبر سن کر اپنے صحابہ کرام کو تنبیہ فرمائی، اس کی قبر پر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی ان لوگوں سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے جو مساجد کی صفائی اور اس کے انتظام وآبادی کا خیال رکھتے ہیں۔

وقار مجروح کرنے والا نظام

کمیٹی کی ذمہ ہے جو مؤذن یا امام دوسری ریاست کا ہو، تو اس کے لئے کھانے اور رہنے کا نظم کرے، اور اس کی ضروریات کے بارے میں فکرمند ہو، تا کہ وہ یکسوئی سے ایک جگہ خدمت میں لگے، اس کو روزی روٹی کے بارے میں بےفکر کردیں، بےفکر کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ دیہات کے امام کو سال میں چالیس بوریاں گندم کی اور بیس بوریاں چاول کی دینی ہیں، اسی کو اکٹھا کرنے کے لیے لگا دیا، یہ مانگتا رہے گا تو گھر چلے گا، یہ امام کے وقار کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے، کوئی اگر اس طرح کرتے دیکھے گا تو بتاؤ! کیا اپنے بچوں کو حافظِ قرآن بنانا چاہے گا؟ ہرگز نہیں!۔

لہذا اگر کھانے کا بندوبست کرنا ہو تو ایک آدمی الگ سے مقرر کرے، جو امام اور مؤذن کیے لے چاول اکٹھا کرے، یا پھر اس کے لیے جیسا عام طور پر بعض مرتبہ گھر سے کھانا آتا ہے وہ خادم اِن حضرات کے لیے گھر سے کھانا لائے۔

مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ صاحب فتاوی رحیمیہ کا فتوی

مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ فتاوی رحیمیہ میں لکھتے ہیں: امام مسجد اگر حقیقتاً ضرورت مند اور معقول مشاہرہ کے بغیر اس کا گذر بسر مشکل ہو رہا ہو تو مناسب انداز سے متولیانِ مسجد اور

(۱) مسند احمد، حدیث: ۵۶۷۳

محلہ کے با اثر لوگوں کے سامنے اپنا مطالبہ بھی پیش کرسکتا ہے اور ذمہ داران مساجد اور با اثر لوگوں پر ہمدردی اور شفقت کے ساتھ اس طرف توجہ دینا بھی ضروری ہے، اس صورت میں اماموں کو ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے منصب امامت کی توہین لازم آتی ہو ہرگز جائز نہ ہوگا، امام منصب امامت کے وقار عظمت اور قدر و قیمت کا محافظ اور امین ہے، ایسا طریقہ جس سے منصب امامت کی تذلیل تنقیص لازم آتی ہو ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی.....الخ۔
فقط واللہ اعلم بالصواب۔احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری غفرلہٗ ا شوال المکرم ۱۴۱۵؁ھ۔(۱)

اچھے امام کیوں نہیں مل رہے ہیں؟

منتظمین اور مصلّیان کی بداخلاقی، کم تنخواہ، ضروری سہولیات کے فقدان کی وجہ سے اعلیٰ صلاحیتوں سے مدارس کے فارغین مسجد کی امامت سے منسلک نہیں ہونا چاہتے، یہ صحابہ کا دور نہیں، لوگوں میں تقویٰ اور للہیت اب ایسی نہیں رہی کہ علماء سے اُمّید رکھیں کہ وہ پیٹ پر پتھر باندھ کر کام کریں گے، مناسب تنخواہ، سہولتیں اور اچھا رویّہ نہیں رہا تو مساجد میں اچھے ائمہ کا قحط بڑھتا جائے گا، مالی طور پر تنگ دست اور ذہنی طور پر پریشان شخص اصلاحی ذمہ داری بخوبی نہیں نبھا سکتا۔

☆ مہنگائی کے دور میں کم از کم اتنی تنخواہ دیں جس سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہائش اور بال بچوں کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوسکیں، بڑے شہر میں رہائش کے ساتھ کم از کم پچیس ہزار مناسب تنخواہ ہے، علاقہ کے اعتبار سے یہ تعداد کم یا زیادہ ہوسکتی ہے۔(۲)

☆ تنخواہ کا لفافہ لینے کے بعد گھر جاتے ہوئے بیوی اور بچوں کے کپڑے، مکان کا کرایہ، گیس اور بجلی کا بل، مہینے بھر کا راشن، بیمار بیٹے اور والد کی دوائی، پچھلے قرضے کی فہرست

(۱) فتاوی رحیمیہ 9/292 دارالاشاعت
(۲) یہ تحریر ۲۰۲۳؁ء میں لکھی جارہی ہے، زمانہ گزرتے گزرتے معیار بدل جاتا ہے۔

یہ سب ذہنی مریض بنا دیتے ہیں، جس کے اظہار پر کمیٹی کا سیدھا جواب ہوتا ہے ''کوئی اور مسجد دیکھ لیں'' اور دوسرے دن اخبار میں اعلان آجاتا ہے ''فلاں مسجد میں ایک امام کی ضرورت، نیچے رابطہ نمبر'' جبکہ وہ بھی جانتے ہیں کہ ائمہ کرام کی اس حق الخدمت سے صرف کمر سیدھی کی جاسکتی ہے نہ کہ کمر مضبوط کی جاسکتی ہے۔

کیسا امام تلاش کیا جاتا ہے ؟

امام کیسا ہونا چاہیے؟ اس سلسلہ مین مولوی سید عبد الاحد مرحوم نے اپنی مشہور کتاب ''مسلمان کی ڈائری'' میں اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

مسجد کا امام عالم باعمل بزرگ ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ملے تو جسے قرآن زیادہ یاد ہو، اور اچھا پڑھتا ہو ایسا امام رکھا جائے۔ آج کل ایسے امام ملنا چنداں مشکل نہیں۔ لیکن اب ایسے امام کی تلاش زیادہ ہے جو متولی کے اشاروں پر چلے اور جب متولی ایسے ہوتے ہیں تو مسجد کے امام بھی امامت کے اہل نہیں ہوتے۔

آخر یہ کیا بات ہے! کہ ہمیں اپنے معمولی سے کام کے لیے ملازم کی تلاش ہوتی ہے تو ہم بڑی احتیاط برتتے ہیں اور ہر طرح دیکھ بھال کر کے اپنی پسند کا ملازم رکھتے ہیں، لیکن جب مسجد کے لیے امام کی ضرورت وتلاش ہوتی ہے تب ہم مسجد کے لائق نہیں، بل کہ اپنے مطلب کا امام ڈھونڈتے ہیں، اس وقت نہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ امام سند یافتہ عالم نہ سہی ضروری مسائل سے واقف ہے بھی یا نہیں، قاری اور حافظ نہ سہی لیکن کم از کم قرآن بھی صحیح پڑھتا ہے یا نہیں، کس عقیدہ کا پیرو ہے، کون سے مسلک کا حامی ہے۔ مقلد بھی ہے شتر بے مہار۔ نہ تحقیق ہے نہ تفتیش۔ نتیجہ یہ کہ جو مؤذن بنانے کا اہل نہیں وہ امام بن جاتا ہے اور جو دنیا میں کسی مصرف کا نہ ہو وہ مؤذن بنتا ہے۔

جب متولی مسجد کی ذمہ داری اٹھانے کا اہل نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی کا نااہل امام ہی تلاش کرے گا تو نااہل متولی اور نااہل امام کی جوڑی آپ کو اکثر جگہ نظر آئے گی۔

مساجد کا نظام اور آبادی صرف اس کی ظاہری تعمیر وتزئین، اس کے نقش ونگار اور اس کے فلک بوس میناروں سے نہیں ہے۔ اس کی تصحیح آبادی عبادتِ الٰہی اور ذکر الٰہی اور اعمال مساجد سے ہے۔ ان امور کے پیش نظر مساجد کا صحیح نظام خدا ترس امام، صالح مؤذن، اور باصلاحیت واہل متولیوں پر ہے۔(۱)

خدامِ دین کی انفرادی خدمت کر دینا

☆ جن لوگوں کی ذمہ داری ہم نے اٹھا کر رکھی ہے، کبھی تنہائی میں پہنچ کر ان کی خدمت کر دینا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے، گاؤں کے باہر ایک قافلہ آیا ہوا ہے، عورت زچگی کی تکلیف میں تڑپ رہی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی گھر والی کو لے کر گئے، نیکی کا موقع آیا ہے، تیار ہو؟ اس نے کہا جی تیار ہوں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی گھر والی کو لے کر پوری زچگی کی خدمت کروائے، زچگی کی خدمت میں تو اچھے اچھے دوست بھی نزدیک نہیں آتے، دواخانوں میں رہنے والے بھی کم ملتے ہیں، وہ خدمت کرنے کے لیے تیار ہو گئے، وقت کا خلیفہ دیہاتی کی کیسی خدمت کر رہا ہے، ہم اپنے امام کی ایسی خدمت نہ سہی، مشکل وقت میں ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔

☆ ایک شخص کی ہوٹل تھی، اہلِ علم کی اپنی بساط کے مطابق خدمت کرتے رہتا تھا، اللہ نے اس اکرام کا بدلہ یہ دیا کہ جب موت آئی تو شبِ قدر تھی، ۲۹/ ویں رات کو اس شخص کے بھائی نے خواب میں دیکھا کہ جنت کے باغیچہ میں مزے میں ہے، اس مقام کے حصول کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا: رب العزت کے دربار میں حاضری ہوئی، اللہ نے فرمایا تم میرے پیاروں کی خدمت کر کے انہیں خوش کرتے تھے، میں تمھیں آج ان کے صلہ میں خوش کرتا ہوں، اور یہ انعام ملا جو تم دیکھ رہے ہو۔(۲)

---

(۱) تحفۃ الأئمہ: ۳۳۷

(۲) مستفاد: خطبات مکاتب: ۲۰۸

ایک عیسائی کا سبق آموز سوال

۲۰۲۲ء کا واقعہ ہے کہ عاجز کو ایک سفر میں ایک بااعتماد عالم دین نے سنایا کہ ضلع کرنول آندھر پردیش میں ایک مسجد کی تعمیر کا کام جاری تھا، بینک سے رقم لانی تھی، بینک بند ہو رہا تھا مینیجر نے کہدیا کہ کل آئیں، ذمہ داروں نے درخواست کی کہ مسجد کا کام ہے، نیک کام ہے، فوری ضرورت ہے دیدیں، جیسے ہی ''مسجد کا کام ہے'' سنا تو تالا کھول کر رقم دیدیا، پھر پوچھا کہ تم لوگ مسجد کے ذمہ دار ہو؟ کتنی رقم ماہانہ مسجد کو دیتے ہو؟ غور کریں! مسجد کے ذمہ دار نے کہا: ماہانہ تو نہیں دیتے مگر سال میں کبھی کبھار دیدیتے ہیں، اس نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا: میں چرچ کا ذمہ دار نہیں ہوں، مگر میری پوری تنخواہ چرچ کو دیدیتا ہوں، میری گھروالی بھی کماتی ہے، اس کی تنخواہ سے گھر کا گذارہ ہوتا ہے'' ایک طرف باطل فرقوں کا یہ حال ہے دوسری طرف دینداراور ذمہ داروں کا یہ حال ہے۔

شمس الدین التمش ہندوستانی بادشاہ کا قابل اتباع عمل

شمس الدین التمش ۱۲۶۳ء (۱) میں انتقال کر گئے، اپنی زندگی میں معمول تھا کہ: جب

(۱) سلطنت دہلی کا تیسرا حکمران اور خاندان غلاماں کا تیسرا بادشاہ، جو قطب الدین ایبک کا غلام تھا اور اس نے ہونہار دیکھ کر اسے اپنا داماد بنالیا تھا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کعکی ؒ کے مرید خاص اور خلیفہ اعظم تھے، اَلتمش نے قطب مینار اور ''قوت الاسلام'' مسجد کو مکمل کرایا، جنہیں قطب الدین ایبک اپنی زندگی میں نامکمل چھوڑ گیا تھا، اَلتمش نے رضیہ سلطانہ کو اپنا جانشیں مقرر کیا۔ حضرت سلطان التمش نے گوالیار کو فتح کیا، پھر اوجین شہر پر قبضہ کرلیا۔ اور بت خانہ مہاکل کو جو ایک ہزار دوسو سال سے آباد چلا آرہا تھا، ویران کر کے رکھ دیا، یہاں سے بے شمار خزانہ اور مال غنیمت ملا، راجہ بکرماجیت کا ایک بڑا بت دہلی لایا گیا اسے توڑ پھوڑ کر اپنی مسجد قوت الاسلام کے دروازے کے سامنے لاکر اوندھا پھینک دیا، جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کعکی ؒ کی وفات ہوئی تو جنازہ ایک بڑے میدان میں لایا گیا۔ بے پناہ لوگ نماز جنازہ پڑھنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ انسانوں کا ایک سمندر تھا تاحدِّ نگاہ نظر آتا تھا۔ جب جنازہ پڑھنے کا وقت آیا، ایک آدمی آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ میں خواجہ قطب الدین بختیار کعکی رحمتہ اللہ علیہ کا وکیل ہوں۔ حضرت نے ایک وصیت کی تھی۔ میں اس مجمعے تک وہ وصیت پہنچانا چاہتا ہوں، وکیل نے پکار کر کہا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کسی بزرگ کی آمد کی خبر ملتی تو میلوں دور تک استقبال کے لئے نکل جاتے، جب شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے دہلی تشریف لائے تو سلطان ان کے استقبال کے لئے دور تک گئے، اور جوں ہی شیخ کو دیکھا تو گھوڑے سے اتر کر ان کی طرف دوڑ پڑے، حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ کا بیان ہے کہ :(۱) ہر جمعہ کی رات فقیروں اور بوڑھیوں کے گھر جا کر ان کو ''اماں'' کہہ کر پکارتے، اور سکّے و مٹھائیاں تقسیم کرتے ، (۲) ہفتہ میں دو بار حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی قیام گاہ پر حاضری دیتے، (۳) راتوں میں گدڑی میں ملبوس ہو کر علماء کے دروازے پر پہنچے خفیہ طور پر احوال کا جائزہ لیتے، اور ان کے قدموں میں سکّوں کی تھیلی رکھ کر آجاتے ۔(۱) کبھی ایسا ہوتا کہ مٹی کے برتن میں سونا رکھ کر او پر گندم کے دانے رکھ کر بند کر دیتے ۔

حسین احمد مدنیؒ کا سبق آموز واقعہ

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے روایت ہے کہ یوپی میں ایک جگہ میری تقریر تھی، رات کو تین بجے تقریر سے فارغ ہو کر لیٹ گیا، ابھی میں نیم غنودگی کی حالت میں تھا کہ مجھ کو محسوس ہوا کوئی میرے پاؤں دباتے رہتے ہیں، کوئی مخلص ہوگا، مگر اس کے ساتھ معلوم ہو رہا تھا کہ

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کعکی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ وصیت کی کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کے اندر چار خوبیاں ہوں ۔ زندگی میں اس کی تکبیر اولیٰ کبھی قضا نہ ہوئی ہو ۔اس کی تہجد کی نماز کبھی قضا نہ ہوئی ہو ۔اس نے غیر محرم پر کبھی بھی بری نظر نہ ڈالی ہو ۔اتنا عبادت گزار ہو کہ اس نے عصر کی سنتیں بھی کبھی نہ چھوڑی ہوں ۔جس شخص میں یہ چار خوبیاں ہوں وہ میرا جنازہ پڑھائے ۔کافی دیر گزر گئی، کوئی آگے نہیں بڑھا۔ آخر کار ایک شخص روتے ہوئے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کعکی رحمتہ اللہ علیہ کے جنازے کے قریب آئے ۔جنازہ سے چادر اٹھائی اور کہا۔ حضرت! آپ خود تو فوت ہو گئے مگر میرا راز فاش کر دیا۔ اس کے بعد بھرے مجمع کے سامنے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر قسم اٹھائی کہ میرے اندر یہ چاروں خوبیاں موجود ہیں ۔ یہ عظیم شخصیت کوئی اور نہیں بلکہ وقت کے بادشاہ شمس الدین التمش تھے ۔

(۱) سب کے لئے، ابن غوری: ۴۲

یہ منطق تو عجیب قسم کی ہے، باوجود راحت کے نیند رخصت ہوتی جارہی تھی، سر اٹھایا تو دیکھا حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ ہیں ،فوراً پھڑک کر چارپائی سے اتر پڑا اور ندامت سے عرض کیا: ''حضرت! کیا ہم نے اپنے لیے جہنم کا خود سامان پہلے سے کم کر رکھا ہے کہ آپ بھی ہم کو دھکادے رہے ہیں''، شیخ نے جواباً فرمایا : ''آپ دیر تک تقریر کی تھی، آرام کی ضرورت تھی اور آپ کی عادت بھی تھی اور مجھ کو سعادت کی ضرورت، ساتھ ہی نماز کا وقت قریب تھا، میں نے خیال آپ کی نماز نہ چلی جائے تو بتائیے حضرت میں نے کیا غلطی کی ہے۔''

مولانا رومیؒ نے کیا خوب فرمایا :

ہر کجا مشکل جواب آنجا رود ہر کجا پستی است آب آنجا رود

''جواب ہر مشکل سوال ہی کا طلب کیا جاتا ہے اور پانی ہمیشہ نشیب ہی کی طرف بہتا ہے۔''(۱)

آج کل کی کمیٹیوں کی فکر

آج کل کی کمیٹیوں کو صرف ظاہری کاموں کی فکر لگی رہتی ہے،کہ ہماری مسجد محلہ کی دوسری مساجد سے تعمیر میں وسیع ہو،خوب نقش ونگار سے آراستہ ہو،عمدہ قالین ہو،AC ہو،بہتر ین پردے ہوں،بہترین ڈیجیٹل گھڑی ہو،اوقاتِ نماز کا خوشنما بورڈ ہو،بہترین پارکنگ ہو، کرسیوں سے بھرا ایک ہال ہو،بلا ضرورت کی لفٹ بھی،ہر سال کلرنگ ہو،لیکن امام ومؤذن کی فکر بہت کم ہوتی ہے،اور شاید ہی اسکو اپنی ذمہ داری سمجھ تے ہوں،جبکہ آپ ﷺ کی مسجد میں کیا یہ سب چیزیں تھیں؟ اسبابِ راحت کا انتظام کرنا بھی اہم کام ہے مگر مقصود کو فوت کرنا جرم ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ایک مسجد پر سے گذر ہوا جو مزین ومنقش تھی، دیکھ کر فرمایا:

---

(۱) کلید مثنوی: ۲۳۵/۱۱

اللہ رب العزت کی لعنت ہو اس شخص پر جس نے اس کو منقش کیا ہے، اس کے مقابلہ میں فقراء زیادہ مستحق تھے، قربِ قیامت مساجد رنگ و رونق سے مزین ہوں گی مگر ہدایت سے خالی ہوں گی۔(۱)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ’’حضرت گنگوہیؒ کا قول یاد آتا ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی فہرست مسجد کے چندہ وغیرہ کی لے کر آتا تو فرماتے کہ میاں! کیوں لوگوں کے پیچھے پڑے ہو؟ مسجد یا مدرسہ بنانا ہی ہے تو کچی دیواریں اٹھا کر بنالو، اگر وہ کہتا کہ حضرت کچی دیواریں گر جائیں گی، تو فرماتے کہ میاں! پکی بھی آخر گریں گی، تو جب گر جائیں گی دوسرا بناوے گا، تم قیامت تک کا بندوبست کرنے کی فکر میں کیوں پڑے ہو؟

مظلوم اِمام، بے حس عوام

مہاراشٹر کی ایک مسجد میں شر پسند و دبنگ لوگ نکاح کے لیے آے، معاملہ مناسب نہ تھا، لڑکی غیر قوم کی ہے، محبت میں گھر سے عاشق کے ساتھ بھاگ آئی تھی، امام صاحب نے کہا: ملکی حالات خراب ہیں اور یہ لڑکی مسلمان نہیں ہے کاغذات بھی نہیں ہیں کہ اس نے مذہب حق اسلام قبول کیا ہے، لہذا میں یہ نکاح نہیں پڑھاؤں گا‘‘ اس پر معاملہ بہت بگڑ گیا، قوم کو نکاح کے احکام سمجھانے کی غرض سے امام صاحب نے ۲۰۱۷ء کے رمضان المبارک کے دوسرے جمعہ میں نکاح کے مسائل پر قرآن واحادیث کی روشنی میں بیان کیا، بعد جمعہ دبنگوں نے مسجد کے باہر امام صاحب کی زبردست زدوکوب کی، یہاں تک کہ گولی مارنے کے لیے تیار ہو گئے، امام صاحب نے کہا ’’دین حق بتانا میرا کام ہے، اور موت بھی بر حق ہے، ایک حق ہو گیا دوسرے حق کا انتظار ہے‘‘ یاد رہے کہ! یہ سارا ہنگامہ کافی بھیڑ اور عوام کی موجودگی میں ہوا، کسی نے امام صاحب کا ساتھ نہ دیا، اللہ ہی کی مدد ہوئی کسی طرح میں جان بچا

(۱) احکام المساجد: ۹

کر نکل گئے، کیا اس حادثہ کے بعد کوئی امام بننا چاہے گا؟

۲۰۱۷ء والے رمضان المبارک میں، جمشید پور کے ایک علاقہ مخدوم پور کی جامع مسجد میں رات شر پسندوں نے خنزیر کا کٹا سر ڈالدیا سحری کے وقت معلوم ہوا حالات بہت خراب ہو گئے، اراکین مسجد و مصلیان مسجد نے تین آدمیوں کے نام رپورٹ تھانہ میں درج کرآئے، مگر ملزمین کے آزاد گھومتے رہنے پر بہت تشویش ہوئی، شہر کے اہل علم و دانشوران نے مشورہ کیا کہ SP اور DC کو میمورنڈم (MEMORANDUM) دیا جائے، جس کے لیے شہر کی تقریباً ۱۰۰ / سو مسجدوں بلا تفریق مسلک و مذہب مسجدوں کے امام و موذن، کمیٹی کے ذمہ داران کو اطلاع کی گئی لیکن حیرت وشرم کی بات یہ ہوئی کہ میمورنڈم دینے کے لیے بمشکل ۲۰ / سے ۲۵ / لوگ ہی جمع ہوئے۔ جبکہ اسی دن اسی وقت ہندؤں کی طرف سے ملزمین کی حمایت میں ہزاروں لوگ کورٹ گراؤنڈ کے اندر جمع تھے بجرنگ دل، وشو ہندو پریشد، مکتی باہنی وغیرہ وغیرہ۔ یہ ۲۵ / لوگ خائف تھے کی کہیں یہ بھیڑ ہم لوگوں پر حملہ نہ کر دے، اللہ اللہ کر کے کسی طرح وہاں سے اپنے گھروں کو واپس آئے، یہ ہے مسلم قوم کی بے حسی، یہ ہے مسجد کمیٹی کے ذمہ داران کا حال۔

چالیس سال امامت کے بعد بھی معزول کر دیا جانا

ایک امام صاحب نیک متقی پرہیز گار ۴۰ / سالہ امامت کا تجربہ، جھارکھنڈ میں ۵ سالوں سے امامت کی خدمات انجام دے رہے تھے چھٹی پر گھر گئے دوسرے دن کمیٹی والوں نے فون کر کے کہدیا کہ آپ کو ہم لوگ نکال رہے ہیں، کوئی وجہ بھی نہیں بتائی، بغیر نوٹس بغیر کسی جرم کے نکال دیا، یہ حال ہے آج ظالم قوم کا سلوک مظلوم اماموں کے ساتھ۔ امام مسجد و موذن ہر جگہ عوام سے لیکر حکومت تک بے رحمانہ رویے کا شکار ہیں، جس قوم کے لوگ امام

پر ظلم کو جاری رکھیں گے وہ قوم کیسے فلاح پائے گی غور کریں؟(۱)

امام کی کوتاہی پر احترام نفس کے ساتھ ذمہ داری یاد دلوائیں

امامت پیشہ نہیں بلکہ منصب ہے، پورے علاقہ کی دینی رہنمائی ہے، منصب کے تقدس کا خیال رکھتے ہوئے، عزتِ نفس کو مجروح کئے بغیر امام صاحب کو مشورہ دیں، ذمہ داریاں بتائیں، کوتاہیوں کی نشاندہی بھی کریں، مگر سلیقہ سے گفتگو کریں، بھری مجلس میں حکم دینے اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرنے کے بجائے تنہائی میں محبّت سے بات کریں۔

اور ہر شخص کی شکایت پر امام کو تنبیہ نہ کریں، ہر بات پر ٹوکنے کا مزاج نفرت اور دوریاں پیدا کردیتا ہے۔

امام صاحب کی غلطی تنہائی میں بتائیں

شیخ احمد اپنی کتاب ''الحکم'' میں لکھتے ہیں : ''خلوت اور تنہائی میں نصیحت کرنے میں خواہشاتِ نفسانی (عجب، ریا) اور شیطان کو شامل ہونے کا موقع نہیں ملتا، اس لیے کہ جب ناصح نے اپنا فرضِ منصبی اور اپنے رب کا حکم اس طور پر بجالایا کہ اس نے خلوت اور علیحدگی میں نصیحت کردی تو پھر اس میں ریا، عجب اور غرور جیسی بری صفت بھی شامل نہیں ہوئی۔ اور منصوح لہ نے غور سے نصیحت سن لی اور اس پر عمل کیا تو اس کا بغور سننا اور اس عمل کرنا اس لیے ہوا کہ اس کو اچھے اور بہتر طریقہ سے خلوت میں نصیحت کی گئی تھی جیسے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ'' اے وہ جماعت جس نے زبان سے ایمان کا اقرار کیا اور دل سے ایمان نہیں! (یعنی منافقوں کی جماعت) مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، نہ عار دلاؤ اور نہ ان کی پردہ دری کرو یعنی ان کے عیوب کو ظاہر مت کرو۔

''انه لامجال فى النصيحة سرا لحظوظ النفس والهوى

---

(۱) مستفاد از قلم: حافظ محمد ہاشم قادری، اشاعت، 10 اگست، 2018

والشیطان ،والناصح قدأدّی ما علیه وامتثل أمر به ،ونصح سرا فلم یداخله شئی من الریاءوالعجب أوالغرور، والمنصوح له اقتنع بالنصیحة وعمل بها لأنه نصح بطریقة حسنة وبالمعروف ،کماقال رسول الله ﷺ:یامعشر من قدأسلم بلسانه ولم یفض الایمان الی قلبه!لاتؤذوا المسلمین ولاتعیّرواهم ولاتتبعوا عوراتهم"(۱)

مخدوم نہیں ۔خادم بنیں

مسجد کی تولیت وصدارت خدمت کے لئے ہے کہ ہم خود مسجد کی حفاظت ،صفائی ،انتظام وغیرہ کے لئے نوکر وخادم بن جائیں ،نہ اس لئے کہ مسجد کے دیگر خادمین کو اپنا خادم سمجھیں ،یا دیگر نمازیوں کو اپنا خادم سمجھیں ،اپنا رویہ مخدومانہ بنا کرکسی سے پانی منگوانا ،سبزی منگوانا ،مخدومانہ انداز میں گفتگو کرنا وغیرہ ہرگز نہ کریں ، مسجد قیادت کی جگہ نہیں خدمت کی جگہ ہے ۔

احکامِ شرع میں عالم کے تابع رہیں

مسجد کے انتظامی امور کی خدمت ہی بڑی سعادت ہے ،حلال وحرام کی ذمہ داری نہ خود اپنے سر پر لیں نہ کسی دوسرے کو لینے دیں ،دینی اور علمی رہنمائی امام کے حوالے کر دیں ،کبھی ٹکراؤ کی صورت ہو جائے تو بحث کے بجائے کسی دارالافتاء سے رجوع ہو جائیں ۔

۲۔نیک سیرت بننے کی کوشش ہو ،کم از کم اتنا تو ضرور ہو کہ کبیرہ گناہوں سے بچیں ، خاص کر وہ گناہ جو اعلانیہ ہوتے ہیں مثلاً ڈاڑھی منڈوانا سود لینا یا دینا وغیرہ ۔

۳۔نمازوں کے اوقات تبدیل کرنے کا اختیار متولی صاحب اپنے پاس رکھنے کے بجائے امام صاحب کے اختیار میں دیں کیونکہ نماز پڑھانا ان کی ذمہ داری ہے وہ مصلّیوں

(۱)سنن ترمذی ،باب ماجاء فی تعظیم المؤمن ،: ۲؍۲۳ ،تحفۃ الائمہ : ۳۵۷

کی سہولت کے پیش نظر اوقات الصلوۃ تبدیل کرلیا کریں گے۔

اہلِ علم کی اتباع میں ہی نجات وعافیت ہے

کامیاب کمیٹیاں وہ ہیں جو علماء وصلحاء کی رائے سے کام کریں، مال داروں میں سے جو تعاون کرنا چاہیں انہیں صاف صاف بتادیں کہ اس کام میں آپ کی رائے نہیں چلے گی، اس لیے کہ کسی بھی کام میں اسی شخص کی رائے معتبر ہوتی ہے جو اس فن کا ماہر ہو۔ جیسے دنیا دار جن طریقوں سے مال کماتے ہیں اولاً تو کوئی مولانا اس سلسلے میں انہیں کوئی رائے دے گا نہیں کہ فلاں طریقے سے کماؤ اور کارخانہ فلاں طریقے سے چلاؤ، مولانا کو اس فن سے کیا تعلق! وہ اس فن کا ماہر نہیں، اس کے لئے اس میں مداخلت جائز ہی نہیں، بالفرض اگر کسی مولانا نے رائے دے دی تو دنیا دار اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے، بل کہ مولانا کو بے وقوف سمجھیں گے اور کہیں گے کہ چلو مسجد یا مدرسے میں بیٹھو تمہیں کیا معلوم کہ پیسہ کیسے کمایا جاتا ہے؟

اس طرح اگر کچھ مال دار مفت علاج کرنے کے لیے کوئی رفاہی ہسپتال بنانا چاہیں تو انہیں پیسے خرچ کرنے کا حق تو ہوگا لیکن یہ بات کہ اس ہسپتال میں کیا کیا چیزیں بنائی جائیں، کتنے اور کیسے کمرے تعمیر کیے جائیں، کہاں کہاں کیسی کیسی مشینیں لگائی جائیں؟ ان سب باتوں میں ڈاکٹر کا اعتبار ہوگا۔ اگر پیسہ لگانے والے یہ کہیں کہ ڈاکٹر کو تو بس بعد میں بیٹھ کر کام کرنا ہے پیسہ تو ہم خرچ کر رہے ہیں ڈاکٹر کو رائے دینے کا کیا حق، ہم جیسے چاہیں ہسپتال بنائیں تو سوچیں کہ وہ کوئی ہسپتال بنائیں گے یا مرغی خانہ؟ کچھ کا کچھ بنادیں گے۔ مگر ہسپتال نہیں بنا پائیں گے۔

اس لئے مالداروں کا کام تو تجارتی مراکز بنانا ہے ہسپتال کے کمرے کتنے اور کس طریقے سے بنیں گے اس میں ڈاکٹروں کی رائے کا اعتبار ہے، مالداروں کو تو بس پیسہ خرچ کرنا چاہیے۔

یہ اصول شرعاً وعقلاً ہر اعتبار سے پوری دنیا میں مسلم ہے کہ کسی کام اسی کی رائے معتبر ہوتی ہے جو اس کا جاننے والا ہو، تو جس طرح مال کمانے میں صرف مال داروں کی رائے کا اعتبار ہوگا دوسروں کو اس میں دخل دینا جائز نہیں، اسی طرح دینی امور میں ان ہی کی رائے معتبر ہوگی جن سے اللہ تعالیٰ دین کے کام لے رہے ہیں، کسی دوسرے کو اس میں دخل دینا جائز نہیں۔

منبر سے محراب نہ بنیں

حضرت مفتی شفیعؒ نے کچھ مال دارلوگوں کو دارالعلوم کورنگی کی شوری کا رکن بنالیا تھا۔ ایک بار ان لوگوں نے آپ پر کچھ اعتراضات کیا تو فرمایا: میں نے تو آپ لوگوں کو منبر (ممبر) بنایا تھا کہ آپ کے سروں پر چڑھ کر بیٹھوں گا لیکن آپ تو محراب بننا چاہتے ہیں، آگے بڑھ کر امام بننا چاہتے ہیں اور مجھے پیچھے رکھنا چاہتے ہیں۔

اس قصے سے بھی پتہ چلا کہ مال داروں کو رکن بنانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر وہ مولوی کو پوچھتے بھی نہیں وہ یہی چاہتے ہیں کہ سب کچھ ہماری مرضی سے ہو، ذرا سا کوئی مالی تعاون کردے پھر وہ یہ سمجھتا ہے کہ بس اب تو جو کچھ بھی ہو میری مرضی کے مطابق ہونا چاہیے۔ تو جن لوگوں میں عقل ہوتی ہی نہیں انہیں رکن کیوں بنایا جائے؟ (۱) یعنی محض مالداری کی وجہ سے مسجد کی کمیٹی کا فرد بننا جبکہ دینی مزاج نہ ہو ایسے شخص سے خدمت دین کی توقع کم ہو جاتی ہے۔

کمیٹیوں کے لئے عمر بن عبدالعزیزؒ کا سبق آموز واقعہ

عبدالرحمن بن ابی الزنادؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز مدینہ منورہ کے گورنر بن کر تشریف لائے، تو اپنے باڈی گارڈ کو لوگوں کو روکنے سے منع کر دیا؛ چنانچہ لوگ بلا روک ٹوک آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا،

---

(۱) علماء کا مقام: ۲۸

پھر جب آپ ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو خاص طور پر مدینہ منورہ کے دس فقہاء کو طلب فرمایا، جن میں حضرت عروہ بن زبیر، حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، حضرت ابوبکر بن عبد الرحمن بن الحارث، حضرت ابوبکر بن سلیمان بن خیثمہ، حضرت سلیمان بن یسار، حضرت قاسم بن محمد، حضرت سالم بن عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ، اور حضرت خارجہ بن زید رحمہم اللہ تعالیٰ شامل تھے، جب یہ حضرات تشریف لے آئے تو حضرت عمر بن بن عبدلعزیزؒ نے اولاً مختصر خطبہ ارشاد فرمایا، اُس کے بعد اُن حضرات سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''میں نے آپ کو ایک باعث اجر وثواب معاملے کے بارے میں بلایا ہے؛ تا کہ آپ حضرات حق کے سلسلے میں معاون اور مددگار بن سکیں، میرا عزم یہی ہے کہ میں کسی بھی معاملے میں آپ لوگوں کی رائے کے بغیر حتمی فیصلہ نہیں کروں گا''؛ لیکن آپ حضرات سے قسم دے کر کہتا ہو کہ اگر آپ کو میرے مقرر کردہ کسی عامل کے بارے میں ظلم وتعدی کا علم ہو، تو آپ اس پر مجھے ضرور بالضرور آگاہ کریں''۔ حضرت کی یہ عادلانہ گفتگو سن کر اُن سبھی فقہاء نے آپ کو جزائے خیر کہا اور واپس تشریف لے گئے۔(۱)

فائدہ: عمر بن عبد العزیز خلیفۂ خامس جیسا عظیم شخص اپنے معاملات کو علماء وفقہاء کے حوالے کر رہا ہے تو ہم کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

علماء خود متحد نہیں، ہم کونسے عالم کی سنیں؟

بہت سے حضرات مسائل میں علماء کے اختلافات سے پریشان ہو کر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں، جس کی تہہ میں یہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اب ہم کسی کی نہ سنیں گے۔ سب سے آزاد ہو کر جو سمجھ میں آئے وہ کریں گے، اور بظاہر ان کا یہ معصومانہ سوال حق بجانب نظر آتا ہے۔ لیکن ذرا غور فرمائیں تو ان کو اس کا جواب اپنے گردوپیش کے معاملات میں خود ہی

(۱) تہذیب الکمال للمزی: ۲۱/ ۴۳۹، من اخبار السلف الصالح ص: ۶۶-۶۷

مل جائے گا۔ ایک صاحب بیمار ہوئے ڈاکٹروں یا حکیموں کی آراء میں تشخیص وتجویز کے بارے میں اختلاف ہوگیا تو وہ کیا کرتے ہیں؟ یہی نا کہ وہ ان ڈاکٹروں حکیموں کی ڈگریاں معلوم کرکے یا پھر ان کے مطب میں علاج کرانے والے مریضوں سے یا دوسرے اہل تجربہ سے دریافت کرکے اپنے علاج کے لیے کسی ایک ڈاکڑ کو متعین کرلیتے ہیں۔ اسی کی تشخیص وتجویز پر عمل کرتے ہیں مگر دوسرے ڈاکڑوں حکیموں کو برا بھلا کہتے نہیں پھرتے۔ یہاں کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ معالجوں میں اختلاف ہے تو سب کو چھوڑو۔ اپنی آزاد رائے سے جو چاہو کرو۔ کیا یہی طرز عمل علماء کے اختلاف کے وقت نہیں کرسکتے؟

ایک مثال اور لیجیے۔ آپ کو ایک مقدمہ عدالت میں دائر کرنا ہے۔ قانون جاننے والے وکلاء سے مشورہ کیا۔ ان میں اختلاف رائے ہوا تو کوئی اور آدمی یہ تجویز نہیں کرتا کہ مقدمہ دائر کرنا ہی چھوڑ دے یا پھر کسی وکیل کی نہ سنے۔ خود اپنی رائے سے جو سمجھ میں آیا، کرے۔ بل کہ ہوتا یہی ہے مختلف طریقوں سے ہر شخص اتنی تحقیق کرلیتا ہے کہ ان میں کون سا وکیل اچھا جاننے والا اور قابل اعتماد ہے۔ اس کو اپنا وکیل بنالیتا ہے۔ اور دوسرے وکلاء کو باوجود اختلاف کے دشمن نہیں سمجھتا۔ برا بھلا نہیں کہتا۔ اس سے لڑتا نہیں پھرتا۔

یہی فطری اور آسان اصول اختلافِ علماء کے وقت کیوں اختیار نہیں کیا جاتا؟ یہاں ایک بات یہ بھی سن لی جائے کہ بیماری یا مقدمے کے معاملات میں اگر آپ نے کسی غلط ڈاکڑ یا غیر معتمد وکیل پر اعتماد کرکے اپنا معاملہ اس کے حوالے کردیا تو اس کا جو نقصان پہنچتا ہے، وہ آپ کو ضرور پہنچے گا۔ مگر علماء کے اختلاف میں اس نقصان کا بھی خطرہ نہیں؛ کیونکہ حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی عالم سے سوال کیا اور اس نے فتویٰ غلط دے دیا تو اس کا گناہ سوال کرنے والے پر نہیں بل کہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔ (۱)

شرط یہ ہے کہ سوال اس شخص سے کیا گیا ہو جس کا عالم ہونا آپ نے ایسی ہی تحقیق وجستجو

---

(۱) ابوداوٗ، العلم، باب التوقی فی الفتیا: ۲/۱۵۹

کے ذریعے معلوم کیا ہو جو اچھے معالج اور اچھے وکیل کی تلاش میں آپ کیا کرتے ہیں۔ اپنی مقدور بھر صحیح عالم کی تلاش وجستجو کر کے آپ نے ان کے قول پر عمل کرلیا تو آپ اللہ کے نزدیک بری ہو گئے۔ اگر اس نے غلط بھی بتادیا تو آپ پر اس کا کوئی نقصان یا الزام نہیں۔ ہاں یہ نہ ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر کی تلاش میں تو اس کا ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ہونا بھی معلوم کریں اور یہ بھی کہ اس کے مطب میں کس طرح کے مریض زیادہ شفایاب ہوتے ہیں، مگر عالم کی تلاش میں صرف عمامے، کرتے اور داڑھی کو یا زیادہ سے زیادہ جلسے میں کچھ بول لینے کو معیار بنالیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے بری نہیں۔ اس نے جواب میں کوئی غلطی کی تو آپ بھی اس کے مجرم قرار پائیں گے۔(۱)

امام کے عیب چھپائیں

ہر انسان سے بھول چوک اور کمی وکوتاہی ہو ہی جاتی ہے اس لیے ایک دوسرے کو برداشت کرنا چاہیے اور ایسی معمولی کمزوری سے صرف نظر کرنا چاہیے جس سے دین ومروت میں خلل پیدا نہ ہوتا ہو۔

وَمَن ذا الَّذي تُرضى سَجاياهُ كُلُّها　　　كَفى المَرءَ نُبلاً أَن تُعَدَّ مَعايِبُهُ

بھلا ایسا کوئی شخص ہے جس کی تمام عادات واطوار سے ہر شخص خوش ہو، کسی شخص کے بڑا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس کے عیوب شمار کر لیے جائیں۔

کبھی کسی کو ہلکا سمجھنے کا خیال دل میں نہ آئے، عیب جوئی نہ ہو، بلکہ عیبوں پر پردہ ڈالا جائے۔

امام نسائی، ابن حبان اور امام حاکم رحمہم اللہ نے اپنی اپنی کتب حدیث میں صحیح سند کے ساتھ ایک واقعہ نقل کیا ہے: دُخین ابو الہیثم نامی ایک شخص نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کو

(۱) تحفۃ الأئمہ: ۵۷۰

اپنے پڑوسیوں کے بارے میں بتایا کہ وہ شراب خوری کرتے ہیں پھر ان سے پوچھا کیا میں ان کی اطلاع پولیس کو کردوں؟ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ہرگز نہیں! بلکہ تم ان کو سمجھاؤ اور اللہ کے خوف سے ڈراؤ۔ ابوالہیثم کہنے لگے کہ میں نے انہیں بارہا اس کام سے باز رہنے کو کہا لیکن وہ نہیں رکتے۔ کیا ایسی صورت میں ان کی اطلاع پولیس کو کردوں؟

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اُو اللہ کے بندے! ایسا نہ کرنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کا اتنا بڑا اجر عطاء فرماتے ہیں جیسے اس نے زندہ درگور کی جانے والی بچی کو زندہ بچالیا ہو۔

کسی بھی عالم کا عیب عوام کے مجمع میں ذکر نہ کیا جائے، اگر آپ اس عالم میں کوئی کمی پاتے ہیں تو اس کو تنہائی میں بتائین، اگر بالمشافہ بات کرنے میں کسی قسم کی عار ہو تو تحریراً ان کو مطلع فرمادیں کہ بندہ کی رائے یہ ہے کہ آں جناب اس میں غور فرمالیں۔ اگر اس کے باوجود بھی وہ اپنی رائے پر مصر ہوں تو چھوڑ دیجئے۔

عیب چھپانے پر نبی کریم ﷺ کا سلام

مفتی ابوبکر جابر قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ: ''ہم لوگ ترکی کے ایک شہر میں، ایک عالم دین سے ملاقات کے لیے گئے، انہوں نے نصیحت کی کہ میرے شیخ نے ایک مرتبہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے شیخ ان سے کہہ رہے تھے کہ فلاں آدمی جنت میں میرا ساتھی ہے، یہ بیدار ہوئے تو خوشی ہوئی کہ اللہ کے نبی ﷺ کا دیدار ہو، لیکن غم بھی ہوا کہ خوشخبری میرے لیے تو ہے نہیں بلکہ فلاں نے کے لیے ہے، اس شخص سے ملاقات کرکے خوشخبری سنائی، اس سے پہلے میری شرط ہے کہ تمہارا کیا خاص عمل ہے بتلاؤ! رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جنت میں ان کے ساتھی ہو، انہوں نے کہا کہ میرے نکاح کے

بعد پانچ مہینے میں بچے کی ولادت ہوگئی ،کم سے کم چھ مہینے لگنے چاہیے،اس کا مطلب یہ بچہ میرا نہیں تھا، میں نے اپنی گھروالی سے کہا اگر تم سچے دل سے اس بے حیائی کے گناہ سے توبہ کر لیتی ہو تو میں تمہارے گناہ کو بھی چھپاؤں گا اور تمہارا بچہ تمھارا رہے گا ،دل گردے کی بات ہے کہ آدمی اس کو قبول کر لے،اس اللہ کی بندی نے بہت رویا، عاجزی کی کہ میں نے گناہ سے توبہ کر لیا،یہ اللہ کا بندہ اور اسکی بیوی اس نومولود بچے کو لے کر فجر کی نماز میں کپڑا لپیٹ کے لے گیا جیسے ہی لوگ نماز کی رکعت باندھ کر کھڑے ہو گئے چوکھٹ پہ بچہ رکھ دیا نماز میں شریک ہو گیا. جیسے ہی نماز ختم ہوئی مسجد میں ہنگامہ ہوا بچے کے رونے کی آواز آرہی ہے،کس نے اس بچے کو چھوڑ دیا،کس نے بے سہارا بچے کو رکھ دیا،اس شخص نے آگے بڑھ کر کہا لوگوں تم سب گواہ رہو میں آج سے اس بچے کا ذمہ دار ہوں،اس کے بعد وہ بچے کو گھر لے کر آیا پوری بستی کے سامنے اس کے عیب کو چھپایا اور پھر پوری بستی کے سامنے قانونی طریقے سے اس کا بچہ اس کی گود میں پہنچایا،اسی لیے تم نے سنا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہمارا جنتی ساتھی ہے“۔

ایک عورت کے عیب چھپانے پر یہ مقام ملا،ہم پورے محلہ کے امام کے عیب چھپائیں تو کیا مقام ملے گا،محض بدگمانی کی وجہ سے اور عیب شمار کرنے سے ساری بستی اہلِ علم سے کٹ جاتی ہے۔

ایک اسکول ٹیچر کا سبق آموز واقعہ

ایک اسکول میں چوری ہوگئی ،استاذ نے سب طلبہ کو جمع کیا،تلاشی شروع ہوئی ،ایک طالب علم کے جیب سے چوری کا سامان مل گیا،مگر تلاشی کے وقت سب طلبہ کے آنکھ پر پٹی باندھ دی گئی ،تاکہ کسی کو چور کا علم نہ اور سامان بھی مل جائے،چندسال بعد اسکول کے ٹیچر کو ٹرافک کے اصول توڑنے پر چالان بھرنے پولس ٹیشن جانا پڑا،ایک جوان پولس انہیں دیکھتے ہی فوراً کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا،ٹیچر نے تعجب سے پوچھا: کون ہو؟ کہنے لگا: میں

وہی چور طالبِ علم ہوں جس کی چوری کو آپ نے طلبہ کی آنکھ پر پٹی باندھ کر چھپایا تھا! پھر کہنے لگا: بخدا میں تمھیں اُس وقت بھی نہیں پہچانا تھا، کیونکہ تلاشی کے وقت میری آنکھ پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی، میں بھی اپنے کسی طالبِ علم سے بدگمان نہیں ہونا چاہ رہا تھا۔ اللہ اکبر۔ کیا عمدہ اخلاق ہیں، آج کمیٹیاں اپنے امام کے عیب اہتمام سے تلاش کرتی ہیں، اگر نہ ملے تو عوام تو ہے ہی جو اہتمام سے مخبری کا فریضہ انجام دیدیتے ہیں۔ جو اخلاقی فریضہ اسکول میں اپنایا گیا آج مسجدوں میں بھی ایسے نمونے ملنا دشوار ہے۔

ائمہ کرام کی غیبت سے بچیں!

سفیان بن حسین ؒ کہتے ہیں کہ میں ایاس بن معاویہ کے پاس تھا ان کے پاس ایک شخص بیٹھے ہوئے تھے اب میں اٹھنا چاہ رہا تھا مگر ڈر لگتا تھا میں چلا جاؤں تو یہ شخص میرے خلاف ایاس کے کان نہ بھرے۔ جب وہ اٹھ گیا تو میں نے اس کے خلاف کچھ باتیں ایاس سے کہیں۔ ایاس نے مجھ سے کہا: خاموش ہو جاؤ اور پھر مجھ سے پوچھا:

آپ نے رومیوں کے ساتھ جہاد کیا؟ کہنے لگا ''نہیں'' پوچھا ''سندھ اور ہند کے جہاد میں شریک ہوئے؟'' کہا ''نہیں'' فرمانے لگے ''روم، سندھ اور ہند کے کفار تو آپ سے محفوظ رہے لیکن بے چارہ اپنا ایک مسلمان بھائی آپ سے بچ نہ سکا، اور زبان کی تلوار اس پر چلا دی، سفیان کہتے ہیں مجھ پر ان کے اس جملے کا اس قدر اثر ہوا کہ زندگی بھر پھر کسی کی غیبت نہیں کی۔

''أغزوت الديلم؟قلت:''لا''قال:فغزوت الروم؟ قلت :
''لا'' قال:فغزوت الهند؟قلت:''لا''قال:فسلم من الديلم،
السند، والهند، والروم،وليس يسلم منک أخوک

هذا'' قال: ''فما عدت الی ذالک بعد'' (۱)

غیبت چاہے کسی کی بھی ہو بہت ہی بری اور گندی بات ہے، لیکن علماء کی غیبت، اور پھر دوسرے مکتب فکر کے سارے علماء کی جی بھر کر غیبت، اور پھر مسجد میں بیٹھ کر، یہ '' ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ '' ہیں۔ (۲)

آخرت کے خوف سے تو بچنا ہی چاہیے، مگر دنیا کے نقصان سے بچنے کے لئے بھی یہ مراقبہ کر لینا چاہیے کہ جو علماء پر اعتراض کرتا ہے علماء کی غیبت کرتا ہے علماء کی بے ادبی کرتا ہے عموماً اس کی اولاد سے آگے فین کا کام نہیں لیا جاتا۔ یہ بہت خوف اور ڈر کی بات ہے۔

اپنی اولاد ہی کی حفاظت کی خاطر تکلفاً کوشش فرمائیں کہ کسی بھی مکتب فکر کے علماء کی غیبت ہم سے نہ ہو۔

علماء کا گوشت زہر آلود ہوتا ہے

امام نووی ؒ نے حافظ ابن عساکرؒ سے نقل کیا ہے: ''اے میرے بھائی! جان لو اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے اپنی رضا حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو اللہ تعالیٰ سے ایسے ڈرتے ہیں جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے، کہ علماء کا گوشت زہر آلود ہے اللہ کی عادت (عذاب دینے کی) ان کی پردہ دری اور عیب نمائی میں معلوم ہے، تو جس نے اپنی زبان کو علماء کی عیب جوئی اور عیب نمائی میں استعمال کی اللہ تعالیٰ اس کو مرنے سے پہلے دل کی موت (ذلت کی موت) مارے گا۔

''اعلم یاأخی! وفقنا الله وایاک لمرضاته، وجعلنا ممن یخشاه ویتّقیه حقّ تقاته، أنّ لحوم العلماء مسمومة، وعادة الله

(۱) تنبیہ الغافلین: ۸۸

(۲) تنبیہ الغافلین: ۸۸

في هتک أستار منتقصيهم معلومة ،وأنّ من أطلق لسانه في العلماءبالثلب أي بالعيب والانتقاص ابتلاه الله تعالى قبل موته بموت القلب"(۱)

مولانا سعید احمد خان صاحبؒ کا سبق آموز واقعہ

علماء سے کینہ رکھنا،علماء کی غیبت کرنا،علماء سے بدگمانی کرنا،علماء کی بے ادبی کرنا، یہ بہت گندے اور برے افعال ہیں ، اہلِ علم سے بدگمانی کی نحوست کاایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں :

شیخ الحدیث حضرت مولانا موسیٰ خان روحانی بازیؒ ہمارے اس دور کے جلیل القدر علماء اور بزرگ وقد آور شخصیات میں سے تھے،ان کے صاحب زادے نے ان کی زندگی کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ:

''ایک مرتبہ حضرت شیخؒ بمع اہل وعیال حج کے لیے حرمین شرفین تشریف لے گئے ۔ حج کے بعد چند روز مدینہ منورہ میں قیام فرمایا،مولانا سعید احمد خانؒ (جوکہ تبلیغی جماعت کے بڑے بزرگوں میں سے تھے) کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپؒ بمع اہل خانہ اپنی مدینہ منورہ والی رہائش گاہ میں دعوت کی،دعوت کے دوران والدِ محترمؒ،مولانا سعید احمد خانؒ کے ساتھ تشریف فرماتے تھے کہ ایک شخص (جوکہ مدینہ منورہ ہی رہائشی تھا) آیا،اس نے جب مولانا محمد موسیٰ خان روحانی بازیؒ کو اس مجلس میں تشریف فرما دیکھا تو انہیں سلام کر کے مؤدبانہ انداز میں ان کے قریب بیٹھ گیا ورعرض کیا : ''حضرت میں آپ سے معافی مانگنے کے لیے حاضر ہوا ہوں،آپ مجھے معاف فرمادیں''

والد ماجدؒ نے فرمایا : بھائی کیا ہوا، میں تو آپ کو جانتا ہی نہیں، نہ کبھی آپ سے ملاقات

---

(۱)التبیان فی آداب حملۃ القرآن :۲۱

ہوئی ہے، تو کس بات پر معاف کر دوں؟''

وہ شخص پھر کہنے لگا : ''بس حضرت آپ مجھے معاف کر دیں۔''

حضرت شیخ ؒ نے فرمایا : ''کوئی وجہ تو بتلاؤ سہی؟''

وہ شخص کہنے لگا ''جب تک آپ معاف نہیں فرمائیں گے، میں بتلا نہیں سکتا''

تو والد صاحب ؒ نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں فرمایا : ''اچھا بھئی معاف کیا، اب بتلاؤ کیا بات ہے؟''

وہ کہنے لگا ''حضرت میری رہائش مدینہ منورہ میں ہی ہے، میں اپنے رفقاء اور ساتھیوں سے اکثر آپ کا نام اور آپ کے علم وفضل کے واقعات سنتا رہتا تھا، چناں چہ میرے دل میں آپ کی زیارت وملاقات کا شوق پیدا ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تمنا بڑھتی گئی، مگر کبھی زیارت کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔ اتفاق سے چند دن قبل آپ مسجد نبوی ﷺ میں نوافل میں مشغول تھے کہ میرے ایک ساتھی نے مجھے اشارے سے بتلایا کہ ''یہ ہیں مولانا محمد موسیٰ خان صاحب، جن کے بارے میں تم اکثر پوچھتے رہتے ہو'' میں چوں کہ اس سے پہلے آپ کو دیکھا تک نہیں تھا، اس لیے میرے ذہن میں آپ کے بارے میں ایک تصور قائم تھا کہ پھٹا پرانا لباس ہوگا، دنیا کا کچھ پتہ نہیں ہوگا، لیکن جب اس نے نوافل پڑھتے ہوئے آپ کا حلیہ اور وجاہت دیکھی تو میرے ذہن میں جو پھٹے پرانے لباس کا تصور تھا، وہ ٹوٹ گیا اور دل میں آپ کے بارے میں کچھ بدگمانی پیدا ہوگئی۔

چنانچہ میں آپ سے ملے بغیر ہی واپس لوٹ گیا۔ اسی رات کو خواب مین مجھے نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، دیکھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ انتہائی غصے میں ہیں، میں نے عرض کیا : ''یارسول اللہ ﷺ مجھ سے ایسی کیا غلطی ہوگئی کہ آپ ناراض دکھائی دے رہے ہیں؟''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا : ''تم میرے موسیٰ کے بارے میں بدگمانی کرتے ہو، فوراً میرے مدینے سے نکل جاؤ۔'' میں نے خوف سے کانپ گیا، فوراً معافی چاہی، فرمایا ''جب

تک ہمارا مولیٰ معاف نہیں کرے گا میں بھی معاف نہیں کروں گا۔"

یہ خواب دیکھنے کے بعد میں بیدار ہوگیا اور اس دن سے میں مسلسل آپ کو تلاش کر رہا ہوں مگر آپ کی جائے قیام کا پتہ نہیں لگا سکا۔آج آپ سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی تو معافی مانگنے کے لیے حاضر ہوگیا ہوں۔حضرت شیخؒ نے جب یہ واقعہ سنا تو پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔"(۱)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا بہترین قول

علماء کرام بہرصورت عوام سے تو افضل ہیں،اپنے علم وعمل،تقوی وتعلق مع اللہ کی وجہ سے،حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: حافظ ابن حجرؒ ہوں یا علامہ عینیؒ یہ سب حضرات صدیوں پہلے جنت میں اپنے خیمے گاڑ چکے ہیں،ان کی شان میں کوئی نامناب بات کہہ کر اپنی آخرت خراب نہ کرو"۔(۲)

امامت کے لیے عالم کو رکھیں

امام کی ذمہ داری صرف نماز پڑھانا نہیں ہے،خطبات ، دروس، اصلاح وتربیت کا نظام،مسائل ومعاملات کو سلجھانا ہے،اگر حافظ صاحب بھی یہ کام بخوبی نبھائیں تو بہت بہتر اور بہت سے حفاظ علماء سے بہتر کام کیے ہیں اور اگر حافظ صاحب سے یہ کام نہ ہو،مگر کام چلوا لینے کا رواج معاشرے کی اصلاح کے لیے بہت نقصاندہ ہے،گہری نظر والوں کو دکھائی دے رہا ہے،ممکن ہے پہلے دور کے حفاظ آج کے علماء سے بہتر کام کر دکھائیں ہوں،مگر اب قابل توجہ بات ہے۔

علاقے کے علماء کو ترجیح دیں،مکی مدنی ہونے کی نسبتوں سے متاثر نہ ہوں، یہاں کے

---

(۱) کتابوں کی درسگاہ میں :۱۵۹

(۲) مجالس مفتی اعظم :۶۲۶

علماء جس قدر کام کئے مکہ مکرمہ اور مدینہ یونیورسیٹی کے فارغین بھی نہیں کر پائیں گے، خدمت کا تعلق اپنے جذبہ و بلند حوصلے سے متعلق ہے، نہ کہ بلند نسبتوں سے۔

مگر افسوس عام طور پر مسجدوں میں ایسے حضرات مقرر کیے جاتے ہیں جن کو نہ تو دنیا اور نہ ہی دین کا پورا علم ہوتا ہے، جو امامت کے علاوہ اور کوئی دوسرا کام انجام نہیں دے سکتے، ایسا بھی نہیں ہے کہ امامت کے لئے اہل لوگوں کی کمی ہے، مگر اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک رجحان بن گیا ہے کہ امام اور موذن تو سماجی اور معاشی ضرورتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں، انکی، ان کی بیوی بچوں کی کوئی خواہش نہیں ہوتی، اسلئے جو تنخواہ آج سے بیس سال پہلے کی تھی وہی آج بھی ہوگی، اور خلوص تو پوری قوم میں سے غائب ہے مگر امام اور مؤذن سے مسلمان کام خلوص کا مطالبہ کرتا ہے، اور تنخواہ اتنی کم دی جاتی ہے کہ سارا خلوص خود بخود چلا جاتا ہے، پھر ویسے ہی لوگ امام بنتے ہیں جس کو دیکھ کے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اسکو کیا جانیں بے چارے دو رکعت کے امام

امام کی تلاش کا قابل اصلاح طریقہ

آج ذمہ دارانِ مساجد کی خواہش و آروز ہے کہ ان کا امام ایسا ہو جو ظاہری وضع قطع کا بھی پابند ہو، نیز حسن صوت و قراءت سے بھی آراستہ ہو، معتبر ادارہ سے بھی فارغ ہو، مفتی بھی ہو، اندازِ بیاں بھی عمدہ ہو، ظاہر ہے، یہ اوصاف کسی میں جمع ہو جائیں تو زہے قسمت ہے؛ لیکن بالعموم ایسا اجتماع بہت ہی کم ہوتا ہے، اگر ان اوصاف سے متصف افراد کی تلاش و جستجو کے لئے نکلیں تو یہ بنی اسرائیل کے گائے کی طرح ہے، حسنِ صوت نماز کے لئے کوئی لازمی عنصر نہیں فقہاء نے حسنِ صوت کو صرف لوگوں کی رغبت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

کبھی صالحیت کے بجائے حسنِ صوت پر ہی تقرر کا مدار رکھا جاتا ہے جس سے کئی قسم کے نقصانات رونما ہوتے ہیں۔

شرعی صفات جس میں پائے جائیں اس پر اکتفاء کریں، نیز نااہل کو صرف اپنے تعلقات، رشتہ داری، چاپلوسی وغیرہ کی وجہ سے منتخب نہ کریں، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں جب قوم کی امامت ’’ادنی‘‘ شخص کرے کہ اس کے پیچھے اس سے افضل موجود ہو تو ایسی قوم ہمیشہ پستی میں رہتی ہے۔ ’’اذام بالقوم رجل وخلفه من هو أفضل منه لم يزالو في سفال‘‘(۱) یہی بات متولی اور صدر بننے میں ہے کہ اہل ہوتے ہوئے نااہل کا صدر و ممبر بن جانے سے قوم ہمیشہ ذلت میں رہتی ہے۔

عالم کا امتحان غیر عالم لے رہا ہے

مساجد میں ائمہ کرام کی تقرری کا نظام بھی عجیب طریقہ سے ہوتا ہے، امام صاحب ساری کمیٹی کے سامنے قرأت پڑھ کر سناتے ہیں، سند دیکھی جاتی ہے، نماز پڑھوا کر دیکھتے ہیں، مسائل ومسالک پوچھتے ہیں، جمعہ کا بیان سنتے ہیں، قرأت کی سند کہاں سے حاصل کی؟ اب تک کہاں امامت رہی؟ دیگر مصروفیات کیا ہیں؟ ایسے رعب دارنہ انداز سے تخاطب کہ ملٹری کا جوان یا IPS کا پہلوان منتخب ہو رہا ہو، جب سب درست نکل آئے اور تنخواہ کی بات شروع ہو تو بھیگی بلّی کی طرح ہلکی آواز میں کہتے ہیں ’’ابھی مسجد کی مستقل آمدنی نہیں ہے، فی الحال دس ہزار دیں گے، بعد میں سوچ کر بڑھائیں گے‘‘۔

کیا جس نے قرأت کورس نہیں کیا وہ قرأت کا امتحان لے گا؟ جس نے مسائل شرعیہ کہیں نہیں پڑھا وہ مسائل نہیں بلکہ مسالک پوچھے گا؟ جب شروع ہی سے جاہل اپنی چلانا چاہے گا تو مسجد میں کب علم کا نور عام ہوگا۔

طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ شہر کے کسی مقبول ادارے یا مقبول عالم دین کے حوالے کر دیا جائے کہ آپ جس کو مناسب سمجھیں جانچ کر بھجوا دیں ہم آپ کے تابع ہیں، مگر شاید کسی مسجد میں

(۱) اسلام کا نظام مساجد: ۱۱۲

ایسا ہوتا ہو۔ چونکہ جاہل کسی عالم کا امتحان لے یہ عالم کی نہیں بلکہ علمِ دین کی توہین ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مسجد کمیٹی کے ممبران نے امام کو نوکری پر رکھنے کے لیے انٹرویو لیا جس میں انھوں نے پوچھا کہ: قیامت کی نشانی بتائیں؟

امام صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: کیا یہ نشانی کم ہے کہ ایک عالم کا انٹرویو ایک جاہل لے رہیں۔

امام کی تلاش کا سبق آموز واقعہ

ایک مسجد میں امام کی ضرورت تھی مسجد کی کمیٹی ایک بڑے مفتی صاحب کے پاس اپنی ضرورت لے گئے، مفتی صاحب نے پوچھا: پہلے امام صاحب کو کیوں نکالا؟ کہا: وہ وقت نہیں دیتے تھے، چھٹیاں زیادہ کرتے تھے، ادھر ادھر ٹیوشن پڑھانے جاتے تھے، نماز سے کبھی ایک منٹ پہلے پہنچتے، روز کسی نہ کسی نماز کی چھٹی ہو جاتی وغیرہ۔

مفتی صاحب نے پوچھا تنخواہ کتنی تھی؟ جی! ہم پورے آٹھ ہزار انہیں دیتے تھے! فیملی کے لئے مسجد کی طرف سے گھر تھا؟ جی! نہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا: منصبِ امامت کی ابتداء سید المرسلین ﷺ سے شروع ہوتی ہے جسے خلفائے راشدین نے پروان چڑھایا، جو بیک وقت حاکم ہونے کے ساتھ امام بھی ہوتے، ان کے بعد ائمہ کرام انہیں کے نائب کہلاتے ہیں، خود سوچیں! اس مقدس منصب کی ہم نے کیا قدر کی ہے؟ لوگ چاہتے ہیں کہ امام صاحب چوبیس گھنٹے مسجد میں رہیں، ہم جو کہیں وہ کریں، مگر انہی اتنی تنخواہ بھی نہیں دیں گے جو ضرورت پوری کر دے چہ جائے کہ اتنی تنخواہ دیں جس سے خواہش پوری ہو جائے۔

آج کل سرکاری جھاڑو مارنے والا کا مشاہر سولہ ہزار سے شروع ہے، مگر افسوس جس منصب کا رتبہ ملک کے وزیرِ اعظم سے بھی اعلی ہے اسے ایک مزدور کے برابر بھی اہمیت نہیں دی جاتی، جبکہ صرف ایک نماز فجر کا معاوضہ ایک لاکھ بھی دیں تو بھی حق ادا نہیں ہوسکتا، ہم اپنے بیٹوں کی ایک ایک لاکھ کی تنخواہ کے باوجود دعا کی درخواست لے

کرآتے ہیں کہ ''دعافرمادیں بیٹا کمپنی بدلنا چاہتا ہے چونکہ دوسری کمپنی میں دولاکھ کا آفر ہے اور یہ کمپنی کم تنخواہ دیتی ہے''مگر امام صاحب اپنی ضروریات کے لئے ٹیوشن بھی نہیں پڑھاسکتا،کوئی تجارت بھی نہیں کرسکتا،صرف ہمارے بند مٹھی اور خیرات کے انتظار میں ہاتھ باندھے کھڑارہے،کبھی نہیں سوچتے کہ وہ بھی انسان ہے،اس کے بھی بیوی بچے ہیں،بیوی اور بچوں کی بھی خواہشات ہوتی ہیں،سچ تو یہ ہے کہ آج مسجد کی کمیٹیوں کوامام نہیں بلکہ نوکر کی تلاش ہے،مہربانی فرما کر چلے جائیں ہمارے پاس نوکر نہیں ملتے،دوبارہ کبھی نوکر کی تلاش میں ملاقات کرنے کی زحمت نہ کریں'' پھرکیاتھا کمیٹی گریبان جھانکنے لگے،ایک دوسرے کامنہ تکتے رہ گئے۔

امام کو جلد نہ بدلیں

۱۔جلدامام کوبدلنا منتظم کے ناکام ہونے کی دلیل ہے،دنیامیں کوئی انسان کامل نہیں، ائمہ کرام سے بھی سوفیصد فرشتہ صفت کی اُمّید نہ رکھی جائے،خامیاں ہرکسی میں ہیں،چھوٹی غلطی پر بڑے فیصلے نہیں ہوتے،امام کومسجد اوراہل مسجد کاماحول سمجھنے کاموقع ملے،مسجد پرانی تھی اب نئی بن گئی تو امام بھی نیا چاہئے،آواز پرانی ہوگئی نئی آواز چاہئے،چہرہ پرانا ہوگیا،اس لئے نیاچہرہ چاہئے،ہرمسجد میں قرأت میں شیخ سدیس،علم فقہ میں امام ابوحنیفہؒ،حدیث میں امام بخاری،خطابت میں عطاء اللہ شاہ بخاریؒ،تصوف میں غزالیؒ،ولایت میں جیلانی و بغدادی،نہیں ملتے،علاقہ اورمسجد کی ضرورت کےلحاظ سے مناسب علم وصلاحیت والے امام کافی ہیں۔

۲۔امام کی تبدیلی کے متعلق اپنی نفسانیت یااقرباءنوازی نہ ہوبلکہ مسجد کاہی کافائدہ مد نظر ہو۔بعضے متولی اپنی چودراہٹ قبول نہ کرنے پرامام کی چھٹی کرادیتے ہیں،امام کوکسی کی چوہدراہٹ قبول کرنی بھی نہیں چاہیے۔ہاں!ہرکسی کو اس کے مقام ومرتبہ کےلحاظ سے عزت دینااعلی اخلاق کاحصہ ہے۔

۳۔امام کو چھٹی کرانے کی اصل وجہ اپنی چوہدراہٹ انانیت ہوتی ہے مگر نمازیوں کو مطمئن کرنے کے لیے امام پر الزام تراشی شروع کر دی جاتی ہے۔ یاد رہے آپ اپنی فنکاری اور امام کی سادگی کی وجہ سے نمازیوں کو مطمئن کرلیں گے مگر آخرت میں یہ فنکاری نہیں چلے گی، اس الزام تراشی کا حساب دینا ہوگا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر امام کو بے وجہ یا انانیت کی وجہ سے نکالدیا گیا تو وہاں اس مسجد میں کم صلاحیت وصالحیت والا ملے گا جو پہلے سے زیادہ کمیٹی کے لئے دردسر بنے گا اور دوسری جانب امام صاحب کو اس سے اچھی جگہ ملے گی۔

ائمہ کی تنخواہوں کا معیار کیا ہونا چاہیے

امام کی تنخواہ کا معیار بلند رکھیں

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ معاش انسان کی بنیادی ضرورت ہے، کوئی شخص اس ضرورت سے مستغنی نہیں ہوسکتا، نہ حافظ نہ مولوی، نہ عالم نہ پیر، دنیا کی بعض قوموں میں یہ روایت ہے کہ ان کے مذہبی قائدین نہ شادی کرتے ہیں نہ کماتے ہیں؛ بلکہ وہ قوم کے نذرانوں پر اپنی زندگی گزارتے ہیں اور جب شادی نہ ہو، بیوی بچے نہ ہوں تو یوں بھی ان کی ضروریات محدود ہوجاتی ہوں گی، ہمارے ملک میں بھی اکثر مذہبی گروہوں کا یہی حال ہے؛ لیکن اسلام ایسے توکل کا قائل نہیں ہے، اکابر صحابہؓ، بڑے بڑے تابعین، فقہاء ومحدثین صنعت وتجارت کے ذریعہ اپنی ضرورتیں پوری کرتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت بھی کرتے تھے، اسلام نے ہنرمند اور باصلاحیت کو بے کار، کاہل اور سست مومن کے مقابلے بہتر قرار دیا ہے۔

سماج میں مذہبی اداروں میں خدمت انجام دینے والا یہ طبقہ جنھیں "علمائے دین" اور "خدام دین" کہا جاتا ہے، دنیوی ضروریات پوری کرنے کے لئے انکی تنخواہیں اتنی بھی نہیں ہوتی، جو ایک معمولی مزدور کی ہوتی ہے، جس سے ایک "دنیوی مزدور" اپنی روزمرہ کی ضرورت پوری کرتا ہے، پھر سوال یہ ہے کہ ایسے میں اس طبقے کی زندگی بہتر کیسے ہوگی؟ اور جب انکی ضروریات پوری نہیں ہونگی تو پھر یہ لوگ دین کی خدمت پورے انہماک اور یکسوئی سے کیسے کریں گے؟ کیا یہ بات ممکن ہے کہ دینی اور مذہبی اداروں میں خدمت کرنے والے یہ خدام پریشان ہوں اور دین کی خدمت بہتر سے بہتر ہوتی رہے؟ یہ لوگ مارے مارے پھریں اور مدارس ومساجد کو باصلاحیت اساتذہ اور ائمہ ملتے رہیں؟

ایسی تنخواہ ہو کہ اگر کسی کو سنایا جائے یا امام صاحب کا رشتہ لگتے وقت امام صاحب سے پوچھا جائے کہ آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟ تو سر اٹھا کر بولے نہ کہ سر جھکا کر۔

دوسری بات یہ بھی ذہن میں رہیں کہ اپنے ماتحتوں کی اچھی اور عمدہ تنخواہ ہونے کی وجہ

سے اس میں کمیٹی والوں کی عزت ہے لوگ آپ کو مثال آئیڈیل وبطور نمونہ پیش کریں گے۔

مسجد کی رونق سے زیادہ مسجد کی روح پر خرچ کریں

مسجدیں نقش ونگار کا نمونہ ہوتی جارہی ہیں، ٹائلس، ماربل، اے۔سی کولر، گیزر اور طرح طرح کی سہولیات بہم پہونچانے کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاسکتا ہے، ہر سال رمضان کی مناسبت سے مسجد کو دلہن بنایا جاتا ہے، مسجد کی چھت پر چھت ڈالی جاتی ہے، مگر ائمہ کی تنخواہ کو معیاری نہیں بنایا جاتا، ائمہ کرام کا صبر وتوکل دیکھنا ہو تو ذرا ایک مہینہ اپنی تنخواہ کو امام صاحب کی تنخواہ سے بدل کر دیکھیں، ایک ماہ پابندی سے ایک ہی مسجد میں اور ایک ہی جگہ نماز ادا کرنے کا مجاہدہ کر کے دیکھیں، اندازہ ہوگا کہ یہ کس قدر مجاہدہ کر رہے ہیں۔

مساجد میں امامت کرنے والے اکثر علماء اپنا گھر بار چھوڑ کر آتے ہیں، اپنی فیملی کے علاوہ ماں، باپ، بھائی بہن کی ذمہ داریاں بھی ان پر ہوتی ہیں، امامت کا کام بھی ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے مشقت طلب ہے، ڈیوٹی کی حیثیت سے بھی دیکھیں تو یہ ایک (full time job) ہے، کسی کوتاہی کی بھی گنجائش نہیں، خدام دین کی خدمت بھی معیاری ہو، تو بیس پچیس ہزار کا (amount) بھی کم ہی لگے گا۔

نوافل کے ساتھ فرائض پر توجہ ضروری ہے

مسجد کی رونق تعمیر سے نہیں؛ بلکہ نماز اور نمازیوں سے ہے، مسجد کی تعمیر سے زیادہ مسجد کو نمازیوں سے آباد کرنے کی ضرورت ہے، جب مسجدیں ناپختہ تھیں تو نمازی پکے تھے، اب مسجدیں پختہ ہیں، رنگ وروغن سے مزین ہیں؛ لیکن نمازیوں سے خالی ہیں۔

ادائیگی نماز فرض ہے، تزئینِ مسجد نفل ہے، فرائض سے غافل ہو کر صرف نوافل کی کثرت یا نوافل میں انہماک کسی کی نجات کے لیے کافی نہیں، یہ نوافل تو رنگ وروغن کے مماثل ہیں، اور فرائض دیوار کی طرح ہیں، جب دیوار ہی نہ ہو تو رنگ وروغن کس پر؟ جو فرائض پر مداومت

کرے گا وہ نوافل کو بھی صحیح ڈھنگ سے انجام دینے کی کوشش کرے گا، جو فرائض ہی سے غافل ہو وہ نوافل میں بدرجۂ اولیٰ کوتاہ ہوگا۔

مسجد کی زینت سے زیادہ مساجد کی ضرورت پر توجہ دیں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ: آج بھی ملک میں ہزاروں ایسے دیہات ہیں، جہاں مسجدیں نہیں ہیں، جنوبی ہند میں بعض مقامات پر دین سے بے خبر مسلمان مرد اور عورتیں، مندروں اور چرچوں میں جا کر اپنے مذہبی جذبات کی تسکین کرتے ہیں، یہ طرز عمل ارتداد کی طرف لے جاتا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ شہروں میں کروڑوں روپے خرچ کرکے مسجد تعمیر کرنے کے بجائے دیہاتوں میں وہاں کی آبادی کے اعتبار سے چھوٹی چھوٹی مسجدیں تعمیر کی جائیں، اور جو پیسہ خوبصورت اور بلند و بالا تعمیرات سے اجتناب کرنے کی وجہ سے بچ گیا ہے، اس سے وہاں امام کا انتظام کردیں، جو اذان بھی دے، نماز بھی پڑھائے، اور چھوٹے بچوں کو بنیادی تعلیم بھی دے، دیہاتوں میں صرف مسجد تعمیر کردینا کافی نہیں ہے؛ کیوں کہ وہاں ایسے لوگ نہیں ہوتے ہیں جو نماز پڑھا سکیں، اور ایسی مالی گنجائش نہیں ہوتی کہ امام کا انتظام کرسکیں، چنانچہ تلنگانہ کے بعض اہل خیر تاجروں نے وسیع پیمانے پر چھوٹی چھوٹی مسجدوں کی تعمیر کا انتظام کیا لیکن امام کا انتظام نہیں کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ مسجدیں مقفل ہوگئیں، اور بعض میں قادیانی حضرات نے اپنا امام مقرر کردیا اور جو مسجد مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ کیلئے بنائی گئی تھی، وہی کفر و ارتداد کا مرکز بن گئی؛ اس لیے مسجد کی تعمیر اور امام کا انتظام دونوں ضروری ہے۔(۱)

ایک ناقابل تلافی نقصان

بے احترامی اور کم تنخواہ کی وجہ سے ایک منفی صورتِ حال یہ پیدا ہو رہی کہ عوام تو دور خود

(۱) شمع فروزاں، 03.06.2022

ائمہ کرام اپنی اولاد کو دینی تعلیم کے بجائے کسی ہنر اور دنیوی تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں کئی مساجد کے ائمہ کرام اپنے بچوں کو بقدر ضرورت دینی تعلیم دے کر عصری تعلیم یا فنی و ٹیکنیکی تعلیم میں مشغول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، کیونکہ اپنی تکلیف وہ اپنی اولاد کو دینا نہیں چاہتے، امامت دینی خدمت کے بجائے غلامی کی علامت بنتی جا رہی ہے، یہ اور بات ہے کہ تاقیامت یہ حضرات خدمتِ دین کو سینہ سے لگائے رہیں گے مگر خدانخواستہ اگر یہ رجحان زور پکڑتا چلا گیا تو ہماری مسجدوں کے لئے مناسب امام کا ملنا مشکل ہو جائے گا، جاہلوں کی امامت ہوگی، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

معاشرے کو جس طرح اچھے وکلاء، انجینیروں، ڈاکٹروں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق تعلیم یافتہ افراد کی ضرورت ہے اسی طرح علماء، حفاظ، قراء اور مفتیان کرام کی معتد بہ تعداد بھی نہایت ضروری ہے درحقیقت یہی لوگ اسلامی تہذیب وثقافت کے محافظ ہیں۔

تنخواہ کی کمی سے خاندان بکھر جاتا ہے

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: نوجوان فضلاء میں شدت سے معاشی محرومی کا احساس پایا جاتا ہے، اس احساس کو کئی باتیں بڑھاتی ہیں، سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ آج سے چالیس پچاس سال پہلے پرائیویٹ ملازمتوں اور گورنمنٹ ملازمتوں کی تنخواہیں بھی کچھ بہت زیادہ نہیں تھیں، اب چوں کہ ہندوستان افرادی وسائل کے اعتبار سے چین کے بعد دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے؛ اس لئے ترقی یافتہ ممالک کی کمپنیاں اپنا کاروبار یا کاروبار کے انتظامی اور تجارتی دفاتر ہندوستان میں قائم کر رہے ہیں، ان کمپنیوں میں کام کرنے والے نوجوانوں کو ہندوستان کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی تنخواہیں ملتی ہیں؛ لیکن وہ تنخواہیں ان کے ملکوں کے لحاظ سے بہت کم ہوتی ہیں، اب اگر ایک ماں باپ کے پانچ بچے ہیں، چار عصری تعلیم کے میدان میں ہیں اور وہ مختلف کمپنیوں میں خدمت انجام دے کر اونچی تنخواہیں حاصل کرتے ہیں، اور ایک بھائی کسی مسجد میں امامت کرتا ہے یا کسی مدرسہ

میں پڑھاتا ہے اور اس کی تنخواہ اپنے دوسرے بھائیوں کے مقابلہ مشکل سے دس بیس فیصد ہوتی ہے تو ایک ہی گھر میں دوسرے بھائیوں اور ان کے بال بچوں کا جو دنیوی معیار ہے، وہ اس بھائی سے بہت اونچا ہے، اگر مدرسہ سے پڑھا ہوا ایک فاضل قرآن وحدیث کی برکت سے اپنی خواہش پر قابو پا بھی لے اور اپنے آپ کو قناعت پر آمادہ کر لے تب بھی یہ بہت مشکل ہے کہ اس کے بیوی اور بچے بھی اس پر راضی ہو جائیں، اور ایک طرح کی کشمکش پیدا ہو جاتی ہے، ان فضلاء کو بعض دفعہ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ انھوں نے دینی تعلیم کے میدان میں آ کر غلطی کی ہے، نعوذ باللہ۔

ابنِ طولون رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

مصر کے فرماں رَوا ابن طولون کی عادت میں شامل تھا کہ اپنے ائمہ کرام کی خبر گیری کرنا، ایک دن (قرأت سن کر گھر لوٹے تو) اپنے مصاحب سے کہنے لگے: یہ دینار لے جاؤ اور فلاں مسجد کے امام صاحب کو دے آؤ! مصاحب کہتا ہے: میں دینار لے کر امام صاحب کے ہاں پہنچا، تو ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ امام صاحب میرے ساتھ گھل مِل گئے اور اپنے دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے: "میری بیوی کے ہاں ولادت ہونے والی ہے، لیکن میرے پاس اتنی رقم بھی نہیں کہ اُس کے لیے ضروری سامان لاسکوں، اسی پریشانی میں آج نماز پڑھاتے وقت بھی کئی غلطیاں ہوگئیں۔" مصاحب کہتا ہے میں نے آ کر ابن طولون کو ساری بات بتائی، تو کہنے لگے: امام صاحب نے سچ کہا؛ میں آج ان کی قرات سننے کے لیے ٹھہرا تو وہ بہت غلطیاں کر رہے تھے، میں نے سمجھ لیا ان کا دل کسی اور طرف مشغول ہے، اسی لیے رقم بھجوائی۔(۱)

(۱) کتاب الأذکیاء، لابن جوزی، الباب الحادی عشر: ۵۷، ط دار الفکر بیروت

مامون رشید کا واقعہ

ہارون الرشید نے مامون (۱) کو قرآن پاک پڑھانے کے لئے تین استاذ کسائی، نحوی اور یزیدی مقرر کئے، یہ تینوں اسلامی تاریخ کے بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں، استاد کسائی اپنے شاگرد مامون سے سبق سن رہے تھے، وہ سورۂ صف کی ایک آیت تلاوت کر رہا تھا "یَا اَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ" جس کا مطلب ہے "اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں" یہ آیت سنتے ہوئے اچانک استاد کی نظر شاگرد کی طرف اٹھ گئی، استاد کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو شاگرد نے آیت دہرائی لیکن وہ جانتا تھا کہ اس نے درست پڑھی ہے، تھوڑی دیر بعد استاد چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد وہ خاصی دیر تک سوچتا رہا کہ استاد نے اس کی طرف کیوں دیکھا؟

استاد کسائی کا طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ وہ شاگرد کو پڑھنے کو کہتے اور خود سر جھکا کر سبق سنتے رہتے، جب شاگرد پڑھنے میں غلطی کرتا تو استاد کی نظر اٹھ جاتی، یہ دیکھ کر وہ اپنی اصلاح کر لیتا۔

استاذ کے جانے کے بعد شاگرد اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا، کیا آپ جانتے ہیں وہ کون تھا؟ شہزادہ مامون الرشید جو اپنے والد عباسی خلیفہ ہارون رشید کی خدمت میں

(۱) بنو امیہ کے بعد مسلمانوں کی قیادت بنی عباس کی ہاتھ آئی، ان کا سلسلہ نسب حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے جو حضرت عبد المطلب کے صاحبزادے تھے، ان کی اولاد میں سے ایک خلیفہ مہدی گزرے ہیں، انہوں نے مرنے سے پہلے وصیت کی کہ ان کی موت کے بعد بڑا بیٹا ابو محمد موسیٰ الہادی نظام خلافت سنبھالے اور اس کے بعد دوسرا بیٹا ہارون الرشید۔ لیکن ہادی اپنے بعد ہارون الرشید کو خلافت نہیں دینا چاہتا تھا، اس نے بدنیتی سے بھائی کو خلافت سے محروم کرنا چاہا، ہارون رشید خانہ جنگی سے بچنا چاہتا تھا، ممکن ہے اس کا بھائی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا لیکن موت نے اسے آن دبوچا۔ یہ ربیع الاول ۱۷۰ھ کی ایک رات کا ذکر ہے جب ہادی نے وفات پائی، اس وقت ہارون الرشید گہری نیند سو رہا تھا، وزیر اعظم یحییٰ نے اسے جگا کر خلیفہ بننے کی خوشخبری سنائی، ابھی وہ آپس میں گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ہارون الرشید کی خاص کنیز نے اسے دوسری خوشخبری سنائی کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ یہی وہ خوش نصیب شہزادہ ہے جو تاریخ میں مامون الرشید کے نام سے مشہور ہوا۔

حاضر ہوا۔شہزادہ نے عرض کی، ابان جان! کیا آپ نے استاذ کسائی کو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، اگر کیا تھا تو اسے پورا فرمائیے! ہاں! انہوں نے قاریوں کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کرنے کی درخواست کی تھی، کیا انہوں نے تم سے کچھ کہا؟ خلیفہ نے پوچھا، جی نہیں، جواب ملا۔ پھر تمہیں کس طرح پتا چلا؟ خلیفہ ہارون رشید نے حیران ہوکر دریافت کیا۔شہزادہ مامون نے تب آیت پڑھنے کا ماجرا بیان کیا، خلیفہ کم سن شہزادہ کی ذہانت پر حیران بھی ہوا اور خوش بھی، بات ہی ایسی تھی کیوں کہ اس وقت شہزادہ مامون کی عمر صرف پانچ برس تھی۔(۱)

کیا زمانہ تھا کہ قرآت سن کر اور ایک نظر سے حالات کا جائزہ ہوجاتا تھا آج یہ حالت ہوئی گئی ہے کہ کئی مرتبہ صاف الفاظ میں بولنے کے بعد بھی نظرانداز کردیا جاتا ہے۔

امام کے عیسائی بننے کا عبرتناک واقعہ

کئی سال قبل شہر حیدرآباد کے اطراف میں ایک دل دہلانے والا واقعہ رونما ہوا جس کو سن کر بدن پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے، وہاں نئی آبادی قائم ہوئی تھی ،جہاں کچھ گھر وہاں مسلمانوں کے تھے، نماز وغیرہ کی ادائیگی کے لئے ایک مسجد کسی نے تعمیر کرادی، اس مسجد کی صفائی ستھرائی اور اذان ونماز کے لئے ایک حافظ کی خدمت حاصل کی گئی، لیکن چونکہ وہاں مسلمانوں کی آبادی کم تھی اسلئے ان کی قلیل تنخواہ متعین کی گئی، اور رہنے کے لئے ایک کمرہ جو مسجد سے متصل تھا وہ انکو دیدیا گیا، کچھ ماہ گزرنے کے بعد وہ پریشان رہنے لگے، نماز وغیرہ سے فارغ ہوکر وہ مسجد کے باہر آکر بیٹھ جاتے اور مغموم حالت میں کچھ گہری فکر میں ڈوب جاتے ، کچھ دنوں تک تو کسی کو معلوم نہ ہوا لیکن اسی مسجد کے سامنے ایک عیسائی پادری کا گھر تھا، جہاں حافظ صاحب آکر روزانہ بیٹھتے تھے وہ پادری انھیں دیکھی دیکھتا تھا، وہ سمجھ گیا کہ" حافظ صاحب" کچھ زیادہ ٹینشن میں ہیں، اور کچھ بڑی پریشانی انھیں لاحق ہے، چنانچہ وہ حافظ صاحب

---

(۱) خطبات رحیمی: ۴ر ۱۰۳

کے پاس آیا اور وجہ پوچھنے لگا لیکن دو تین دنوں تک تو وہ پادری کے سوال کو ٹالتے رہے، لیکن ایک دن اپنی پریشانی ان کے سامنے ظاہر کردی، کہ میرے گھر میں فلاں فلاں پریشانی ہے میرے پاس ایک پیسہ تک نہیں ہیں، اور مسجد سے ایک دو مہینے سے تنخواہ بھی نہیں ملی، پادری نے ان سے پوچھا آپ کی تنخواہ کتنی ہے انھوں نے کہا ڈھائی ہزار، پادری تعجب کرنے لگا، کیا اس معمولی رقم میں آپ کا گذر بسر ہو جاتا ہے؟ پادری نے پوچھا، حافظ صاحب نے کوئی جواب نہ دیا، پادری نے پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا اگر ہمارے یہاں آپ ہوتے تو کم از کم آپ کی تنخواہ پچیس ہزار ہوتی، یہ سنکر وہ افسوس کرنے لگے، رفتہ رفتہ اس پادری سے انکے تعلقات بڑھتے گئے اور بالآخر یہ افسوس ناک واقعہ یہ پیش آیا کہ حافظ صاحب نعوذ باللہ مرتد ہو گئے، جب اس افسوسناک سانحے کی خبر ملی اور علماء کا ایک وفد وہاں پہونچا تو وہ اس جگہ سے غائب ہو چکے تھے، کافی جدو جہد کے بعد بھی انکا کوئی سراغ نہ مل سکا، اس واقعہ پر غور کیجئے اور سوچئے کہ آخر انھوں نے اتنا بڑا اقدم کیوں اٹھایا؟ کس چیز نے انھیں اسکے لئے مجبور کیا؟ اور کون ہے اسکا ذمہ دار؟ کتنی افسوسناک بات ہے، ذرا آپ بھی سوچئے کہ مجبوری اور تنگ دستی انسان کو کہاں تک لے جاتی ہے؟ عیسائی لوگ آج بھی اپنے مذہب کی خدمت اور نشر واشاعت پر اپنی کمائی کا ۴۰/ فیصد خرچ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انکے یہاں فنڈ ہوتا ہے اور جگہ جگہ انکی عبادت گاہیں بھی، اسکے علاوہ وہ اپنے مذہبی لوگوں کو لاکھوں روپے سیلری بھی دیتے ہیں، کیا ہم بھی ایسا کرتے ہیں؟

ان کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ لوگ پوری دنیا میں اسوقت خدمت خلق کو اپنا مشن بنائے ہوئے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہمارے مذہبی خدام معاشی مسئلے سے بے فکر ہو کر دین و مذہب کی اشاعت کا فریضہ یکسوئی کے ساتھ انجام دیتے۔(۱)

---

(۱) بحوالہ: اردو لیکس، جولائی 9, 2020

مولانا خلیل الرحمن سجاد صاحب نعمانی مدظلہ کی زبانی واقعہ

مولانا خلیل الرحمن سجاد صاحب نعمانی دامت برکاتہم ایک جلسۂ عام میں ائمہ کی ناقدری کی سلسلہ میں بیان فرماتے ہوئے کہا کہ : ایک صاحب ثروت وحیثیت جس کو اللہ نے بہت مال عطا کیا ہے، اور وہ اپنی بیٹی کی شادی کے لئے سولہ (۱۶) کڑوڑ روپے خرچ کئے تھے، اپنی ہی فکیٹری کے اندر ایک مسجد بنائی تھی، اس امام صاحب کی بیوی کی طبیعت خراب ہوئی وہ امام صاحب اپنے سیٹ صاحب سے ہفتہ دس دن کی چھٹی لیکر اپنی بیوی کی دیکھ بھال کیلئے گاؤں چلے گئے، بیوی کی طبیعت زیادہ خراب تھی، ان کو آنے میں دو چار دن دیر ہوگئی، اس کے بعد جب امام واپس آئے، انہی سیٹ صاحب سے جنہوں نے اپنی بیٹی کی شادی پر سولہ کڑوڑ روپے خرچ کئے تھے، امام صاحب کی تنخواہ میں سے چار ہزار روپئے کاٹ لیے۔

حضرت آگے فرماتے ہیں کہ کیا یہ اسلام ہے کیا ایسے شخص کو کامل مسلمان کہنا جائز ہے؟

امامت چھوڑ کر آٹو چلانا

مساجد مذہب وملت کے ایسے عظیم الشان قلعے ہیں جن کے ذریعے ہمیشہ اسلام اور مسلمان دونوں کی حفاظت کی جاتی رہی ہے اور ان قلعوں کی پاسبانی کرنے والے ہمیشہ یہی علماء وحفاظ رہے ہیں لیکن مساجد ومدارس کے ذمہ دران کی اپنے ساتھ غلط رویوں کی وجہ سے آج مدارس سے فارغ التحصیل باصلاحیت ان کے لڑکے مساجد ومدارس میں خدمات انجام دینے کے بجائے کالج اور یونیورسٹیوں، فیس بک، جن پیک، کارخ کرنے لگے ہیں، بعض تو امامت چھوڑ کر آٹو چلانے لگے، بعض دودھ فروخت کرنے لگے، بعض کھیت کھلیان سنبھال لئے، ڈاکٹر، وکیل، پولس، جج، وغیرہ اپنا منصب چھوڑ کر دودھ بیچنے لگے تو کیسے لگے گا؟ اس سے ہزار گنا نقصان ہے ان حضرات کا دینی میدان چھوڑ دینا، یہاں تک کہ اب علماء کرام کی ایک بڑی تعداد معاشی پریشانیوں سے تنگ آ کر اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے

کے بجائے عصری تعلیم دلا رہی ہے کہ جس طرح سے ہم تمام عمر معاشی تنگی کا شکار رہے ہیں، ویسے کم از کم ہمارے بچے نہ ہوں۔

حضرت مولانا ابوعمار زاہد صاحب لکھتے ہیں ''دیندار اور باشعور سمجھے جانے والے مسلمان بھی امامت بالخصوص مؤذنی اور مکاتب کی مدرسی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بعض مساجد و مدارس کے ذمہ داران مختلف طریقوں سے ان حضرات کو ہراساں کرتے رہتے ہیں، چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر سخت رویہ اختیار کیا جاتا ہے، خصوصاً مؤذنین کو بالکل بھی خاطر میں نہیں لایا جاتا، بلاشبہ ان سے غلطیاں وکوتاہیاں بھی ہوتی ہوں گی، لیکن ایسے وقت میں ان کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے انھیں تنہائی میں تنبیہ کی جائے، لوگوں کے سامنے ان سے سخت کلامی کرنا بالکل بھی جائز نہیں ہے، ذمہ داران کے علاوہ بعض مصلیان بھی مؤذنین سے الجھ جاتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جن کی گھر میں نہیں چلتی وہ مسجد میں آ کر اپنی چلاتے ہیں، چنانچہ یہ سب دیکھنے کے بعد ایک عام مسلمان، امام بالخصوص مؤذن اور مکتب کا مدرس بننے کی حسرت اور خواہش کو دل میں ہی دبا دیتا ہے۔ اور دیگر دنیاوی مشاغل کے ذریعے اپنی روزی روٹی کا انتظام کرتا ہے''۔

یہ عمل خود ہماری بدبختی اور اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اور اس سے خود ہمیں ہی دنیا اور آخرت کا خسارہ ہوگا۔

تنگدستی سے تنگ آ کر مسجد کے امام صاحب کی خودکشی کا واقعہ

۲۰/ اکتوبر ۲۰۲۳ء کا یہ واقعہ ہے کہ ضلع'' پھپھوند تھانہ'' کانپور علاقے میں ''رسول آباد'' تھانے کے ''اسری'' گاؤں کی مسجد کے کمرے میں جمعہ کے روز ایک اما صاحب ''ذیشان رضا'' نے پنکھے سے لٹک کر خودکشی کر لی، نماز پڑھنے گئے لوگوں کی اطلاع پر پولس پہنچی، لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجدیا، جب معاملے کی تفتیش ہوئی تو پتہ چلا کہ تنگدستی نے زندگی تنگ کر رکھی تھی، پنج وقتہ امامت کے انہیں صرف پانچ ہزار روپیہ تنخواہ دی جاتی تھی،

مسجد کے کمرے میں گذارہ کرلینا اور تین وقت کا کھانا اسی پانچ ہزار میں ہی خود بنوالینا تھا، ظاہر ہے ۲۰۲۳ء میں اس قدر مہنگائی جہاں دودھ سوروپیہ کا ہو، گیس گیارہ سو کا ہو، اپنا گذارہ، گھر کی ذمہ داریاں کیسے پوری کی جائیں۔ انکا یہ عمل شرعاً درست نہیں تھا مگر کمیٹی کی یہ حرکت کس قدر ظالمانہ ہے ہر انسانیت پسند شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

مکتب پڑھانے والوں کا استحصال

مکاتب پڑھانے والے مدرسین کہیں دیڑھ گھنٹہ تو کہیں (جیسے گجرات، مہاراشٹر، کرناٹک) پانچ گھنٹہ پڑھاتے ہیں، مگر مدرسین کی تنخواہیں عموماً تین ہزار تا پانچ ہزار دی جاتی ہے، حیرت کی انتہاء تب ہوتی ہے جب آپ دینی مکاتب و مدارس میں خدمات انجام دینے والی معلمات یہاں تک کہ فقہ اور حدیث شریف تفسیر قرآن کریم کا درس دینے والی جید عالمات کی تنخواہوں کے متعلق معلومات حاصل کریں گے، پانچ سے سات گھنٹہ تعلیم دینے والی ان معلمات کی تنخواہیں ماہانہ پانچ سے سات ہزار کے درمیان ہیں۔ آپ خود موازنہ کرلیں کہ ایک مزدور بھی ماہانہ کم از کم کتنا کما لیتا ہے، اور دین کی حفاظت اور اس کی ترویج و اشاعت اور امت کی آخرت سنوارنے کی کوشش میں اپنی زندگی جھونک دینے والے اس مقدس طبقہ کے ساتھ امت کا کیا سلوک ہے؟ کہیں تو مکتب کو مسجد کا حصہ ہی نہیں سمجھا جاتا ہے، کہیں امامت میں ہی مکتب کو شامل کرلیا جاتا ہے۔

مؤذنین کا استحصال

ایک ایسے وقت جب مہنگائی آسمان کو چھو رہی ہے، کیا کوئی تصور کرسکتا ہے کہ تین چار ہزار یا پانچ ہزار کی تنخواہ میں کوئی تین وقت کا کھانا آسودگی سے کھا سکتا ہے؟ اپنے بچوں کو اس قلیل تنخواہ میں اچھے خانگی اسکول میں داخلہ دلاسکتا ہے؟ یا کسی ناگہانی بیماری کے موقع پر اطمینان بخش علاج کروا سکتا ہے؟ اتنی کم تنخواہ میں سکون کی زندگی گذارنا ممکن نہیں لیکن

ہمارے لئے یہ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے مسلم معاشرے کا وہ معزز طبقہ جو تمام دینی معاملوں میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔اس معزز طبقے کے ساتھ ایسی ہی ناانصافی ہورہی ہے۔ایک مسجد کے مؤذن صاحب نے بتایا کہ وہ پچھلے ۶/سال سے ایک مسجد میں مؤذن کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔آج ہماری ۵/ہزار تنخواہ ہے۔ہر سال رمضان میں پانچ سو کا اضافہ کیا جاتا ہے۔مجھے تین لڑکے اور دو لڑکیاں، یہ تمام خانگی اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں۔یہ تنخواہ میرے لئے ناکافی ہے۔ہر ماہ کی آخری تاریخوں میں کچھ نہ کچھ قرض لینا پڑتا ہے۔انہوں نے کہا کہ اس کا ذمہ دار وہ صرف مسجد کمیٹی کو بھی نہیں سمجھتے کیونکہ میں ہر مہینہ کے شروع میں محلہ کے گھر گھر جا کر چندہ وصول کرتا ہوں جہاں انہیں دس، بیس، کوئی تیس، روپئے دیتے ہیں۔پورے محلہ میں صرف چند افراد ہی ایسے ہیں جو ۱۰۰/روپئے دیتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ امام صاحب کی تنخواہ ۵۵۰۰/روپئے ہے۔

ایک مسجد کے مؤذن کے ساتھ سلوک

ایک بڑے شہر کی ایک مسجد کے دو مؤذن تھے، پرانے مؤذن صاحب رخصت ہو گے ان کی ذمہ داری دوسرے مؤذن کو دی گئی، مہینہ گذرنے کے بعد ان کی اضافی خدمات پر مؤذن صاحب نے اضافی تنخواہ مانگا تو کمیٹی نے صاف انکار کردیا کہ ہمارے پاس بجٹ نہیں ہے، رہنا ہے تو رہیں ورنہ آپ بھی چلے جائیں، جبکہ ان مؤذن صاحب کی تنخواہ گیارہ ہزار تھی اور یہ مؤذن صاحب اس میں دو ہزار کا ہی مطالبہ کررہے تھے اپنی اضافی خدمت پر، جب کمیٹی گیارہ ہزار دے رہی تھی تو انکے بدل خدمت کرنے والے کو دو ہزار دینا مشکل ہے؟ مزید برآں بجٹ نہ ہونے کی شکایت کرتے ہوئے فی الفور اسی عرفی مسجد کے ایک مشرقی حصہ میں ہاسٹیل کی تعمیر کے لئے پانچ لاکھ قرض لے کر غیر ضروری مرمت شروع کرنے لگے، کیا یہ ظلم نہیں ہے؟

اسی مسجد کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب نے مسجد کے خادمین کے لئے عرفی مسجد میں دو

چھوٹے فلیٹ بنوا کر دئے کہ اس میں خادمین کو رکھا جائے اور بلا معاوضہ رکھا جائے، مگر تعمیر ہونے کے بعد کمیٹی خادمین سے چار ہزار روپیہ کرایہ وصول کرنے لگی، جبکہ فلیٹ کی تعمیر بھی ناقص رہی، کہ بارش میں فلیٹ کا اکثر حصہ متاثر ہوجاتا ہے، اور پانی گھر میں اچھا خاصہ آجاتا ہے، اور تنخواہ خادم کی دس ہزار سات سو روپیہ جبکہ یہ خادم تیرہ سال سے خدمت انجام دے رہا ہے، جب دس ہزار سات سو میں سے چار ہزار کرایہ وصل کرلیا جائے گا تو بقیہ تنخواہ میں شہر کی زندگی کس قدر دشوار ہوجاتی ہے۔

شہر کی ایک مسجد کے صدر صاحب مسجد کا پانی اپنے گھر کے لئے خادم سے بھجوانے لگے دوسرے خادم نے منع کیا کہ پہلے مسجد کے لئے پانی بھرو، اس کے بعد تمھاری مرضی، صدر صاحب کو مؤذن صاحب کا منع کرنا پتہ چلا تو بلوا کر ہاتھ چلانا شروع کر دئے، مؤذن بھی برابر کا تھا، وہ بھی صدر پہ ہاتھ صاف کر دیا، اخراج کی دھمکی دینے لگے، مؤذن نے کہا پورے محلہ بلکہ میڈیا کو جمع کر دوں گا، کس کی غلطی ہے سب کے سامنے عام کروں گا، تب صدر صاحب کی عقل ٹھکانے آئی جبکہ عزت نکل چکی تھی۔

کمیٹوں کی غلط فہمی

خطیر رقم مسجد و مدرسے میں سلک ہونے اور آمدنی کے متعدد ذرائع ہونے کے باوجود قلیل تنخوا ہیں دی جارہی ہیں، بعض ذمہ داران اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ تنخواہ کم دے کر ہم مسجد کا پیسہ بچارہے ہیں، نہیں! بلکہ ہم قوم کے بہترین طبقہ کا استحصال کررہے ہیں، مسجد کا پیسہ نہیں بچارہے ہیں، بلکہ اپنے لیے آخرت کی مصیبت مول لے رہے ہیں، ان حضرات کو اپنی حماقت سے نکلنے کی ضرورت ہے۔ مسجد کے مصلی یا چندہ دہندگان جب مسجد کو چندہ دیتے ہیں تو مسجد کے اخراجات میں سر فہرست امام ومؤذن کی تنخواہ ہی شامل ہوتی ہے کہ امام مؤذن کی تنخواہ بہتر سے بہتر ہو، کمیٹیوں کا لوگوں کے چندے پر ناگ بن کر بیٹھ جانا قوم کو عالم و حافظ بننے سے روک دینے کے مترادف ہے۔

امامت کے ساتھ دیگر ذمہ داریاں

بعض مساجد میں امامت کے ساتھ مسجد میں جھاڑو دینا، نالیاں صاف کرنا، اذان دینا، لائٹ، فین، پانی، وغیرہ سب کام کر لینا ہوتا ہے، اور تنخواہ صرف امامت یعنی نماز پڑھانے کی دی جاتی ہے، اتنا بھی نہیں سوچا جاتا کہ امام سے چپراسی اور بھنگی کا کام کیسے کروائیں؟ اور اتنے سارے کام کو امامت کا جزء کیسے بنائیں؟ اتنے سارے کاموں کی تنخواہ نامعقول کیسے رکھیں؟ کیا ہم اتنے بے حس ہو گئے کہ نالیاں صاف کرنے والا ہماری امامت کرے گا؟ یا اتنے ذلیل ہو گئے کہ امام سے نالیاں صاف کروائیں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: کل قیامت میں تین لوگوں کے خلاف دعوی کروں گا، ان میں سے ایک اس شخص کے خلاف بھی دعوی ہوگا جو مزدور سے پورا کام لے مگر مزدوری پوری نہ دے"(صحیح بخاری) مزدوری پوری نہ دینے میں یہ بھی شامل ہے کہ جس کام کی جتنی مزدوری ہے اتنی نہ دے بلکہ کام زیادہ لے اور مزدوری کم دے، اس حدیث کی روشنی میں امام کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس کا خون چوسنے کا وبال بھی واضح ہو گیا۔

یاد رکھیں! صرف امامت کی تنخواہ دے کر امام پر اذاں کی ذمہ داری، جھاڑو دینے کی ذمہ داری، نالیاں صاف کرنے کام وغیرہ لینا جہاں شدید ظلم ہے وہیں منصبِ امامت کی توہین ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حاملین قرآن کی تعظیم کرو، جس نے ان کی تعظیم کی در حقیقت اس نے میری تعظیم کی۔(۱)

کل قیامت میں آج کی کمیٹیوں سے سوال ہوگا

حضرت مولانا زاہدالراشدی صاحب مدظلہ فرزند حضرت مولانا صفدر صاحبؒ لکھتے ہیں "کل قیامت کے دن یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ مسجد میں ماربل، اے سی، بہترین قالین

---

(۱) الجامع الصغیر،: ۱/ ۴۵

اور عمدہ جھاڑ فانوس وغیرہ لگائے تھے یا نہیں؟ لیکن اگر اتنی کم تنخواہ دی جس سے روزمرہ کی عام ضروریات زندگی بھی پوری نہ ہوسکیں تو یہ ان کی حق تلفی ہے جس کا حساب یقیناً اللہ کے ہاں دینا پڑے گا۔ مسجد و مدرسہ کی آمدنی کے سب سے زیادہ مستحق امام، مؤذن اور اساتذہ ہیں۔ یہ جتنے اچھے اور خوشحال رہیں گے مسجد اور مدرسوں کا نظام اتنا ہی اچھا چلے گا۔ صرف امام کی تنخواہ دے کر امام پر اذان کی بھی ذمہ داری ڈالنا اور جھاڑو وغیرہ دینے کے کام پر مامور کرنا یہ ان کی توہین ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حاملین قرآن (قرآن کا علم رکھنے والے) کی تعظیم کرو، بے شک جس نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی۔(۱)

تنخواہ اچھی دینا بھی ان کی عزت کرنے میں داخل ہے اور حدیث میں ہے کہ حاملین قرآن اسلام کا جھنڈا اٹھانے والے اور اس کو بڑھاوا دینے والے ہیں، جس نے ان کی تعظیم کی اس نے اللہ کی تعظیم کی اور جس نے ان کی توہین کی اس پر اللہ کی لعنت ہے(۲)

تنخواہ کم ہونے اور ضروریات زندگی زیادہ ہونے کی وجہ سے امام اور اساتذہ ہو کر وہ کسی مالدار صاحب خیر سے سوال کرنے کی جرأت کر بیٹھتے ہیں اور بعض دفعہ سوال پورا نہ ہونے کی صورت میں سخت ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔ ایسے حالات میں تنخواہ نہ بڑھا کر انہیں پریشانی میں ڈالنا بھی ایک طرح کی توہین ہی ہے۔ لہٰذا امام اور اساتذہ کی تنخواہیں ان کے گھر کے خرچہ کے مطابق موازنہ کر کے مہنگائی کے ساتھ ساتھ بڑھاتے رہنا چاہیے۔ سال پورا ہونے کا انتظار یا تنخواہ بڑھانے کے معاملہ میں تنگ دلی سے کام لینا یا دیگر نامناسب شرط وقید لگانا صحیح نہیں۔(۳)

---

(۱) الجامع الصغیر: ۱/ ۱۴

(۲) الجامع الصغیر: ۱/ ۱۴۲

(۳) مستفاد از فتاوی رحیمیہ قدیم: ۵۳۵/ ۴

امامت کی تنخواہ دلائل کی روشنی میں

آجکل بعض حضرات اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے امامت ومؤذنی اور تعلیم کی اجرت کو نا جائز کہتے ہیں حالانکہ یہ بات عقلا ونقلا بالکل نامعقول ہے۔

۱۔آپ ﷺ نے فرمایا ''کتاب اللہ پر اجرت لینا زیادہ حق بات ہے۔'' **إنَّ احق مَا أَخَذتُم عَليه أجْراً كتاب الله** '' (۱) صحیح حدیث سے جب اس کا جواز ثابت ہوتا ہے تو حدیث کے خلاف اپنی جہالت کو دخل نہ دے۔

۲۔آپ ﷺ کے زمانہ میں آپ ﷺ کے ساتھ غزوہ میں مجاہد بن کر شریک ہونے سے زیادہ ثواب کا عمل کیا ہے؟ مگر کیا مجاہدین کو مالِ غنیمت نہیں دیا جاتا تھا، کیا مجاہدین کا مالِ غنیمت لینا جہاد کے ثواب کے خلاف ہے؟ تو امامت کے ساتھ تنخواہ کیوں نہیں ہوسکتی؟ اور امامت کے ساتھ تنخواہ لینا ثواب کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے؟

۳۔عہدِنبوی ﷺ میں زکوۃ وصول کرنے کے لئے عامل ہوتا تھا، جو خالص دینی کام ہے، زکوۃ فرض ہے، اور اس کی فرض کی ادائیگی میں معاون عامل ہوتا ہے، جس طرح نماز فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی میں امام معاون ہوتا ہے، مگر اس عامل کو بھی تنخواہ دی جاتی تھی، عاملینِ زکوۃ کو مشاہرہ دینا ثواب کے خلاف نہیں ہے۔ **''العامل على الصدقة بالحق كالغازى فى سبيل الله حتى يرجع الى بيته''** (۲) جب یہ جائز ہے تو امامت پر تنخواہ کیوں جائز نہیں؟

۴۔حضرات خلفائے راشدین سوائے حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنھم) کے سب نے خلافت پر تنخواہیں لیں مگر ثواب کسی کا کم نہیں ہوا، اور نہ ہی کوئی منع کیا، نہ ہی آج کی طرح کوڑمغز پائے جاتے تھے، اگر تنخواہ لینا ناجائز ہوتا تو کیوں لی گئی؟

---

(۱) صحیح البخاری: ۱/ ۳۰۴

(۲) سنن أبی داؤد، ۲: ۵۹/

۵۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ سعادت میں مؤذن اور ائمہ مساجد کے وظیفے مقرر کر دیے تھے تاکہ فکر معاش سے فارغ ہو کر اپنے فرائض سرانجام دے سکیں۔علامہ شبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ہر شہر وقصبہ میں امام ومؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہ مقرر کیں۔امام ابن جوزی سیرۃ العمر میں لکھتے ہیں:

أن عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان كَانَا يَرْزُقَان المُؤذنين والائمة۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور میں معلمین کی تنخواہیں مقرر کی تھیں۔

"ثلاثة كانوابالمدينة يعلمون الصبيان وكان عمربن الخطاب يرزق كل واحد منهم خمسة عشر درهما كل شهر"(۲)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے لوگوں کے مرتبے کے مطابق اور قرآن پڑھنے پر وظیفہ مقرر کیا۔

"ثم فرض للناس على منازلهم وقراتهم القرآن"الخ۔(۳)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ملتا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح مؤذنوں، اماموں اور معلموں کے وظائف مقرر کئے۔(۴)

حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے اس فیصلے سے ثابت ہوا کہ مؤذن اور امام کی تنخواہ مقرر لینا بھی جائز ہے۔چونکہ ان کا یہ عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں رواج پا چکا تھا اور کسی صحابہ نے ان کے اس فیصلہ پر اعتراض بھی نہیں کیا۔لہٰذا ثابت ہوا کہ

(۱)الفاروق: ص ۲۷۴

(۲)کنز العمال،حدیث: ۹۱۷۸

(۳)فتوح البلدان:۴۳۸

(۴)سیرۃ العمرین،بحوالہ خیر القرون کی درسگاہیں:۴۳

اس پر صحابہ کا اجماع سکوتی ہو چکا ہے۔ جو تنخواہ تعین کرنے کے جواز کی قوی دلیل ہے۔کیا صحابہ کرامؓ کے ان وظائف لینے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین سے دلیل ِجواز طلب کریں گے؟ بلاشبہ نہیں تھی، یاان حضرات کے وظیفہ کو ناجائز کہہ دیں گے؟ بلاشبہ نہیں! پھر اس مسئلے میں صحابہ کرامؓ کے عمل کو دلیل بنا کر اگر آج وظائف لئے جاتے ہوں تو اسے ناجائز کہنا دیانت داری ہے؟ یا امت کو ایک نئے فتنے میں مبتلا کرنا ہے، اور بڑی مکاری اور سازش سے دشمن کا آلہَ کار بن کر عوام کو ائمہ سے بدظن کرنا ہے؟ خواہ کچھ بھی ہو ایسا کہنے یا لکھنے والے کو خطرناک وبال کا سامنا کرنے تیار ہونا چاہئے، اور اپنی آنکھوں سے اپنی بربادی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

اسلاف کے زمانے میں تنخواہ کا نظام

فقہ حنفی کی رو سے دینی خدمت پر اجرت درست نہیں، اکابر فقہاء احناف نے یہی مسئلہ لکھا ہے، یہ اس دور کی بات ہے جب علماء کی کفالت بیت المال سے ہوتی تھی، جب اسلامی نظام ِحکومت کے ساتھ بیت المال کا نظم ختم ہوگیا، تو متاخرین فقہاء احناف نے دینی خدمت پر اجرت کو درست قرار دیا، اور اب بھی یہی مسئلہ معمول بہا ہے۔

☆ حضرت عطاءؒ سے مروی ہے کہ تین اساتذہَ کرام مدینہ منورہ میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان میں سے ہر ایک کو ہر مہینہ پندرہ درہم عطا کرتے تھے،(۱)

☆ علامہ نوویؒ نے خطیبؒ کی بات نقل کرتے ہوئے اجرت کی مقدار ذکر کی ہے :
امام پر یہ بات لازم ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو فقہ وفتاویٰ کے لیے فارغ کرے، اس کے لیے اتنی اجرت مقرر کرے جو اُسے دیگر پیشوں کے اختیار کرنے سے بے نیاز کردے، اور یہ

(۱) تاریخ دمشق: ۲۴ / ۳۵، شاملہ

بیت المال سے مقرر کرے، پھر حضرت عمرؓ کا معمول نقل کیا کہ جو شخص فتویٰ دینے کا اہل ہوا کرتا تھا، اسے سال بھر میں سو دینار حضرت عمرؓ عطا فرماتے تھے۔(۱)

☆ ۱۵ھ میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابرِ صحابہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کے لیے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر کیے گئے۔(۲)

☆ حضرت عمرؓ کے پاس خرچ کے لیے باضابطہ ایک فہرست تھی، جس میں ان کے علم وفضل کا کیا جاتا تھا، اگر کوئی بدری صحابی ہوتو ان کا وظیفہ زیادہ ہوتا تھا، ان کے مقابلے میں جو بعد کے مسلمان ہیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اہلِ بیت کے افراد کو زیادہ نفقہ عطا کیا تو صاحب زادہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اعتراض ہوا۔(الفاروق)

☆ جامع صغیر میں منقول ہے : کتاب اللہ کے حامل کو بیت المال سے ہر سال دو سو دینار دیے جائیں گے۔(۳)

☆ علامہ مناویؒ نے اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اگر یہ مقدار اس کے خرچ کے لیے کافی ہو تو ورنہ اگر کم ہو جائے تو اس مقدار میں اضافہ کیا جائے گا۔(۴)

☆ ایک دینار عموماً ایک مثقال سونے کا ہوتا تھا۔(۵)

☆ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب لوگوں کو ایک دن کا نفقہ ملتا تھا تو اس کی مقدار یہ ہوتی کہ ہر آدمی کو نصف بکرا دیا جاتا، یہ ابتدائی دور کی چند جھلکیاں تھیں، جس میں خدام دین کی ہمت افزائی کا سلسلہ تھا اور خدام دین کی اتنی رعایت کی جاتی کہ وہ مکمل توجہ کے ساتھ دینی

(۱) مقدمہ رسم المفتی: ۱۵
(۲) الفاروق: ۲/ ۲۹۸
(۳) الجامع الصغیر: ۱/ ۳۳۶، شاملہ
(۴) تیسیر بشرح الجامع الصغیر: ۱/ ۹۹۹، شاملہ
(۵) رحیمیہ: ۹/ ۷۶، جدید

خدمت میں مشغول ومصروف رہیں ۔(۱)

فقہاءِ کرام کے فتاوی

☆ علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ رد المحتار میں اجرت لینے والے مؤذن کو اذان دینے کا ثواب ملنے یا نہ ملنے کی بحث میں فرماتے ہیں : یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر وہ (مؤذن) رضائے الٰہی کا قصد کرے لیکن اوقات کی پابندی اور اس کام میں مصروفیت کی بنا پر اپنے عیال کے لئے قدرِ کفایت روزی نہ کما سکے ۔ چنانچہ وہ اس لئے اجرت لے کہ روزی کمانے کی مصروفیت کہیں اسے اِس سعادتِ عظمیٰ سے محروم نہ کروادے اور اگر اسے مذکورہ مجبوری نہ ہوتی تو وہ اجرت نہ لیتا تو ایسا شخص بھی مؤذن کے لئے ذکر کردہ ثواب کا مستحق ہوگا بلکہ وہ دوعبادتوں کا جامع (جمع کرنے والا) ہوگا، ایک اذان دینا اور دوسری عیال کی کفالت کے لئے سعی کرنا، اور اعمال کا ثواب نیتوں کے مطابق ہوتا ہے ۔

" قد يقال إن كان قصده وجه الله تعالى لكنه بمراعاته للأوقات والاشتغال به يقل اكتسابه عما يكفيه لنفسه وعياله فيأخذ الأجرة لئلا ليمنعه الاكتساب عن إقامة هذه الوظيفة الشريفة ولولا ذلك لم يأخذ أجرا فله الثواب المذكور بل يكون جمع بين عبادتين وهما الأذان والسعي على العيال وإنما الأعمال بالنيات"۔(۲)

☆ امام برہان الدین المرغینانی حنفیؒ (م ۵۹۳ھ) لکھتے ہیں: ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانے میں تعلیمِ قرآن پر اجرت لینے کو مستحسن کہا ہے، کیونکہ اب امورِ دینیہ میں سستی ہوگئی ہے اور اسکو ناجائز کہنے میں قرآن مجید کو حفظ کرنا ضائع ہوجائے گا، اور فتوی اسی

(۱) ماہنامہ دارالعلوم ،شمارہ ۵، جلد: ۹۸، رجب ۱۴۳۵ ہجری مطابق مئی ۲۰۱۴ء

(۲) رد المحتار مع درمختار: ۲/ ۷۴

قول پر ہے۔

"وبعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم؛ لأنه ظهر التواني في الأمور الدينية. ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى"(۱)

▪ ☆علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفیؒ (م۷۸۶ھ) لکھتے ہیں: متقدمین فقہا نے تعلیم کی اجرت کو اسلئے مکروہ کہا تھا کہ معلمین کو بیت المال سے عطیات ملتے تھے، اوران عطیات کی وجہ سے وہ اپنی معاشی ضروریات میں مستغنی تھے اور وہ لوگ محض ثواب کے لئے تعلیم دینے میں رغبت رکھتے تھے، اوراب یہ چیز باقی نہیں ہے، امام ابوعبداللہ الخیز اخزی نے کہا کہ ہمارے زمانے میں امام، موذن اور معلم کے لئے اجرت لینا جائز ہے، اسی طرح ذخیرہ میں ہے۔

"إنما كره المتقدمون ذلك لأنه كان للعلمين عطيات من بيت المال فكانوا مستغنين عما لا بدلهم من امر معاشهم وقد كان في الناس رغبة في التعليم بطريق الحسبة ولم يبق ذلك وقال أبو عبدالله الخيزاخزي يجوز في زماننا للإمام والمؤذن والمعلم اخذ الأجرة ذكره في الذخيرة"(۲)

☆امام علاء الدین حصکفی حنفیؒ (م۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں: متاخرین نے عبادات مثلا امامت اور تعلیم قرآن وفقہ پر اجرت لینے کے جواز کا فتوی دیا ہے تاکہ احکام شریعہ محفوظ رہیں اور زمانہ کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں۔

"(ويفتى اليوم) أي يفتي المتاخرون (بالجواز) للإجارة

(۱) الہدایۃ فی شرح البدایۃ: ۲۳۸/۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت
(۲) عنایۃ علی ہامش فتح القدیر: ۴۰/۸

(على ذلك) مثل (الإمامة و تعليم القرآن و الفقه) تحرزا عن الندراس و الاحكام تختلف باختلاف الزمان''(۱)

☆علامہ شیخ عبد الرحمن المعروف بداماد آفندی حنفیؒ (م ۱۰۷۸ھ) لکھتے ہیں: فقہ اور اذان پر اجرت لینے کے جواز کا فتوی دیا جاتا ہے، جیسا کہ عام معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے، یہ بلخ کے متاخرین مشائخ کا مذہب ہے، انہوں نے اس کو مستحسن قرار دیا اور کہا ہمارے متقدمین فقہا نے جو اس اجرت کو ناجائز کہا تھا وہ اپنے زمانے کے حالات کی وجہ سے کہا تھا کیونکہ اس وقت حفاظ کم تھے اور لوگ ان کی خدمت میں دلچسپی لیتے تھے اور اس وقت ان لوگوں کو بیت المال سے عطیات ملتے تھے اور پڑھانے والے اپنے اساتذہ کی بغیر کسی شرط کے خدمت کے کیا کرتے تھے اور ان کو معاش سے مستغنی کر دیتے تھے اور متقدمین یہ فتوی دیتے تھے کہ تعلیم دینا واجب ہے تاکہ قرآن مجید ضائع نہ ہو اور حفاظ بکثرت ہوں، لیکن اس زمانے میں یہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے، ظالم اور فاسق حکام کے غلبہ کی وجہ سے بیت المال سے علماء اور معلمین کے عطیات منقطع ہو چکے ہیں اور حفاظ اپنی معاشی ضروریات کی وجہ سے کاروبار میں مصروف ہو گئے اور محض فی سبیل اللہ پڑھانے والے بہت کم رہ گئے ہیں اور ان کو بھی اپنی معاشی ضروریات کی وجہ سے فرصت نہیں ہے، اسلئے اگر اجرت پر تعلیم کے جواز کی اجرت نہ دی جاتی تو مسلمانوں کے سینوں سے قرآن مجید نکل جاتا، اسلئے متاخرین نے اس کے جواز کا فتوی دیا اور اس کو مستحسن قرار دیا۔ انہوں نے کہا زمانہ کے اختلاف سے احکام مختلف ہو جاتے ہیں جس طرح حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عورتیں پانچوں وقت کی نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں جاتی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کر دیا اور اب تک اسی پر عمل ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تبیین میں ہے اور نہایہ میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں فقہ کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے، خانیہ میں

---

(۱) ماہنامہ دار العلوم شمارہ 5، جلد 98 :، رجب 1435 ہجری مطابق مئی 2014ء

اس کے خلاف ہے۔ اور مجمع میں لکھا ہے کہ تعلیمِ فقہ اور امامت پر اجرت لینا جائز ہے، اسی طرح ذخیرہ اور روضہ میں لکھا ہے۔

"(ويفتى اليوم بالجواز) أي بجواز أخذ الأجرة (على الإمامة وتعليم القرآن، والفقه) ، والأذان كما في عامة المعتبرات، وهذا على مذهب المتأخرين من مشايخ بلخي استحسنوا ذلك، وقالوا :بنى أصحابنا المتقدمون الجواب على ما شاهدوا من قلة الحفاظ ورغبة الناس فيهم، وكانت لهم عطيات من بيت المال وافتقاد من المتعلمين في مجازاة الإحسان بالإحسان من غير شرط مروءة يعينونهم على معاشهم ومعادهم، وكانوا يفتون بوجوب التعليم خوفا من ذهاب القرآن وتحريضا على التعليم حتى تنهضوا لإقامة الواجب فيكثر حفاظ القرآن، وأما اليوم فذهب ذلك كله وانقطعت العطيات من بيت المال بسبب استيلاء الظلمة واشتغل الحفاظ بمعاشهم وقلما يعلمون الحسبة ولا يتفرغون له أيضا، فإن حاجتهم يمنعهم من ذلك فلو لم يفتح باب التعليم بالأجر لذهب القرآن فأفتوا بجوازه لذلك ورأوه حسنا، وقالوا :الأحكام قد تختلف باختلاف الزمان ألا يرى أن »النساء كن تخرجن إلى الجماعات في زمانه عليه الصلاة والسلام وزمان أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه حتى منعهن عمر رضي الله تعالى عنه واستقر الأمر عليه« وكان ذلك هو الصواب كما في التبيين. وفي النهاية يفتي

بجواز الاستئجار على تعليم الفقه أيضا في زماننا.وفي
الخانية خلافه تتبع، وفي المجمع يفتي بجواز الاستئجار
على التعليم، والفقه، والإمامة كذا في الذخيرة، والروضة.
یعنی اس زمانہ میں امامت، تعلیم قرآن"(۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی

امام نووی شافعی نے مارگزیدہ بادشاہ پر سورہ فاتحہ دم کرکے بکریاں بطورِ اجرت لینے کی حدیث کی شرح میں کہتے ہیں: "اس حدیث میں سورہ فاتحہ اوراذکارشرعیہ کے ذریعے دم کرنے پر اجرت لینے کی صراحت کے ساتھ اجازت ہے، نیز یہ بھی کہ یہ اجرت حلال ہے اس میں کراہت والی کوئی بات نہیں، اسی طرح قرآن کریم کی تعلیم پر بھی اجرت لینا حلال ہے، یہی موقف شافعی، مالک، احمد، اسحاق، ابوثوراوران کے بعد آنے والے دیگر سلف کا ہے۔

"هذا تصريح لجواز اخذ الاجرة علي الرقية بالفاتحة والذنر
وانه حلال لا كراهية فيها وكذا الاجرة علي تعليم القران
وهذا مذهب الشافعي وما لك واحمد واسحاق وابي ثور
واخرين من السلف ومن بعدهم ومنعها ابوحنيفة في تعليم
القران واجازها في الرقية"(۲)

ائمہ کرام کی تنخواہ عقل کی روشنی میں

☆مسجد کی تعمیر بھی عبادت ہے، مگر معمار، زمین فروخت کرنے والا، الیکٹریشن کلر کرنے والا، مینار لگانے والا، سب پیسہ لیتے ہیں، یہاں کوئی انہیں الزام نہیں دیتا کہ دنیا

(۱) ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 5، جلد 98: ، رجب 1435 ہجری مطابق مئی 2014ء
(۲) شرح النووی: ۱۴/ ۱۸۸

کمارہے ہیں۔

☆ قرآن مجید پرنٹ کرنا عبادت ہے، مگر مارکٹ میں قرآن قیمت سے ملتا ہے کوئی نہیں کہتا کہ ''قرآن بیچ کر پیسہ کمارہے ہیں، کیسے بے شرم لوگ ہیں''؟

☆ حج وعمرہ پر جانا عظیم عبادت ہے، مگر حج کمیٹی یا ٹراویلس چلانے والے مفت میں نہیں لے جاتے، وہاں کوئی فری کا مطالبہ نہیں کرتا۔

☆ تبلیغی اجتماع کرنا ثواب کا کام ہے، وہاں کھانے کے چاول، پینڈال ، مائک ، اسٹیج ، سفر کے ٹکٹ وغیرہ سب کام پیسہ سے حاصل کئے جاتے ہیں کوئی نہیں کہتا ہے سارے انتظامات مفت میں ہوں ، مستقل اجتماعات کے لئے خاموشی سے بغیر رسید وحساب کے لاکھوں کا چندہ وصول کیا جاتا ہے، کوئی اسے منع نہیں کرتا۔ نیک کام پر اجرت لینا گناہ ہے تو یہ سارے کام کرنے والے بھی گناہ کر رہے ہیں، اگر نہیں! (اور واقعتاً ان میں کوئی گناہ نہیں کر رہا ہے) تو ائمہ کرام کا مشاہرہ لینا بھی گناہ نہیں ہے۔

جب حکامِ مملکت کی جانب سے علماء وامورِ طاعات کے حاملین کے لئے وظائف نہیں دئے جاتے، ائمہ ومؤذنین کی معاشی ضرورت ہے، امامت واذان کا شعبہ ویران ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، شعارِ اسلامی کا تحفظ مقصود ہے، جس کی وجہ سے فقہائے اسلام جواز کا فتوی دیں اور جہلائے اسلام ناجائز کہیں؟ کیا ہم جس شعبہ کو دین سمجھتے ہیں وہیں دین ہے؟ ان سب دلائل کے باوجود کیسے اجرت کو ناجائز کہا جائے گا؟۔

ائمہ کرام کی تنخواہ کا فقہی معیار کیا ہے؟

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''خادمانِ مساجد ومدارس کو ان (امام وغیرہ) کی حاجت، علمی قابلیت اور تقویٰ وصلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے مشاہرہ دینا چاہیے، مسجد سے متعلق وقف کی آمدنی میں گنجائش ہو تو اس میں سے اور اگر گنجائش نہ ہو تو مسلمانوں سے چندہ کرکے ان کی ضرورت کے مطابق مشاہرہ کا انتظام کرنا چاہیے۔

"وَيُعْطِيَ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ وَالْفِقْهِ وَالْفَضْلِ فَإِنْ قَصَّرَ كَانَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ حَسِيبًا۔ زَيْلَعِيٌّ، وَفِي الْحَاوِي :الْمُرَادُ بِالْحَافِظِ فِي حَدِيثِ {لِحَافِظِ الْقُرْآنِ مِائَتَا دِينَارٍ} -هُوَ الْمُفْتِي الْيَوْمَ"

یہ تنخواہ ضرورت، فقہ اور مرتبہ کے بقدر دی جائے گی اور اگر اس میں کوتاہی کی گئی تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب لیں گے (مسجد کے متولی وغیرہ سے) اور حاوی میں ہے کہ حدیث میں حافظ سے مراد حافظ قرآن ہے جس کو دوسو درہم دیئے جائیں گے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

رَدالمختار میں ہے :یہ قول "ويعطى بقدر الحاجة" جو زیلعی میں ہے یعنی امام کو بقدر ضرورت تنخواہ دی جائیگی، اسی طرح امام پر بھی لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور دوسرے مستحقین کی طرح اپنی ضرورت کے مطابق تنخواہ کا مطالبہ کرے بغیر کسی زیادتی کی اور اگر اس نے اس میں کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ اس سے (حساب لیں گے، اور بحرالرائق میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اپنے دورِ خلافت میں) جب تنخواہیں دیتے تھے تو سب کو برابر دیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ (اپنے دورخلافت میں) ضرورت، فقہ (علم میں مہارت) اور مرتبہ کے بقدر تنخواہیں دیتے تھے اور ہمارے زمانے مین اس کو لینا زیادہ بہتر اور مستحسن ہے سو ہم ان تینوں امور کا اعتبار کریں گے۔

یعنی اس (متولی) کو چاہیے کہ ایسے امام کو جو زیادہ ضرورت مند ہو اس کو زیادہ دے بہ نسبت اس (امام، مؤذن اور قاری) کے جو کم ضرورت مند ہے اور اسی طرح جو زیادہ فقیہ یا جس کو فضیلت حاصل ہے کسی وجہ سے ان کو زیادہ دے بہ نسبت ان کے جو کم فقیہ اور کم مرتبے والا ہے، اور اصل بات یہ ہے کہ ضرورت کا لحاظ نہ کیا جائے زیادہ فقیہ اور افضل ہونے میں، ورنہ پھر ان دونوں کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اس کا مؤید حضرت عمرؓ کا عمل ہے کہ وہ جو علم یا نسب میں فضیلت رکھتا تھا اس کو زیادہ تنخواہ دیتے تھے بہ نسبت اس کے غیر کے۔

"الْقُنْيَةِ :كَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يُسَوِّي فِي الْعَطَاءِ

مِنْ بَيْتِ الْمَالِ ، وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ يُعْطِيهِمْ عَلَى قَدْرِ الْحَاجَةِ وَالْفِقْهِ وَالْفَضْلِ ، وَالْأَخْذُ بِهٰذَا فِي زَمَانِنَا أَحْسَنُ فَتُعْتَبَرُ الْأُمُورُ الثَّلَاثَةُ اهـ أَيْ فَلَهُ أَنْ يُعْطِيَ الْأَحْوَجَ أَكْثَرَ مِنْ غَيْرِ الْأَحْوَجِ ، وَكَذَا الْأَفْقَهَ وَالْأَفْضَلَ أَكْثَرَ مِنْ غَيْرِهِمَا وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَا تُرَاعَى الْحَاجَةُ فِي الْأَفْقَهِ وَالْأَفْضَلِ ، وَإِلَّا فَلَا فَائِدَةَ فِي ذِكْرِهِمَا ، وَيُؤَيِّدُهُ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ كَانَ يُعْطِي مَنْ كَانَ لَهُ زِيَادَةُ فَضِيلَةٍ ، مِنْ عِلْمٍ ، أَوْ نَسَبٍ أَوْ نَحْوِهِ ذَلِكَ أَكْثَرَ مِنْ غَيْرِهِ ، وَفِي الْبَحْرِ أَيْضًا عَنْ الْمُحِيطِ وَالرَّأْيُ إِلَى الْإِمَامِ مِنْ تَفْضِيلٍ وَتَسْوِيَةٍ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمِيلَ فِي ذَلِكَ إِلَى هَوًى ، وَفِيهِ عَنْ الْقُنْيَةِ وَلِلْإِمَامِ الْخِيَارُ فِي الْمَنْعِ وَالْإِعْطَاءِ فِي الْحُكْمِ .ا هـ .قُلْت :وَمِثْلُهُ فِي كِتَابِ الْخَرَاجِ لِأَبِي يُوسُفَ الَّذِي خَاطَبَ بِهِ هَارُونَ الرَّشِيدِ حَيْثُ قَالَ :فَأَمَّا الزِّيَادَةُ عَلَى أَرْزَاقِ الْقُضَاةِ وَالْعُمَّالِ وَالْوُلَاةِ وَالنُّقْصَانُ مِمَّا يَجْرِي عَلَيْهِمْ ، فَذَلِكَ إلَيْك مَنْ رَأَيْت أَنْ تَزِيدَهُ مِنْ الْوُلَاةِ وَالْقُضَاةِ فِي رِزْقِهِمْ فَزِدْهُ وَمَنْ رَأَيْت أَنْ تَحُطَّ رِزْقَهُ حَطَطْت (قَوْلُهُ هُوَ الْمُفْتَى الْيَوْمُ) لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَحْفَظُونَ الْقُرْآنَ وَيُعَلِّمُونَ أَحْكَامَهُ ط (قَوْلُهُ مِمَّنْ ذُكِرَ) أَيْ مِمَّنْ يَقُومُ بِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ ، كَالْقُضَاةِ وَالْغُزَاةِ"(۱)

موجودہ زمانہ میں از روئے فقہ امامت کی تنخواہ کا معیار؟

معاشرے میں مساجد اور ائمہ دونوں کا کردار نہایت اہم رہا ہے، مساجد کے ذریعہ معاشرے کو صحیح رخ پر ڈھالنے کی ذمہ داری ائمہ نے سرانجام دی ہے۔لہذا مساجد اور ائمہ

(۱) فتاوی شامی: ۶/ ۲۴۴، مطلب فی مصارف بیت المال

مساجد دونوں مسلمانوں کی اہم دینی ضروریات میں سے ہیں۔مساجد میں باصلاحیت افراد کاتقرر اور ان کی صلاحیتوں، معاشی ضروریات اور ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کو مدنظر رکھ کر ان کے لیے معقول وظیفہ مقرر کرنا مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے، ائمہ مساجد، مؤذنین اور خدام کے وظائف میں وقتاً فوقتاً مہنگائی کی شرح اور ان کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے مناسب شرح کے ساتھ اضافہ بھی لازمی ہے۔

مساجد سے منسلک افراد کے وظائف مقرر کرتے ہوئے ان وظائف کو محض ایک اجیر کی اجرت کے تناظر میں نہ دیکھا جائے بلکہ یہ بنیاد سامنے رکھی جائے کہ یہ افراد معاشرے کی ایک اہم دینی ضرورت کو پورا کر رہے ہیں، موسم کے تفاوت اور حالات کی تفریق سے قطع نظر ہمہ وقت اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی بھرپور سعی کرتے ہیں، لہٰذا ان سے متعلق یہ جذبہ بھی سامنے رکھا جائے، نیز ان افراد کے معقول وظائف مقرر کرنا اور ان میں اضافہ کرنا یہ اشاعت دین میں حصہ ڈالنے کے مترادف ہے۔

اس سلسلہ میں مسجد کے فنڈ کی بات زیادہ اہمیت کی حامل نہیں، اس لیے کہ مساجد عموماً عوام اور دینی جذبہ رکھنے والے افراد ہی کے تعاون سے چلتی ہیں، ان کے لیے حکومتوں کی جانب سے کوئی فنڈ مختص نہیں ہوتا، بلکہ موقع محل کی مناسبت سے عوام مساجد کے چندہ میں بھرپور حصہ لیتے ہیں، مساجد سے متعلقہ ضروریات کی تکمیل کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں، لہٰذا اگر کہیں مسجد کے فنڈ کا مسئلہ ہو بھی تو عوام کے سامنے مناسب انداز میں مسجد کی ضروریات رکھی جائیں تو یہ مسئلہ بسہولت ختم ہو جاتا ہے۔

مساجد کے ائمہ، مؤذنین اور خدام کے وظائف ان کی صلاحیتوں، معاشی ضروریات اور مہنگائی کی شرح کو سامنے رکھتے ہوئے طے کرنے چاہئیں اور ان ہی امور کو مدنظر رکھ کر وقتاً فوقتاً ان وظائف میں معقول اضافہ بھی کرنا چاہیے۔(۱)

(۱) دارالافتاء : جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر : 144010200555

دراصل کتبِ فقہ میں ائمہ مساجد کی تنخواہ کے حوالے سے "بقدرِ کفایت" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے، امام ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم مصری حنفی (م ۹۷۰ ھ) الحاوی القدسی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم**"(۱) امام ابن عابدین شامی حنفی (م ۱۲۵۲ ھ) البحر الرائق کی عبارت نقل فرما کر اسے مقرر رکھتے ہیں پھر اسکی توضیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: **لا يكفيه فيعطي قدر الكفاية لئلا يلزم تعطيل المسجد**"(۲)

بقدرِ کفایت اس مقدار کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان عام طور پر اپنی ضرورت و حاجت کو بغیر کسی حرج و تنگی کے پورا کرتا ہو۔ آپ ﷺ نے ہند بنت عتبہ کو ابوسفیان کی بخالت کی وجہ سے بغیر اجازت بقدرِ کفایت ہی لینے کی اجازت دی تھی، جو انہیں اوران کی اولاد کو کافی ہوجائے، اور یہ لینا حق شمار فرمایا نہ کہ چوری۔

"أن هند بنت عتبة، قالت :يا رسول الله إن أبا سفيان رجل شحيح وليس يعطيني ما يكفيني وولدي، إلا ما أخذت منه وهو لا يعلم، فقال: خذي ما يكفيك وولدك، بالمعروف"(۳)

واقف کی شرط شارع ﷺ کی نص کی طرح ہے تو اس کی پیروی واجب ہے۔ لیکن سات اسباب ایسے ہیں جس میں واقف کی شرائط کا لحاظ کرنا واجب نہیں ہے، ان میں سے ایک ائمہ مساجد کی تنخواہ کا مسئلہ ہے۔ اگر واقف شرط لگادے کہ امام کی تنخواہ صرف اتنی ہی ہوگی اور وہ اسے کفایت نہ کرتی ہو تو واقف کی اس شرط کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا بلکہ امامِ مسجد کی تنخواہ بڑھا کر بقدرِ کفایت کردی جائے گی۔

---

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق شرح كنز الدقائق: ۵/۲۳۰

(۲) ردالمحتار علی الدر المختار: ۴/۳۶۸، دار الفکر، بیروت

(۳) الجامع الصحیح للبخاری، حدیث: ۵۳۶۴، دار طوق النجاۃ

"السابعة :تجوز الزيادة من القاضي على معلوم الإمام، إذا كان لا يكفيه و كان عالما تقيا"

ساتواں سبب : قاضی کی جانب سے امام کی تنخواہ میں اضافہ جائز ہے جبکہ وہ اُسے کفایت نہ کرتی ہو اور وہ عالم متقی بھی ہو"۔(۱)

حاصل یہ کہ اتنی تنخواہ دیں کہ متولی اور صدر کی اولاد بھی اس پر فخر کرے کہ اپنے امام صاحب کو عزت و راحت جتنی نصیب ہے وہ پانے کی کوشش کی جائے، نہ کہ لوگ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلانے سے بھی جی چرانے لگیں۔

تنخواہ معیارِ عزت شمار ہونے لگی ہے

آج کل تنخواہ صرف معیارِ ضرورت نہیں بلکہ معیارِ عزت ہے، تنخواہ کی زیادتی انسانی کی عزت بڑھا دیتی ہے، ائمہ کرام کی اتنی تو تنخواہ ہو جس سے قوم کے بچوں میں امام بننے کا شوق پیدا ہو جائے، سچ ہے جس معاشرہ میں ائمہ کرام کی تنخواہ دس بارہ ہزار ہو اور قوال و گویوں کا ہدیہ پانچ، دس لاکھ ہو وہاں گویّے اور گلوکار ہی پیدا ہوں گے نہ کہ قوم کے مقتداء، سماج میں ایسی کتنی مساجد ہیں جہاں ائمہ کرام عزت والی تنخواہ دے کر بھی کمیٹیاں شرمندہ ہوں کہ ہمیں جیسی خدمت کرنی تھی نہیں کر پا رہے ہیں۔ ممکن ہوں ایسے قابل تعریف کمیٹیاں ہوں مگر پھر بھی بہت کم ہیں۔

آمدنی کے باوجود تنخواہ معیاری نہ دینا ظلم ہے

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ ماضی قریب کے بے نظیر مفتی گزرے ہیں، جن کے فتاویٰ اہلِ علم، عوام و خواص میں یکساں مقبول ہیں، انھوں نے اپنے فتاویٰ میں کئی مقامات پر دینی خدام کی تنخواہوں پر تبصرہ و تجزیہ کیا ہے، اور تنخواہ کے معیار کے سلسلہ میں گفتگو

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار: ۴/ ۳۸۷، دارالفکر، بیروت

کی ہے، آپؒ لکھتے ہیں: ''جب مسجد کی آمدنی کافی ہے اور امام وخطیب صاحب ماشاء اللہ مدت سے امامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، جمعہ کے دن بیان بھی کرتے ہیں، نیک اور متقی بھی ہیں اور صاحب عیال بھی ہیں تو متولیوں پر لازم ہے کہ ان کی تنخواہ میں گرانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اضافہ کریں، مسجد کی آمدنی ہونے کے باوجود امام صاحب کے گھریلو اخراجات کے مطابق تنخواہ نہ دینا ظلم ہے''۔(۱)

کیا تنخواہ لینے سے ثواب نہیں ملے گا؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر امام کی یہ نیت ہے کہ اگر مجھ کو اس سے زیادہ دوسری جگہ تنخواہ ملے گی، تو میں اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرلوں گا، تب تو ثواب نہیں ملے گا، اور اس کو اجرت محضہ کہا جائے گا اور اگر یہ نیت رہے کہ زیادہ کے لئے بھی اس کو نہ چھوڑوں گا تو ثواب ضائع نہ ہوگا اور اس کو اجرت نہ کہا جاوے گا، بلکہ نفقۂ حبس وکفایت مثل رزق قاضی کہا جاوے گا۔(۲)

ان دلائل کے باوجود چند قرآنی آیات اور احادیث کو بے محل فٹ کرکے عدمِ جواز ثابت کرنا، ائمہ کرام کی شان میں گستاخی کرنا، انہیں کام چور کہنا، احمقانہ مشورے دینا کہ علماء پاورلوم چلا کر، ڈوری لگا کر، گیرج، گوشت اور سبزی کی دوکان پر کام کرکے روزی کمائیں، اور امامت، اذان، اور دینی مدارس میں خدمت بغیر تنخواہ کے کریں، ایسے لوگ نہ صرف اسلام کے دشمن و باغی ہیں بلکہ ان کی اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ علم دین سے محروم کردے گا۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں دورائے ہیں ایک متقدمین کی دوسری متاخرین کی

---

(۱) رحیمیہ ۹/ ۱۵۳، جدید

(۲) امداد الفتاوی: ۷/ ۲۹۷، جدید

تو متقدمین کے رائے پر اجرت علی الطاعات ناجائز ہے تو اس رائے کو قبول کرنا کیونکر جرم ہے؟

غلط فہمی یہی ہے کہ اس مسئلہ میں دو رائے ہیں، بلکہ اس مسئلہ کے دو دور ہیں، ایک دور متقدمین کا گذرا جس میں عدم جواز کی رائے رہی، دوسرا دور متاخرین کا آیا جس میں بالاتفاق جواز کا فتوی دیدیا گیا، جب دور ختم ہوگیا اور دوسرا دور شروع ہوگیا پھر بھی کوئی گذرے دور کی نہ چلنے والی رائے پیش کرے تو غلطی فہمی نہیں ہے، مثلاً ایک دور تھا جس میں آنے دو آنے، پیسہ چلتے تھے، اب اگر کوئی وہی نہ چلنے والے سکّے پیش کرے تو غلطی ہوگی یا نہیں؟ یہ بات پیش کرنے والا اور ہم اسی پرانے دور میں ہوتے تو وہی بات ہم بھی کہتے جو معترض پیش کر رہا ہے، جب وہ اور ہم اس دور میں ہیں جس میں متاخرین نے جواز کا فتوی دیدیا تو اسے بھی اسی فتوی کے مطابق قائل ہونا چاہئے۔

نوٹ ۱:۔ یاد رہے حضراتِ متقدمین کا دَور : وہ علماء جو تیسری صدی کے ختم ہونے سے قبل گزرے ہیں۔ حضراتِ متأخرین کا دور : تیسری صدی کے بعد کے علماء کا ہے۔

۲۔ نیز متقدمین میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے، امام ابوحنیفہؒ، صاحبینؒ اور امام احمدؒ کے ایک قول کے مطابق، اُجرت علی الطاعات ناجائز کہتے تھے، جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کو جائز فرماتے تھے۔ اختلاف کا سبب احادیث و روایات کا اختلاف ہے، بعض روایات سے جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض روایات سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ جب کہ متقدمین میں ہی اختلاف رہا تو عدم جواز کو متفقہ فتوی کیسے کہا جائے گا؟۔

ماضی کے علماء پر قیاس کا حکم

بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین میں سے ایسے بہت سے افراد گذرے ہیں جو تجارت کے ساتھ درس و تدریس سے بھی وابستہ رہے ہیں، لیکن موجودہ دور کو اُس زمانے پر قیاس کرنا سراسر ظلم ہے، جس کو تھوڑی بھی عقل ہے زمانے کے فرق کو سمجھ سکتا ہے، تجارت کی مشغولیت سے لوگ گھر کو وقت نہیں دے پا رہے ہیں، ائمہ کرام تجارت

گھر، مسجد، مدرسہ سب کو وقت دیں؟ ضروریاتِ زندگی پہلے کی طرح مختصر نہیں رہی، پہلے ضروریات زندگی بہت مختصر ہوتے تھے، رُوکھا سُوکھا کھانا، رہنے کے لیے معمولی گھر، پہننے کے لئے بے تکلف لباس، ہر چیز بہت سستی، جبکہ موجودہ دور مادی دور کا طرز زندگی اور رہائش کا معیار بہت بلند ہو چکا ہے، آج کل کی ضروریات دن بدن مہنگائی کے ساتھ بڑھتی جارہی ہیں، علاج سے موت سستی لگتی ہے، تعلیم سے جہالت میں عافیت لگتی ہے۔

تبلیغی احباب پر قیاس کا حکم

بعض لوگ تبلیغی احباب کے کام پر قیاس کرتے ہیں کہ وہ اپنا مال واپنی جان لگا کر علماء سے زیادہ دین کا کام کرتے ہیں تو علماء وائمہ کرام کیوں نہیں کرسکتے؟

جواب ا:۔ تو پھر آج تک مرکز کے امام کوئی امیر صاحب کیوں نہیں بن گئے؟ یا اپنی اولاد کو بلا معاوضہ تدریس، امامت، اور مکاتب وغیرہ میں کیوں نہیں لگاے؟

۲۔ تبلیغی کام اوقات کسب میں نہیں ہوتا، جبکہ تدریسی کام اوقاتِ کسب میں ہوتا ہے۔ اوقاتِ کسب میں بلا معاوضہ کرنا ہر شخص کے بس کا نہیں ہے۔

۳۔ اپنی جان اور اپنا مال کے علاوہ کیا وہاں امت کی جان اور مال قبول نہیں کیا جاتا؟ جماعتوں کی نصرت، مقامی احباب کی سواریاں وغیرہ کس کا مال ہے؟ بڑے بڑے اجتماعات کے لئے چندہ نہیں ہوتا؟ مرکز کی ہفتہ واری خدمت طے نہیں کی جاتی؟ یہ سب اپنی جان اور اپنا مال ہے؟

۴۔ ائمہ کرام جس طرح پانچ وقت پابندی سے ایک ہی مسجد میں اقامت سے پہلے نماز کو پہنچتے ہیں اس طرح کوئی پرانے سے پرانے تبلیغی صاحب ہیں جو امام کی طرح پابند ہوں؟ ہیں تو ایسے مقدس شخصیت کی بنیتِ ثواب زیارت کرلیں، وہ کیوں نہیں آتے؟ کیونکہ ان پر نماز پڑھانا (امامت) ذمہ داری کے طور پر نہیں ہے، جبکہ امام پر ذمہ داری ہے؟

۵۔ جس طرح گیارہ ماہ کما کر ایک چلہ اللہ کے راستہ میں جاتے ہیں ائمہ کرام بھی گیارہ

ماہ کمار ایک چلہ امامت کرلیں گے اور وہ ایک چلہ بغیر معاوضہ کے اپنی جان اور اپنا مال لگا کر کرلیں گے۔ راضی ہیں؟ کیسی حماقت ہے! جب دونوں کا میدان الگ الگ ہے تو کیسے قیاس کیا جائے گا؟

۶۔ بعض نادانوں کی سوچ ہے کہ پیسہ لے کر امامت کرنا خدمتِ دین نہیں، ہم اپنی جان و مال سے کام کرتے ہیں اور یہ دین کے کام پر پیسہ لے تے ہیں، اس نظریہ کی وجہ خواہ کچھ ہو مگر ہے یہ غلط نظریہ، حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ مظاہر العلوم میں پڑھاتے ہوئے تنخواہ لیتے تھے، حضرت جی الیاس صاحبؒ کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ بھی تنخواہ لیتے تھے، تو پھر کیا ان برگزیدہ شخصیات پر بھی الزام لگائیں گے یہ بھی دین کا کام نہیں کرتے تھے؟ یاد رہے تنخواہ لینا نہ جرم ہے اور نہ اخلاص کے منافی ہے، اور مفت میں کام کرنا اخلاص نہیں، ورنہ سخی، شہید، عالم جو جہنم میں دالے جائیں گے وہ مفت میں کام کئے تھے مگر اندر ریا تھا پتہ چلا تنخواہ لینا والا مخلص اور مفت میں کام کرنے والا ریا کار ہوسکتا ہے۔

کچھ آپ سے بھی مطلوب ہے

جو لوگ امامت و تدریس کو مفت کرنے کے قائل ہیں ان سے سوال ہے کہ وہ لوگ اپنے پیشے کے ساتھ دین کی کتنی خدمت کرتے ہیں؟ امامت، اذان اور تعلیمِ قرآن کو بلا اجرت انجام دینے کی ذمہ داری صرف فارغین مدارس کی ہے؟ ان جیسے حضرات کی کیا ذمہ داری ہے؟ یہ حضرات کتنے مریضوں کا مفت علاج کرتے ہیں؟ کتنی بیواؤں کا سہارا بنتے ہیں؟ کتنے غریب کے کیس مفت لڑتے ہیں؟ کتنے غریبوں کو مفت جوڑے اپنے کپڑے کی دوکان سے دیتے ہیں؟ کتنے غریبوں کو مفت ماہانہ راشن بھیجتے ہیں؟ کتنے غریبوں کی اسکول فیس ادا کرتے ہیں؟ اس کے ساتھ کتنے لوگوں کو دین کی بنیادی تعلیم دیتے ہیں؟ کتنے افراد کو ناظرہ قرآن بالتجوید پڑھاتے ہیں؟ کتنے لوگوں کو حافظِ قرآن بناتے ہیں؟ کتنے لوگوں کو درسِ حدیث و درسِ قرآن دیتے ہیں؟ مسجد میں کتنی مرتبہ جماعت کی امامت کرتے

ہیں؟ اگر ایسا کچھ نہیں کرسکتے ہیں تو کس منہ سے علماء کرام کو مشورہ دینے چلے ہیں؟ پہلے اپنی مصروفیات کے ساتھ مذکورہ دینی خدمات بھی انجام دیں، اگر نہیں کرسکتے تو اپنے آپ کو ذلیل نہ کریں، اپنی عزت خود کرنا سیکھ لیں۔

غلط تصوّر ختم کریں

مولانا ابوعمار زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں" ہمارے ہاں یہ غلط تصور رواج پا گیا ہے کہ دینی خدمات کسی معاوضہ کے بغیر سرانجام دینی چاہئیں اور کس دینی خدمت پر وظیفہ یا تنخواہ کا تقاضا کرنا ثواب اور اجر سے محرومی کا باعث بن جاتا ہے۔ بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اِرشاد گرامی ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے کوئی خدمت ان کے سپرد کی اور اس کی انجام دہی کے بعد آنحضرت ﷺ نے انہیں کچھ حق الخدمت پیش کیا جو انہوں نے یہ کہہ کر قبول کرنے میں تامل کیا کہ میں نے تو یہ خدمت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سرانجام دی ہے اور میری مالی حالت بہتر ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ بات قبول نہیں کی اور فرمایا کہ "خذہ وتمولہ" اس کو وصول کرو اور اپنے مال میں شامل کرو، اس کے بعد اگر تمہاری مرضی ہو تو صدقہ کردو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی دینی خدمت پر حق الخدمت ادا کرنا ضروری ہے، اسے وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس سے دینی خدمت کا ثواب و اجر ختم نہیں ہو جاتا"۔

کیا ائمہ کرام اس تنخواہ پر راضی ہیں؟

مولانا ابوعمار زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں" جب ایک امام اور مدرس خود اس تنخواہ پر راضی ہے اور اسے قبول کر رہا ہے تو پھر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے اس بات کو تسلیم کرنے میں تامل ہے اس لیے کہ ہمارے ہاں کسی شخص کو قاری اور عالم

کے طور پر تعلیم وتربیت دینے کے دوران اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ وہ دینی خدمت کے سوا کوئی اور کام نہ کر سکے بلکہ اس کے کوئی متبادل ہنر یا ذریعۂ روزگار سیکھنے کی عام طور پر حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ایک عالم دین کوئی متبادل ذریعہ اختیار کرنے کی اول تو استعداد اور صلاحیت ہی نہیں رکھتا اور اگر کوئی شخص اپنی ذاتی محنت اور توجہ سے ایسا کر لیتا ہے تو اسے خود اپنے اساتذہ، ساتھیوں اور ماحول کی طرف سے تحقیر واستخفاف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ معاشرتی طور پر مجبور ہو جاتا ہے کہ دینی خدمت ہی کے دائرے میں رہے اور اسی کو معاش کا ذریعہ بنائے، چنانچہ اس مجبوری کے باعث وہ کم وظیفے پر راضی ہو جاتا ہے کہ چلو کچھ نہ ہونے سے تو یہ بہتر ہے۔ تو کیا اس کی یہ رضا شرعاً رضا شمار ہوگی؟ صاحب ہدایہ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے یہ اصول نقل کیا ہے کہ ''لا رضاء مع الاضطرار'' یعنی اضطرار اور مجبوری کی حالت کی رضا کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ میری طالب علمانہ رائے میں آج کی مساجد و مدارس میں اس کیفیت کے ساتھ دینی خدمات سرانجام دینے والے زیادہ تر حضرات اس کا اولین مصداق ہیں جو مسلسل زیادتی اور حق تلفی کا شکار ہو رہے ہیں''۔

مفت میں خدمت کر کے کمانے کا وقت کہاں سے لائیں؟

بعض حضرات سادگی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ فارغ اوقات میں کوئی اور کام بھی تو کر سکتے ہیں؟ :

۱۔ اگر کوئی مدرس امام عموماً سات گھنٹے مدرسہ میں اور تین گھنٹہ امامت کے لیے یعنی چوبیس گھنٹوں میں سے دس گھنٹہ دین کی خدمت کے لیے وقف کرے گا اور اس پر کوئی اجرت نہیں لے گا تو وہ اپنے اہل وعیال کے لیے روزی روٹی کا بندوبست کب اور کہاں سے کرے گا؟ کس وقت یہ علماء وائمہ دوسرے کام کریں گے؟ خواہ گیرج پر کام کرنا ہو؟ گوشت، سبزی اور دیگر اشیاء کی تجارت کرنا ہو؟

۲۔ کیا ائمہ وعلماء کے لیے کوئی ایسا پیشہ یا تجارت ہے جس میں یہ افراد دو تین گھنٹوں

یں ماہانہ ہزاروں کمالیں اوران کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوجائے۔اگر ہے تو براہِ کرام تمام ائمہ کرام کے لئے ایسا نفع والا بازار بتادیں؟۔

۳۔ یہ حضرات آج کے اس مسلمہ بین الاقوامی ضابطے کو بھول جاتے ہیں کہ کسی بھی شخص کی ڈیوٹی کے اوقات کار کا تعین ضروری ہے جو عام طور پر یومیہ چھ یا آٹھ گھنٹے ہوتا ہے اور اس کے علاوہ اس کے اوقات کا اس کی گھریلو ضروریات، آرام، بیوی بچوں اور تفریح وغیرہ کے لیے فارغ ہونا اس کا بنیادی انسانی حق ہے جو اس کی ضروریات زندگی میں شامل ہے۔ اوقات کار کے حوالہ سے آج کے مسلمہ قانون کو اگر سامنے رکھا جائے جس سے اسلام بھی انکار نہیں کرتا تو ہمارے اساتذہ، ائمہ اور دینی خدمت کے دیگر رجال کار پہلے ہی اس دائرہ سے زیادہ وقت دے رہے ہیں اس لیے اس سے ہٹ کر ان پر کسی مزید ڈیوٹی اور کام کی ذمہ داری ڈالنا ان کی حق تلفی اور ان کے ساتھ ناانصافی کی بات ہوگی"۔

۴۔گذارے کے لئے دوسرے کام کرتے ہوئے اگر دینی ذمہ داریوں میں کوتاہی ہوجائے، بچوں کی تعلیم صحیح ہونا پائے، بروقت امامت پر حاضری نہ ہوسکے تو، معاشرہ کی دینی ذمہ داریاں ادھوری رہ جائیں تو معترضین اسکا بہترین بدل بھی تیار رکھیں ،چونکہ دینی امور کا نقصان بھی ناقابل تلافی نقصان ہے۔

وقت پر تنخواہ دیں اور مکمل دیں

حدیث شریف میں ہے : مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔ "أعطوا الاجير قبل ان يجف عرقه" (۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز جن تین آدمیوں کے خلاف میں مدعی ہوں گا، ان میں سے ایک "رجل استاجر اجيراً فاستوفى منه ولم يعطه اجره" وہ

---

(۱) ابن ماجہ، مشکوۃ شریف ص :۲۵۸، باب الاجارۃ

شخص ہے جو کسی کو مزدور رکھے اور اس سے پورا کام لے لے مگر مزدوری پوری نہ دے۔(۱)

مزدوری پوری نہ دینے کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں کہ اس کی مزدوری مار لے اور پوری نہ دے بلکہ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ جتنی اجرت اس کام کی ملنی چاہئے اتنی نہ دے اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے کہ کم سے کم اجرت پر کام لے لے۔فقہاء کرام رحمہم اللہ نے تصرح کی ہے۔"ویعطی بقدر الحاجة والفقه والفضل ان قصر کان االله علیه حسیباً"۔یعنی متولی اور مدرسہ کے مہتمم کو لازم ہے کہ خادمان مساجد ومدارس کو ان کی حاجت کے مطابق اور ان کی علمی قابلیت اور تقویٰ وصلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ ومشاہرہ (تنخواہ) دیتے رہیں۔باوجود گنجائش کے کم دینا بری بات ہے۔اور متولی ومہتمم خدا کے جواب دہ ہوں گے۔فقط واللہ اعلم بالصواب"۔(۲)

ایک متولی صاحب کے اخلاق

ایک امام صاحب نے بتلایا کہ اللہ ہمارے صدر صاحب کو جزائے خیر دے! پہلی تاریخ آنے سے پہلے ہمارے دروازے پر لفافہ لے کر پہنچ جاتے ہیں کہ مولانا صاحب! آپ کی خدمت میں یہ چھوٹا سا نذرانہ پیش کرنے کے لیے آیا ہوں،ایک دن بھی اس حال میں گزارنا نہیں چاہتا کہ آپ کا حق میرے ذمے میں باقی رہ جائے،حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پسینہ سوکھنے سے پہلے مزدور کا حق اسے پہنچا دو،مولانا عاقل حسامی صاحبؒ فرماتے تھے اس زمانے میں لوگ خون سوکھنے کے بعد بھی وظیفہ نہیں دیتے۔

مسیح الملک حکیم اجمل خان کا واقعہ

مسیح الملک حکیم اجمل خان (م ۲۸/ڈسمبر ۱۹۲۷ء) امیر جامعہ اسلامیہ،دہلی،

(۱) بخاری شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص:۲۵۸ ایضاً

(۲) دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن فتوی نمبر 144010200555 :

۱۹۲۹ء میں جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ کو آٹھ ماہ تک تنخواہ نہ مل سکی، حکیم اجمل خان نے قاضی عبد الغفار صاحب کو بلا کر ایک ہیرے کی انگوٹھی دی اور کہا کہ اسے بمبئی لے جا کر فروخت کر دو، بیس ہزار روپئے کی قیمت ملی، تنخواہ تقسیم کرنے کے بعد باقی رقم محفوظ میں جمع کر دی گئی ۔ پھر کہنے لگے کہ: جامعہ تو چلانا ہوگا، آپ کو روپیہ کی دقت ہے تو میں بھیک مانگ لوں گا۔(۱)

تنخواہ میں اضافہ کا اصول متعین کریں اور اس پر عمل کریں

آج کل پرائیوٹ اسکولوں میں پڑھنے والے ایک بچے کی ماہانہ فیس امام کی تنخواہ کے برابر ہو جاتی ہے، اماموں کی تنخواہ ایسی ہے کہ ائمہ حضرات عام لوگوں کی درمیان اپنی تنخواہ بتاتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہے، اس دورِ مادیت میں آسمان چھوتی مہنگائی سے ہر شخص اپنی آمدنی پر ناشکری کی حد تک نالاں ، اور ملازمین کا ہمیشہ اپنی آمدنی کا رونا رہتا ہے کہ مہنگائی کے حساب سے تنخواہوں میں اضافہ نہیں ہوتا ہے ، ہڑتالوں اور مظاہروں کا سلسلہ رہتا ہے، ایسے وقت میں مسجد کے امام کی درخواستِ عاجزانہ پر مسجد کے ذمہ داران اس کو مسجد سے برخاست کرنے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں اور کہیں بے شرمی کی حد پار کر کے فوراً جواب دیدیتے ہیں کہ اس سے کم تنخواہ میں بہت امام مل جائیں گے، آپ کو مشکل ہے تو کوئی اور جگہ دیکھ لیں ۔

بالخصوص گاؤں دیہات کے ائمہ کرام کے پاس مہینے کے آخر میں ملنے والی تنخواہ کے علاوہ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، بلکہ ان میں سے بعض تو مصرف زکوۃ ہوتے ہیں، قدرتی نظام سے ہی ان کمائی میں برکت ہوتی ہے، ورنہ ائمہ کی صورت حال اور ان کی تنخواہوں کا موازنہ کریں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کیسے اپنے بال بچوں کی پرورش کرتے ہیں، سات ہزار کی تنخواہ پر پورے مہینے گذارہ ہو جاتا ہے جب کہ دوسرے لوگ اتنے پیسے اپنے گھر میں کام کرنے والی نوکرانی کو دیدیتے ہیں، یہ اللہ کا خصوصی احسان ہے کہ اس مفلسی میں بھی وہ اپنا

(۱) ہماری زبان۔ستمبر ۱۹۸۵ء بحوالہ: سب کے لئے، ابن غوری: ۶۵

وقار بحال رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ائمہ حضرات سے ذرا قریب ہو کران کے دل کی حالت جاننے کی کوشش کریں، گھر کی ضروریات، بچوں کے تعلیمی اخراجات اوران کی قلیل آمدنی کا جائزہ لیں، اور ہر سال اضافہ کا فیصدی اصول متعین کریں کہ دس فیصد یا پندرہ فیصد اضافہ ہوگا، اور اسلامی سال محرم سے اضافہ کیا جائے، اور بہر صورت اس پر پابندی بھی ہو۔

تنخواہ بڑھانا اصل میں تنخواہ بڑھانا نہیں

ا۔تنخواہ بڑھانا اصل میں تنخواہ بڑھانا نہیں تنخواہ کو بیلنس کرنا ہے، روپیے کی قیمت دن بدن گرتی جاتی ہے اور قیمتیں بڑھتی جاتی ہیں تو کسی ادارے میں اگر سات سے دس پرسنٹ سیلری بڑھادی گئی ہے تو اس سے استاذ کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ سات سے دس فیصد تک سالانہ قیمتیں بڑھ چکی ہوتی ہیں اور اتنے ہی پیسے کی قدر گر چکی ہوتی ہے۔(سرفراز فیضی)

۲۔مولانا محمد حامد ناصری قاسمی صاحب لکھتے ہیں''ہمارے گھروں اور مسجدوں کے رنگ وروغن میں سالانہ لاکھوں روپے فضول خرچ کر دیے جاتے ہیں؛ لیکن بیچارے امام ومؤذن ہیں کہ وہ سکونت کے قابل ایک گھر کی خواہش میں زندگی کھپا دیتے ہیں۔اگر کوئی امام خارجی آمدنی کے لیے چھوٹا موٹا اپنا کوئی کاروبار شروع کرتا ہے؛ تو اس کو امامت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا یا پھر اس کی تنخواہ کا اضافہ روک دیا جاتا ہے۔اگر اللہ کا کوئی نیک بندہ امام ومؤذن کی تنخواہ میں اضافہ کی بات کرتا ہے؛ تو اللہ پر توکل اور بھروسہ کا حوالہ دے کر اس کو خاموش کر دیا جاتا ہے۔<u>ایک مشہور مدرسہ میں ایک نیک دل صدر مدرس تھے۔اس وقت امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید محمد منت اللہ رحمانی صاحب رحمہ اللہ اس مدرسہ کے سرپرست تھے۔میٹنگ میں کچھ اراکین نے اس خاموش مزاج، نیک دل، خدا ترس اور متقی و پرہیزگار صدر مدرس کی تنخواہ بڑھانے کا مطالبہ کیا۔کمیٹی کے ایک فعال رکن نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔قاری صاحب (صدر مدرس) کے پیسے میں بہت برکت ہوتی ہے۔اس</u>

رکن کے اس جواب پر حضرت امیر شریعت نے جواب دیا کہ ماسٹر صاحب آپ کا یقین بہت پختہ ہے۔آپ آج سے یہ کریں کہ اپنی تنخواہ لا کر قاری صاحب کو دے دیا کریں اور ان کی برکت والی تنخواہ آپ لے لیا کریں۔بس ماسٹر صاحب خاموش ہو گئے۔تو آج ہماری یہ سوچ ہوگئی ہے اور یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ امام ومؤذن انسان ہی نہیں،ان کو دنیا کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

آج نوبت بایں جا رسید کہ کچھ لوگ اماموں کو ہڑتال پر جانے کی دعوت دے رہے ہیں،یعنی اتنا بابرکت اور اہم عہدہ بھی مسجد کمیٹی کے ظلم و بربریت کا شکار ہو کر ذلیل ہونے جا رہا ہے۔اللہ رحم و کرم کا معاملہ فرمائے اور مساجد کے نادان ذمے داران کو توفیق دے کہ وہ امام ومؤذن کی ضروریات کو سمجھ سکیں“!

ہندوستانی قوم کی مثال

ہندوستانی ایک عمدہ قوم ہے۔!!

۱۵ اگست آئے تو سب سچے ہندوستانی،رمضان آئے تو پکے مسلمان،جنگ لگے تو سب فوجی،کھیل کا میدان لگے تو سب کھلاڑی، الیکشن ہوں تو سب سیاستدان،بجٹ آئے تو سب اکانومسٹ،خبر آئے تو سب تجزیہ نگار،کسی بیمار کو ملیں تو سب ڈاکٹر،ڈاکٹر کو ملیں تو سب مریض بن جاتے ہیں،کوئی شرعی مسئلہ پیش آئے تو سب مفتی،کوئی متنازعہ مسئلہ پیش آئے تو سب وکیل، شادی اور پروگرام کے موقع پر سب فنکار،مفت کی دعوتیں ہوں تو سب بھوکے،فضول رسم و رواج کے موقع پر سب مالدار،اور سرکاری امداد آئے تو سب ضرورت مند۔

اس قوم کی صلاحیت پانی جیسی ہے جس برتن میں ڈالو اسی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ البتہ امام کی تنخواہ بڑھانے کا نمبر آئے تو سب غریب بن جاتے ہیں۔مگر خودغرضی بھی اس قدر بھری ہوئی ہے کہ بقول حضرت علی میاں ندوی ؒ: موجودہ زمانے میں اگر ہم سخت دھوپ سے بچنے کے لئے کسی سایہ دار درخت کے نیچے صرف تھوڑی دیر ٹھہر جائیں تو بھی ڈر لگتا ہے کہ

وہ درخت ہم سے اس کی فیس طلب نہ کرلے، جہاں انگلی رکھو یا نظر دوڑاؤ خودغرضی کی دسیوں مثالیں مل جائیں گی، یعنی عام انسان خودغرضی کا مجسمہ بنا ہوا ہے۔ الغرض لامحدود تجربات سے لبریز قوم۔ اور کمیٹی کے افراد جو امام ومؤذن کی ضروریات کا خیال نہ کرے، جو رحم دل نہ ہو، نماز کی پابندی نہ کرتا ہو، زکاۃ کا اہتمام نہ کرتا ہو؛ کیوں کہ جو اللہ کا اور فقراء کا حق ادا نہ کرے، وہ امام ومؤذن کا حق خاک ادا کرے گا۔

مالی وسعت نہ ہونے کا بہانہ

مناسب تنخواہ کے لیے مالی تنگدستی بہانہ نہیں بلکہ ارادوں کی ضرورت ہے، اُمّت کے پاس مال کی کمی نہیں، جذبہ کی کمی، جو لوگ امام کو معیاری تنخواہ دینے کے لیے تنگدستی کا بہانہ کرتے ہیں وہ سال میں ایک جلسے پر دو تین لاکھ لٹا دیتے یں، توڑ پھوڑ کرنا تو معمول ہے، تزئین کاری کا تو حساب نہیں رہتا۔

مسجد کمیٹی ممبر رسول کے وارث ہیں۔ وہ محراب رسول کے امین ہیں؛ جس طرح ہم اپنی ضروریات کا خیال کرتے ہیں، ان کا بھی خیال کریں؛ بلکہ جس طرح نماز میں امام کو اپنے سے آگے رکھتے ہیں، اسی طرح دنیاوی آسائش میں بھی، ہم ان کو مقدم رکھیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں : مساجد کا تعلق چوں کہ براہ راست عوام میں صاحب ثروت شخصیتوں سے ہوتا ہے؛ اس لئے ان کو زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، وہ جزوی طور پر ائمہ کو تجارت کے لئے سہولتیں مہیا کر سکتے ہیں، مثلاً مسجدوں میں اکثر ملگیاں بنائی جاتی ہیں، کوشش کی جائے کہ وہاں دو ملگیاں خدام مسجد کو دی جائیں، اس کی کرایہ داری ان کے نام منتقل نہ کی جائے؛ کیوں کہ آج کل مساجد کی املاک کو لوگ اپنی ملکیت سمجھنے لگتے ہیں، اگر کرایہ داری ان کے نام کر دی جائے اور خادمین مسجد وہاں سے استعفاء دے دیں تو واپس لینا دشوار ہو جائے گا، اور جن دیگر حضرات سے یہ خدمت متعلق ہوگی پھر وہ اس سہولت سے محروم ہو جائیں گے؛ اس لئے امام ومؤذن کو زبانی طور پر کرایہ

دار بنادیا جائے اوران سے رعایتی کرایہ لیا جائے۔

مالی مصارف میں دینی خدّام کوترجیح دیں!

کارِخیر تو بہت ہیں، مگر علماء کرام کا مستغنی ہوجانا انہیں دینی خدمات کے لئے یکسو رکھے گا، معاشی یکسوئی کے بغیر ذہنی یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، سرکار، دربار کا دباؤ نہیں رہتا، سیاسی قیادت سے زیادہ دینی قیادت پر لوگوں کو اعتماد ہے، امت مسلمہ کی ذمہ داروں کو چاہئے کہ دیگر رفاہی کاموں یا عصری تعلیمی اداروں کے مقابلہ میں مکاتب ومدارس کو ترجیح دیں، کمزور سے کمزور عالم، حافظ ایک علاقہ، بستی، گاؤں یا مسجد کو سنبھالیتا ہے، گمراہ فرقوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہوجاتا ہے، ملک میں بسنے والے اسلام مخالف مسلم دشمن قوانین کے بارے میں فکر مند ہوجاتا ہے، شیر سوتا بھی رہے جنگل محفوظ رہتا ہے، گاؤں دیہاتوں کے مسلمانوں کا ایمان محفوظ رہتا ہے، کھانے پینے، رہنے پہننے میں جو سطح علماء وحفاظ اور ائمہ کرام سہہ چکے ہیں مزید سہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، اتنا کسی طبقہ نہیں کرسکتا، مالدار طبقہ سے صرف اسکا گھر دنیوی ضرورتوں سے مستغنی ہوتا مگر دینی لحاظ سے فقیر رہتا ہے، جبکہ حافظ وعالم کے ذریعہ بہت سے گھرانوں میں شریعت کا چراغ روشن ہوتا ہے، خدام دین کا ایک بڑا مجمع تیار ہوجا تا ہے، کروڑوں کے مالک اپنی بگڑی اولاد کے لئے بے چین ہو کر انہیں عالم کے پاس دعا کے لئے آتے ہیں۔

مساجد میں قمری تاریخ کالحاظ رکھیں!

ویسے ہر مسلمان کو چاہئے کہ قمری تاریخ کالحاظ رکھے لیکن خاص طور پر مدارس، مساجد سے تعلق رکھنے والے طبقہ کی ذمہ داری ہے کہ اس کو ترجیح وزیادہ رواج دیں، اور ہجری تاریخ کے مطابق اپنے معاملات طے کریں، لہذا تنخواہ دینا، سالانہ بونس دینا تنخواہ اضافہ کرنا وغیرہ قمری لحاظ سے کریں۔

آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی ہے کہ ’’گنجائش شمسی مہینہ کالحاظ کر کے لینے

دینے کی بھی ہے اور بہتر یہ ہے آئندہ قمری مہینوں کو ملحوظ رکھ کر تنخواہ کا لین دین طے کرلیں زمانۂ گذشتہ میں جو لین دین ہوگیا اب اس میں تغیر تبدل نہ ہوگا"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱)

امام کی تنخواہ کاٹنے کا حکم

اگر امام صاحب غیر حاضری کریں تو اخلاقاً تنخواہ نہ کاٹی جائے کیونکہ جو تنخواہیں سماج میں دی جارہی ہیں وہ خود ایسی ہیں جیسے کٹ کٹا کر مل رہی ہوں، پھر اس میں سے بھی کاٹیں گے تو کیا بچے گی؟ اس لئے ضرورت کی بناء پر ہونے والی غیر حاضری کو معاف کر دینا چاہئے، نیز نائب امام بھی رکھنے کی کوشش کی جائے۔

البتہ از روئے فقہ امام صاحب کو اپنی ضروریات وراحت کے لئے ایک ہفتہ یا پندرہ دن سے کم تک غیر حاضری کی اجازت ہے، دراصل اس مسئلہ کا مدار عرف پر بھی ہے کہ جتنے دن غیر حاضری معروف ہوا تنے ایام غیر حاضری کے بعد بھی وہ تنخواہ کے حقدار رہیں گے، ان ایام کی تنخواہ کاٹنا جائز نہیں ہے، چونکہ یہ عرف اور شرع دونوں کے خلاف ہے۔"المعروف کالمشروط"

مگر افسوس اگر امام صاحب کسی مجبوری کی وجہ سے کسی دن دو منٹ لیٹ ہو گئے؛ تو گلا پھاڑ پھاڑ کر امام صاحب کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ آئندہ یہ غلطی نہیں ہونی چاہیے۔ تنخواہ کاٹنے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ جی وہی تنخواہ جس سے امام صاحب کے گھر کا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے۔ جی وہی تنخواہ جتنے کا بیڑی سگریٹ ہمارے صدر وسکریٹری صاحبان صرف ایک دن میں ہضم کر جاتے ہیں۔

---

(۱) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر 600115

ذمہ دارانِ مساجد کی مجموعی ذمہ داریاں

امامت کے ساتھ تبلیغی کام میں شرکت کی شرط لگانا

مولانا محمد حامد ناصری قاسمی صاحب لکھتے ہیں" آج کل مسجدوں میں امام کے ساتھ ایک نیا فتنہ شروع ہوگیا ہے، (دعوت وتبلیغ کے کام کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں، لیکن آج جو صورت حال پیش آرہی ہے وہ افسوسناک ہے) اگر کسی مسجد میں تبلیغی احباب کی کثرت ہے تب تو کھلے عام امام ومؤذن کے ساتھ سال، چلہ، چار ماہ کی شرط لگائی جارہی ہے اور اگر اکثریت نہیں ہے؛ تو پس پردہ ان کے خلاف سازشیں ہورہی ہیں اور اگر ایسے لوگ کمیٹی میں ہیں؛ تو امام ومؤذن کو ذلیل کرکے نکالا جارہا ہے۔ ہندوستان میں ایسے سینکڑوں واقعات رونما ہوچکے ہیں۔ بڑے بڑے عالم مسجدوں سے اس لیے نکالے گئے کہ سال نہیں لگا ہے، فضائل اعمال یا منتخب احادیث کی تعلیم میں شریک نہیں ہوتے اور ان کی جگہ پر چلہ لگائے ہوئے جاہل منبر پر بیٹھ کر، قرآن وحدیث سے قطع نظر بے سند باتیں سناتے نظر آتے ہیں۔ ابھی دوسالوں سے ایسی مسجدوں میں ان فتنوں کا اضافہ ہوگیا ہے اور وجہ یہ ہے کہ امام صاحب تبلیغ کے کس دھڑے کو حق مانتے ہیں، اگر مرکز نظام الدین سے تعلق ہے؛ تو اچھا، ورنہ باہر کا راستہ دکھادیا جاتا ہے"۔ اور بعض جگہ شوریٰ سے جڑا ہے تو ٹھیک ورنہ معزول کردیں گے۔

سال نہ لگانے پر امامت سے نکال دینا

عالم کا کام تفسیر وحدیث کی تعلیم وتدریس، امت کی ضروریات کے پیش نظر فتاوی نویسی کے ذریعہ ان کی رہبری، زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ان کو مسائل بتانا لوگوں کے بگڑے ہوئے عقائد کو درست کرنا، فرق ضالّہ اور فرق باطلہ کے حملوں سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانا، عبادات، اخلاقیات اور معاملات میں بگاڑ کی وجہ سے قدم قدم پر ان کی رہنمائی کرنا، طرح طرح کے اٹھنے والے آئے دن کے فتنوں کو دبانا، امت کے گھریلو مسائل، سماجی اور سیاسی مسائل کو دیکھنا اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کو ہدایت دینا، اس طرح کے

بہت سے امور ہیں جو جماعت میں جانے اور سال لگانے سے کہیں زیادہ اہم ہیں، یہ سب دین کے اہم کام ہیں، انہیں چھوڑ کر غیر اہم کام میں یعنی جماعت میں سال لگانا عالم کے لیے مناسب نہیں۔ تاہم اگر کوئی عالم فارغ البال ہے اپنی خوشی سے جماعت میں ایک سال کے لیے جانا چاہتا ہے تو جاسکتا ہے لیکن عالم کے لیے سال لگانے کو ضروری قرار دینا، جو عالم جماعت میں سال نہ لگائے اسے امام نہ بنانا، مدرس نہ رکھنا، یا مسند تدریس اور امامت سے انہیں ہٹا دینا، یہ سب غلو کی باتیں ہیں، دین میں غلو اختیار کرنے سے قرآن پاک میں ممانعت آئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱)

اس مسئلہ میں اس قدر غلو پایا جاتا ہے کہ کہیں کہا گیا کہ آپ جب تک تبلیغ میں ایک سال نہیں لگاؤ گے اس وقت تک ہم آپ کو پگڑی نہیں پہنائیں گے، آپ کو تبلیغی سال لازمی لگانا ہے، ورنہ آپ پکے مولوی نہیں ہوں گے، ایک شخص نے کہا تم پر سال لگانا فرض ہے، ایک شخص نے کہا اگر تم نے تبلیغی ایک سال لگایا تو اللہ تعالیٰ تم کو چمکا دیں گے، جب مسجد جائیں یا کسی مجلس میں بیٹھیں تو پہلے سوال یہی ہوتا ہے کہ سال لگایا ہے؟ جواب میں ''نہیں''، ہو تو جوابات ایسے ہوتے ہیں کہ سال لگانا فرض سمجھ میں آتا ہے، بغیر سال لگائے عالم یا غیر تبلیغی طالب علم کو انتہائی نیچی نظر سے دیکھتے ہیں جو سال لگائے یا ان سے جڑے رہے تو عزت کرتے ہیں ورنہ تو تبلیغ کا دشمن سمجھتے ہیں۔

''واضح رہے کہ تبلیغ میں وقت لگانا اصلاح نفس اور دین کی دعوت کے احساس کو اجاگر کرنے کے لیے بہت مفید ہے، لیکن اس میں افراد کی نوعیت اور نجی معاملات کا خیال کرنا چاہیے مصلحت کے ساتھ ترغیب دینی چاہیے اگر کوئی شخص عذر پیش کرتا ہے تو اس پر بلاوجہ جبر نہیں کرنا چاہیے، اس دور میں بے علمی اور بے عملی عام ہے، عوام تک دین پہنچانے اور ان کے دین کو پختہ کرنے کے لیے موجودہ تبلیغی کام بے حد مفید ہے اور اس کا مشاہدہ

---

(۱) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 67161

ہے، لیکن جو شخص دوسرے طریقہ سے دین حاصل کرے اور اسے دوسروں تک پہنچائے، اسے حقارت وتنگ نظری سے نہ دیکھا جائے۔(۱)

امام کو چوبیس گھنٹوں کا پابند کرنا

امام کی تقرری کے وقت تنخواہ تو امامت کی متعین کی جاتی ہے، لیکن دو وقت مکتب پڑھانے کی شرط لگا دی جاتی ہے۔ بعض جگہوں پر یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ آپ کو اپنی تنخواہ چندہ کرکے خود نکالنی ہوگی اور چندہ میں سے تنخواہ لینے کے بعد، جو کچھ بچے اس کا حساب کمیٹی کو دینا ہوگا اور کہیں مطلق چندہ کی ہی شرط رہتی ہے کہ ماہانہ چندہ اور ضرورت پڑنے پر تعمیری چندہ بھی کرنا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ جب کہ یہ سب ذمہ داریاں مسجد کمیٹی کی ہے نہ کہ امام ومؤذن کی۔

امامت درحقیقت چوبیس گھنٹے کا کام نہیں، اگر کسی مسجد کی کمیٹی چوبیس گھنٹے مسجد میں رہنے کا پابند کرے تو انہیں چوبیس گھنٹوں کی تنخواہ بھی دینا ضروری ہے، اگر معاہدہ چوبیس گھنٹے کا نہ ہوا مگر تنگ کرنے کی نیت سے ایسا مطالبہ کیا جائے تو یہ ظالمانہ روّیہ اور ناجائز حرکت ہے۔(۲)

امام صاحب اگر فوت ہو جائیں تو بیوہ کی کفالت

اگر کسی مسجد کی خدمت کرتے ہوئے امام صاحب فوت ہو جائیں تو مسجد میں بیت المال کا نظام ہونا چاہیئے جہاں سے امام صاحب کی بیوہ اور ان کے یتیم بچوں کی کفالت کا نظام، ان کے تعلیمی اخراجات برداشت کئے جائیں، بیت المال سے جہاں دیگر محتاجوں کو دیا جاتا ہے وہیں امام کی بیوہ اور یتیم بچوں کو دینے کے اہتمام کے ساتھ عوام جو خدمت امام صاحب کی حیاۃ میں کیا کرتے تھے وہ خدمات جاری رکھنا چاہیئے، نیا امام آنے کے بعد بھی جب تک امام کی بیوہ کا نکاحِ ثانی نہ ہو جائے اس وقت تک کفالت کا نظام جارر کھنے کو اپنے ذمہ لازم

(۱) دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر: 144405101664)

(۲) مستفاد: فتاوی رحیمیہ: ۴/ ۳۶۲

سمجھ لیں۔(۱)

آج شاید کوئی مسجد ہو جہاں خدمت کرتے کرتے امام صاحب کی جان نکل گئی مگر کوئی خوش نصیب کمیٹی جس نے امام صاحب کے احسانات کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے پس ماندگان کی خدمت کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوں، حال تو یہ ہے کہ پچیس پچیس سال خدمت کرنے کے بعد کچھ شرم وحیاء کے بغیر فوراً نوٹس بھیج دیتے ہیں، اتنے سالوں کی خدمت کا کوئی صلہ بھی نہیں دیا جاتا، خدمات کا اعتراف بھی نہیں کیا جاتا، بلکہ جھوٹے الزامات لگا کر بر طرف کر دیا جاتا ہے۔ ایسی بے حس و بے وفاء قوم شاید کسی اور مذہب میں پائی جاتی ہو۔

جمعہ کی خطابت عالم دین کے ذمہ رہے

خطبات جمعہ کو اصلاح اور تربیت کا ذریعہ بنائیں، تفریح کا ذریعہ نہ بنائیں، تفریح کے لئے تنوّع ضروری ہے بڑے شہروں میں یہ مزاج ہے کہ امام صرف نماز پڑھاتا ہے، خطبات کی ذمہ دار کوئی اور ہوتا ہے، کہیں تو بدل بدل کر خطباء آتے ہیں، کہیں تو مسجد کا کوئی خطیب متعین ہی نہیں ہوتا، جب جو جماعت آئی بیان ہوگیا، یہ طریقہ تربیت کے لیے نقصاندہ ہے، اصلاح اور تربیت وقت چاہتا ہے، جس میں مزاج سمجھنا، خوبیوں اور خامیوں سے واقف ہونا ضروری ہے، کبھی کبھار خطاب کرنے والے سے کوئی اصلاح کی توقع نہیں کی جا سکتی، لہٰذا خطبہ کا حق امام کو رہے، کبھی کبھار کسی خطیب کو بلوا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یا امام کے علاوہ کوئی شخص خطابت پر فائز ہو تو مستقل ہو۔

عناوین کے انتخاب میں امام آزاد رہے، یہ قوم کے نباض ہیں، پتہ رہتا ہے کہ کس کی اصلاح کیسی کرنی ہے، البتہ مناسب مشورہ دیں، مگر دخل اندازی نہ کریں، کسی منکر پر نکیر سے رنجیدہ نہ ہوں، ہم میں تبدیلی آنے میں دیر لگتی ہوگی مگر دوسروں کو توبہ کرنے کا موقع

(۱) مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/ ۲۷۳

دیں، یہ شکایت نہایت افسوس ناک ہے کہ فلاں عناوین پر تقریر کرنا منع ہے، کیونکہ ہم خود ان گناہوں میں ملوث ہیں۔ امام مرحلہ وار خطبے، دروس اور میل جول کے ذریعہ عوام کی تربیت کرتا ہے، کہیں عوام سے کہیں تبلیغی ذمہ دار سے کام چلا لینے کے بہت سنگین نقصانات ہیں جو گہری نظر رکھنے والوں کو وقت کے ساتھ دکھائی دے رہے ہیں۔ چونکہ لوگ خطباتِ جمعہ کو اصلاح اور دعوت کا وسیلہ سمجھنے کے بجائے تفریح کا ذریعہ بنالیا ہے اور تفریح بغیر تنوع کے تو حاصل کی نہیں جاسکتی۔ اس لیے یہ مزاج بنتا جارہا ہے کہ امام صرف نماز پڑھالے اور خطبے کی ذمہ داری بدل بدل کر الگ الگ عوام انجام دے گی۔

یادرہے کہ منبر ومحراب سے اٹھنے والی واحد آواز ہے جس میں جذبۂ خالد بن ولید باقی ہے، اس میں وہ طاقت ہے جو سمندر کی موجوں میں نہیں، اس میں سمندری طوفان، گرجتے بادل، بجلی کی کڑک سے زیادہ طاقت ہے، اس آواز میں ایوانوں میں زلزلہ لانے کی سکت ہے، ایسا بہترین نظام صرف اسلام میں ہے، اسے نااہل غیر عالم کے حوالے کر کے ضائع ہونے نہ دیں۔

آج معاشرہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو غریب کو راشن دیں، کھانا، پانی کپڑا، مکان دیں، مگر ایسے افراد کی کمی ہے جو غریب کو اسکا دین اور مالدار کو اسکا دین دیں، اور ''**لا یخافون لومة لائم**'' کا مصداق ہوں، ایسے امام وخطیب کی تلاش نہ ہو جو اشارہ پر چلتا ہو بلکہ ایسا ہو جس کے اشارہ پر سماج چل پڑتا ہو۔

ڈاکٹر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی لکھتے ہیں: ''منبر رسول ﷺ سے کبھی تقوی وطہارت، علم وحکمت، فہم وفراست، وقار ومتانت، خلوص وللہیت کے حامل علماء کرام خطاب فرمایا کرتے تھے جو نہ صرف عوام الناس بلکہ حکومتِ وقت کی غلطیوں پر بے خوف وخطر آگاہ اور متنبہ کرنے کا ملکہ رکھتے تھے تو دوسری طرف معاشرے میں پنپنے والی خرابیوں کا بروقت قرآن وحدیث کی روشنی میں حل پیش کرنے کی کوشش کرتے اوران کا تدارک کرنے کی

ہر ممکنہ کوشش کرتے تاکہ آج کی خرابی کل معاشرے کے لیے ناسور نہ بن جائے''۔

اس مبارک مقام سے کم علم کے بجائے ذی علم کا خطاب ہو، انتظامی کمیٹی کی ہاں میں ہاں ملانے والا نہ ہو، اپنی مخصوص ذہنیت رکھنے والی عوام یا دعوت و تبلیغ کے ساتھیوں کو منبر پر چڑھانے کے بجائے سند یافتہ و تربیت یافتہ عالم کے حوالے کیا جائے، وہ لوگ جو دین کے ایک شعبہ کو ہی پورا دین سمجھ کر دیگر شعبوں کی تحقیر کرنے لگتے ہیں انکا اس منبر سے بیان کرنا ممبر رسول ﷺ کی توہین ہے۔

عناوین کے انتخاب میں آزاد رکھیں!

عناوین کے انتخاب اور خطبہ کی تیاری کے لیے امام صاحب کو آزادی دیں۔ امام قوم کے نباض ہوتے ہیں۔ ان کو پتہ ہے کہ اصلاح کس کی اور کیسی کرنی ہے۔ ان کے کام میں دخل اندازی نہ کریں۔ اگر وہ معاشرہ میں پھیلی کسی برائی کی اصلاح کر رہے ہوں تو بیان پر روک لگانے کے بجائے اپنی اصلاح کی طرف توجہ دیں، یا توبہ و بدلنے کا اردہ کرتے رہیں، ائمہ کرام کو شکایت رہتی ہے کہ ان کی مسجد میں فلاں، فلاں گناہ کے خلاف تقریر کرنے پر اس لیے پابندی ہے کیونکہ کوئی ٹرسٹی یا کچھ ٹرسٹیان ان گناہوں میں ملوث ہیں۔

''مستند اور باوقار علماء کے تقرر کرنے میں مسجد کی انتظامی کمیٹی اس لیے پس و پیش میں رہتی ہے کہ کہیں وہ ان کی من مانی پر گرفت کا سبب نہ بن جائے اور خوبصورت بہانہ یہ بنا دیا جاتا ہے کہ مسجد کی انتظامی کمیٹی کا مالیہ اتنا مستحکم نہیں ہے کہ وہ مستند عالم دین کا تقرر کر سکے۔ ہر محلہ کے متمول حضرات اپنی ذمہ داری کو سمجھیں تو یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے، مستند عالم دین کا تقرر ہوگا تو مصلیوں کو علمی و اصلاحی تقاریر سننے، مسائل کو بروقت جاننے اور اس کے مطابق اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے کا موقع مل جائیگا جس کا اجر و ثواب حد شمار سے بھی ماوراء ہے۔ مسجد کی انتظامی کمیٹی کی تشکیل میں ہماری اولین ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ایسے اوصاف کے حامل شخصیات کا انتخاب کریں جس کا ذکر ہمیں اس ذات بابرکت کے کلام مقدس میں ملتا ہے جس

کی فرمانروائی وحکمرانی فرازِ عرش سے تحت الثری تک ابدی طور پر جاری وساری ہے''۔(۱)

اصلاح معاشرہ کے کام کا ائمہ کے علاوہ ذمہ دار کون ہے؟

اخلاقی برائیوں کی طرف نظر کی جائے تو جھوٹ ،فریب، دھوکہ، خیانت، تکبر، ظلم، فحاشی، حسد، بدگمانی اور غیبت وغیرہ ان میں سے بیشتر عیوب ہمارے اندر موجود ہیں ۔ان مہلک بیماریوں کے شکار ہر جگہ موجود ہیں ۔سوال یہ ہے خیانت کے مرض کا شکار کسی فرد کو ادارے کا رکن یا سربراہ بنایا جا سکتا ہے؟ رشوت کا عادی ملازم لوگوں کی خدمت کرے گا یا ان کا جینا دوبھر کردے گا؟ انصاف سے عاری جج صاحب اور جھوٹا وکیل ہمارے کس کام کا؟ والدین کے حقوق سے ناواقف بگڑی ہوئی اولاد کیا گل کھلائے گی؟ فحاشی میں مبتلا نوجوان قوم کو کیا مستقبل فراہم کرے گا؟ حسد، بدگمانی اور غیبت میں مبتلا لوگ دفاتر کا کیا ماحول بنائے گا؟ تکبر میں مبتلا حکمران اپنی رعایا کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا؟ یہ وہ گنتی کی چند اخلاقی برائیاں ہیں جس کا ہمیں قدم قدم پر سامنا کرنا پڑ رہا ہے ۔لہٰذا جب تک تزکیہ وتربیت کے عمل میں تیزی لا کر ان کو دور نہ کیا گیا تو یہ برائیاں بڑھتی چلی جائیں گی، اللہ نہ کرے اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ہمارے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں جینا مشکل ہو جائے گا۔

اوران سب پر بولنے کا حق صرف عالم امام کو ہوتا ہے انہیں کی ذمہ داری ہے، لہٰذا اس بہترین موقع کو عوام کے حوالے کرکے ضائع نہ کریں، ائمہ کرام کا صرف کسی ایک طبقے سے تعلق نہیں رہتا؛ بلکہ ان کے نمازیوں میں مزدور، طالب علم، وزیر، حکمران، اساتذہ، سرکاری وغیر سرکاری ملازمین، افسر، پولیس، فوجی، قانون دان، سیاست دان، دکاندار، تاجر، اور بے روزگار سب شامل ہیں ۔جب ان کے سامنے قرآن وحدیث کی واضح ہدایات پیش کی جائیں اور ساتھ ساتھ انھیں فکرمند کیا جائے کہ وہ ان ہدایات کو اپنے عملی ماحول میں اپنانے کی

---

(۱) مضامین ڈاٹ کام، 22 اکتوبر، 2018

کوشش شروع کریں۔اس طرح وہ ایک صاحب ایمان کا کردار ادا کرسکیں گے اور اپنے قول وفعل میں صداقت و امانت کے ساتھ ایک مثالی گھرانہ،مثالی معاشرہ اور ایک مثالی ریاست کا نمونہ پیش کریں گے،ان شاء اللہ۔

ہتھیلی میں سرسوں نہ اگائیں

مفکر اسلام علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ہماری قوم ہتیلی میں سرسوں اگانا چاہتی ہے،یوں کسی کو قائد بنایا تو فوراً نتیجہ کیا مطالبہ کرتی ہے" یہاں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ یہ تمام باتیں اس وقت اثر انداز ہوں گی جب ائمۂ مساجد اپنی اصلاح کا عمل بھی مستقل جاری رکھیں گے۔نیز اپنے مقتدیوں کی بھرپور نگرانی کریں گے؛بلکہ انفرادی طور پر احوال لیے جائیں مثلاً ایک وکیل سے پوچھا جائے کہ جھوٹ پر کتنا قابو پایا؟ ملازم سے پوچھا جائے کہ رشوت پر کتنا کنٹرول ہوا؟ وغیرہ۔ائمہ مساجد جب مذکورہ بالا امور کا اہتمام کریں گے تو ان کے فکر وعمل اور محنت کے ثمرات نظر آنا شروع ہو جائیں گے۔اس حوالے سے ایک بات سمجھنا بہت ضروری ہے کہ بعض اوقات ہم ایک مہینہ جان توڑ محنت کرتے ہیں اور نتیجہ ہاتھ نہ آنے کی صورت میں مایوسی کا شکار ہو کر محنت کم کر دیتے ہیں یہ جلد بازی والی بات ہو جائے گی۔دنیا میں آج تک جتنے بھی کامیاب تجربات ہوئے ہیں وہ طویل المیعاد رہے ہیں۔لہٰذا کم از کم پانچ سال محنت کرنے کے بعد آپ کو کچھ آثار دکھائی دیں گے۔اس دوران مختلف طرح کے نشیب وفراز کا سامنا رہے گا،جس میں مقتدیوں کی عدم توجہ،عدم دلچسپی، بے کسی،وسائل کی کمی،کبھی بہت کثرت کے ساتھ مجمع اور کبھی گنتی کے دو چند ساتھی،کبھی حوصلہ افزائی کی بھرمار اور کبھی اعتراض کے تیر وغیرہ؛غرض ان تمام حالات میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا پڑے گا،ایسے وقت میں نہ جذباتیت سے کام چلے گا اور نہ ہی ہتھیار پھینک کر ایک طرف ہونے سے بلکہ بہت حکمت،سوچ بچار اور ہمت کے ساتھ معاملات کو قابو کرنا پڑے

گا۔(۱)اور یاد رہے کہ "اللہ کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں" اس طرح کا جملہ نہیں کہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہر قسم کے نقص وکمی سے پاک ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر کام کو اپنی مرضی کے مطابق اس کے وقت مقررہ پر انجام دیتے ہیں تو اللہ کے یہاں نہ دیر ہے نہ اندھیر۔

منبر کی حفاظت کریں

[۱] دینی تحریکیوں میں اعتدال سے تعلق رکھیں، کسی بھی چھاپ کو اپنے تعارف کا ذریعہ نہ بنائیں، منبر کی شبیہ کو متاثر ہونے نہ دیں۔

[۲] اصلاحی دعوتی کام کے لیے مستند اور تجربہ کار علماء سے رابطہ میں رہیں، علاقے کے احوال سے باخبر کسی مستند عالم کو مسجد کے دعوتی امور کا نگراں بنالیں۔

[۳] منبر کا تقدس ہمیشہ ذہن میں رکھیں، یہ خالق ومخلوق کے درمیان گہرے ربط کا ذریعہ ہے، غیر مستند، اور غیر متشرع کو منبر پر جگہ دے کر ہدایت اور اصلاح کے اس منبع کو آلودہ نہ کریں، اس لئے غیر علماء کو منبر سے بولنے کی اجازت نہ دیں، اسکا حق مستند ادارہ سے فارغ عالم دین کو ہی حاصل ہے، ورنہ فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔

[۴] کمیٹی کا ہر فرد اتنا کچھ سیکھا ہوا ہو کہ امام صاحب کی عدم موجودگی میں سری وجہری ہر طرح کی نماز پڑھا سکے۔

مساجد کو خود مکتفی بنائیں

رسول اللہ ﷺ کی دعائیں اپنی معنویت کے اعتبار سے جواہر پاروں سے کم نہیں ہیں، جس دعاء کو سنئے اور اس کا مفہوم سمجھئے دل میں تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ یہ دعاء ضرور کرنی چاہئے، ان ہی دعاؤں میں ایک یہ ہے: **اللھم انی اسئلک الھدی والتقیٰ والعفاف**

---

(۱) دارالعلوم ،شمارہ :2-3، جلد:104، جمادی الاول 1441ھ مطابق اپریل مئی 2020ء)

والغنی"(۱) یعنی اے اللہ! مجھے ہدایت، تقویٰ، کردار کی پاکیزگی اور غنا عطا فرمائیے۔

موجودہ حالات اس بات کی طرف توجہ دلاتی ہے ہم مساجد و مدارس خود مکتفی بننے کی کوشش کریں اس میں خود کفیٹی کے لئے سہولت اور کام کرنے والوں کے لئے بھی ذہنی سکون ملتا ہے، لیکن اس بات کا بھی لحاظ رکھیں کہ اگر کوئی خود مالی خدمت کرنا چاہتا ہے اس کو منع بھی نہ کریں، کیونکہ اس کا مسجد کے لئے خرچ کرنا مسجد سے لگاؤ و محبت کی بات ہوتی ہے۔

خود مکتفی بنانے کے لئے مسجد کے اگلے حصہ میں ملگیوں کی تعمیر، مسجد کی جگہ میں لڑکوں کے لئے ہاسٹیل کا نظام، مسجد کی پراپٹی میں کرایہ کے مکانات، مسجد کی اوقاف میں کامپلکس، مسجد کے کمروں میں اسلامک اسکول وغیرہ ذریعہ آمدنی ہوسکتے ہیں، البتہ خود مکتفی ہونے میں عوام کے چندے کی تحقیر نہ کریں، جو مساجد عوامی چندے سے کٹ جاتی ہیں وہاں کمیٹیوں کی غنڈہ گردی ہی دیکھی گئی ہے۔

تعمیر مسجد کے ساتھ ائمہ کرام کے لئے گھر بنائیں

امام کے لیے فیملی کے ساتھ رہائش کا بندوبست ضرور کریں، مسجد کی تعمیر کے وقت ہی یہ ذہن میں رہے کہ امام کے لیے علیحدہ کمرے کا انتظام/ اگر فیملی ہو تو گھر کا انتظام من جانب مسجد ہوگا، افسوس کی بات ہے کہ دینی رہنما کو زندگی کا بنیادی حق بھی فراہم نہیں ہو پاتا، دینی رہنمائی کے لیے جس ذہنی سکون اور سماجی شعور کی ضرورت ہے وہ قیدی کی طرح زندگی بسر کررہے کسی امام کو میسر نہیں ہوگا، گھر نہ ملنے کی صورت میں اہل خانہ سے لمبی مدّت تک دور رہنا شرعاً، عقلاً، اخلاقاً، اولاد کی تربیت کے حوالے سے، جسمانی صحّت کے اعتبار سے نقصاندہ اور بے راہ روی کا سبب ہے، سال بھر اپنی بیوی سے دور رہنے والا امام کیسے خشوع خضوع سے نماز پڑھوائے گا؟

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث :۲۷۲۱

رسول اکرم ﷺ نے اپنی رہائش مسجد نبوی سے متصل حجروں میں رکھی تھی، لہٰذا ائمہ کرام کو بھی مسجد سے متصل رہائش ملنی چاہیے تا کہ دینی راہ نمائی میں عوام کے لیے مشکلات نہ ہوں۔اور تمام اُمور اچھے انداز سے بروقت انجام دیے جاسکیں۔

مسجد کی انتظامیہ کا اہلِ محلہ وعلاقہ کے ساتھ رویہ کیسا ہو؟

٭مسجد کی انتظامیہ کو علاقے میں بالکل غیر جانبدار ہو کر رہنا چاہئے، کسی بھی سیاسی پارٹی وغیرہ کا نہ تو حصہ بنیں اور نہ ہی کسی قسم کی جانبداری سے کام لیں۔

٭کبھی اہلِ محلہ یا نمازیوں میں سے بالخصوص کوئی بُزرگ نمازی تنقید کر دے یا کسی بات پر جھاڑ دے تو ناراض ہونے یا اُلٹا جواب دینے کے بجائے مسکرا کر موقع گزار دیں اور کئے گئے اعتراض پر بھی غور کریں۔

٭مسجد کی انتظامیہ کو اہلِ علاقہ اور نمازیوں کے ساتھ مشاورت کے بعد مسجد کھولنے اور بند کرنے کے حوالے سے بھی وقت مقرر کرنا چاہئے البتہ پھر بھی اتنی گنجائش رہنی چاہئے کہ اگر کوئی نمازی چند منٹ زیادہ مسجد میں عبادت میں مصروف رہنا چاہتا ہو تو ناراضگی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے نیز اگر اس ٹائم سے ہٹ کر بھی کوئی نمازوں، نوافل یا تلاوتِ قرآن وغیرہ کے لئے مسجد میں آجائے تو ممکنہ صورت میں اسے عبادت کا موقع دینا چاہئے، ہاں البتہ اگر کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو طے شدہ اصول پر عمل کرنا چاہئے۔

٭مسجد کا کوئی نمازی بیمار ہو جائے تو امام صاحب کے ساتھ مسجد کی انتظامیہ کو بھی عیادت کیلئے جانا چاہئے اس سے جہاں ایک مسلمان بھائی کی عیادت کر کے سنّتِ رسول ﷺ پر عمل ہو گا وہیں وہ نمازی بھی مستقل مسجد کی آباد کاری کا سبب بنا رہے گا، اسی طرح اگر علاقے میں کوئی میّت ہو جائے بالخصوص کسی نمازی یا اس کے رشتے دار کا انتقال ہو جائے تو نمازِ جنازہ اور کفن دفن کے معاملات میں مسجد کی انتظامیہ کا شریک و معاون ہونا بھی مسجد کے لئے بہت مفید رہتا ہے، یوں لوگ جہاں مسجد کے قریب ہوں گے وہیں مسجد کی

ضروریات میں معاون بھی ہوں گے۔اسی طرح خوشی وغمی کے دیگر مواقع پر بھی جس قدر مناسب ہوشرکت کرنی چاہیئے۔(۱)

مصلیانِ مسجد کو رفیق بنالیں

۱۔سب کو ساتھ لے کر چلیں،علاقہ کے اہل علم، دین دار، اہل ثروت اور بااثر،نیز نوجوانوں کو نظرانداز نہ کریں ان کو مشورہ میں شامل رکھیں،مسجد مسلمانوں کے اتّحاد کامراکز ہیں اس کو گروپ بندی کی سیاست کا اکھاڑانہ بنائیں،الگ گروپ بنانے کاموقع نہ دیں،مسجد کے انتظامی معاملات میں مسلمان کا مضطرب ہوجانا ایک فطری امر ہے چونکہ مسجد نہ صرف جائے نماز ہے بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے ہمہ مقصدی مرکز بھی ہے،عموماً جس طرح معاشی بدحالی یا بچہ کی ذہنی صلاحیت کمزور ہوتو والدین اسے کسی دینی مدرسہ میں داخلہ دلواتے ہیں مساجد کی انتظامی کمیٹی کی تشکیل میں بھی ہماراطرز ویسانہ رہے۔

۲۔نمازیوں سے بداخلاقی سے پیش نہ آئیں۔اگر ہمارے رویہ کی وجہ سے کسی نمازی نے چندہ دینایا مسجد آنا چھوڑ دیا تو وہ محروم ہوگا ہی ساتھ متولی صاحب بھی گناہ گار ہوں گے،اگر متولی کے رویہ سے یا کسی نمازی سے تلخ کلامی کے باعث کوئی ساتھی ناراض ہوکر مسجد آنا چھوڑ دے تو بہتر یہی ہے کہ اسے منالیا جائے۔

۳۔اگر نمازیوں میں کوئی صاحب بلکہ محلہ کا کوئی بھی شخص بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنی چاہیے بلکہ اگر چند ساتھیوں کے ساتھ عیادت کے لیے جایا جائے تو بہتر ہے۔ اہل محلہ میں سے کوئی فوت ہوجائے تو متولی کو خاص طور پر اس کا جنازہ پڑھنا چاہے۔

مصلیانِ مسجد کی تحقیر نہ کریں

بعض حضرات کے مزاج میں تحقیر پائی جاتی،چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی مخاطب کو کسی نہ

---

(۱) فیضان مدینہ، ماہنامہ مارچ 2021

کسی طریقہ پر حقیر ثابت کر دیتے ہیں، جبکہ یہ عادت نفرتوں کو جنم دیتی ہے، دراصل یہ کبر کی علامت ہے، اور حبِ جاہ کے مرض کی وجہ سے ہے، کہ جب تک دوسروں کو نہیں ڈانٹیں گے تو اپنا مقام ظاہر نہیں ہوگا، ظاہر ہے یہ عادت اگر متولی یا کمیٹی کے کسی فرد میں ہے تو وہ شخص تولیت و صدارت کا حقدار ہی نہیں ہوسکتا، مصلی یا امام وغیرہ کو ڈانٹنے کا کیا حق حاصل ہے؟ جبکہ مصلی مسجد کو چندہ دیتے ہیں، اور کمیٹی کا کوئی فرد شاید ایسا ہوگا جو اپنے جیب کا پیسہ لگا تا ہوگا، تو لینے والا دینے والے کا شکر گذار ہونے کے بجائے تحقیر کیسے کرے گا، اگر چندہ کا معاملہ نہ بھی ہو تو بھی یہ حق کہاں حاصل ہے؟ اگر کسی کا احترام نہیں کر سکتے تو ان کی تحقیر بھی نہیں کرنی چاہئے۔

رہتے رہتے یہ عادت بڑھتی جاتی ہے تو بعض مساجد کی کمیٹیاں امام ومؤذن کو اپنا نوکر سمجھتے ہیں، اور ان کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جیسے گھر کے نوکر کے ساتھ ہوتا ہے، حتی کہ ذاتی اور گھریلو کام بھی ان سے کروالیتے ہیں، بازار سے کچھ سامان منگوالینا، دوائی منگوالینا، بچوں کو اسکول سے لانا، سب کے سامنے اونچی آواز میں بات کرنا، نماز کے اوقات میں ان حضرات کی گرفت کرنا جس سے لگے کہ فلاں صاحب کمیٹی کے فرد یا صدر ہیں۔ یہ سب امور شرعاً درست نہیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص خود کو بڑا سمجھتا ہے، تو وہ اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں اس کی قیمت خنزیر اور کتے کے برابر بھی نہیں ہوتی۔

”فهو فی أعين الناس صغير و فی نفسه كبير حتى لهو أهون عليهم من كلب أو خنزير“۔(۱)

خوشامد پسند نہ بنیں

آج کل نیک مزاج متولی اور کمیٹی کے علاوہ عمومی مزاج خوشامد پسندی کا بن گیا ہے، چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری تعریف کے پل باندھیں، امام ومؤذن تو ہماری چاپلوسی کریں،

(۱) شعب الایمان، حدیث: ۸۱۴۰

جھوٹی تعریفیں کریں، لوگوں کے سامنے ہماری عزت کریں، جس کی وجہ بعض امام ومؤذن بھی خوشامدی بن گئے، جبکہ دونوں کا عمل خلافِ شرع ہے، ایسی حرکت سے دین کہاں باقی رہے گا۔

بعض کمیٹیاں خوشامد نہ کرنے پر امام ومؤذن کو تنگ کرنا شروع کر دیتے ہیں، وقت پر تنخواہ نہ دیں گے، ان کا کام کرنے میں یا ان کو ملاقات کرنے میں انتظار کروائیں گے، حتیٰ کہ امام ومؤذن کو رکھنے اور نکالنے کا مدار بھی خوشامد پر موقوف ہوتا ہے، چناچہ اچھا کام کرنے والے کو بھی اپنی دال نہ گلنے کی (اپنی خوش آمد نہ کرنے کی) وجہ سے نکال دیتے ہیں۔

کمیٹی کے افراد آپس میں متحد رہیں

کسی بھی قوم وملت کے وجود کو برقرار رکھنے کیلئے سب سے ضروری اور اہم چیز ان کی صفوں میں اتحاد واتفاق کا پایا جانا ہے، اتحاد ایک زبردست طاقت وقوت اور ایسا ہتھیار ہے کہ اگر تمام مسلمان متحد ومتفق ہو جائیں تو کوئی دوسری قوم مسلمانوں سے مقابلہ تو دور کی بات آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتی، حضور نبی کریم ﷺ، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے عہد کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جس کام کو بڑی بڑی قومیں اپنی طاقت کے بل بوتے پر نہیں کرسکیں، اُس کو مسلمانوں نے باہمی اتحاد واتفاق، اخوت وہمدردی آپسی بھائی چارگی اور اجتماعیت سے کر دکھایا۔

آج کے دور میں مسلمان جس قدر ذلیل وخوار اور رسوا ہے شاید اس سے پہلے کسی دور میں رہا ہو، اور جتنا کمزور آج کا مسلمان ہے شاید ہی اتنا کمزور کبھی رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں مسلمانوں کی بین الاقوامی طور پر کوئی اہمیت نہیں ہے اور دنیا کی تمام قومیں مسلمانوں پر ہی حملہ آور ہو رہی ہیں۔ ہر جگہ انہیں ہراساں کیا جا رہا ہے، ان کی عزت وناموس محفوظ نہیں ہے، ان کے املاک تباہ و برباد کئے جا رہے ہیں، بہت سارے ممالک میں انہیں تہ وتیغ کیا جا رہا ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، قرآن بھی اللہ بھی ایک
کیا بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک

کمیٹی کے دس گیارہ افراد اللہ کے گھر کی خدمت کے لئے منتخب ہوئے ہیں، یہ گیارہ افراد بھی آپس میں متحد نہیں ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی غیبت، عیب جوئی، آپسی مخالفت میں اتنے بے حس ہو جاتے ہیں کہ عوام سمجھ جاتی ہے کہ یہ سب بے کار قسم کے لوگ ہیں، جس سے دوسرے لوگ آسانی سے ان پر غالب آجاتے ہیں۔

لوگوں کو معاملات سے بے دخل نہ کریں

مسجد کی تولیت اور کمیٹی بننے کے بعد اس ذمہ داری کو خاندانی، ذاتی یا سیاسی وسماجی عہدہ نہ سمجھیں کہ کمیٹی کے افراد جو بھی کریں کسی کو پوچھنے کا حق نہیں ہے، گویا یہ اپنی ذاتی ملکیت وجاگیر ہے، خواہ مسجد کی تولیت ہو یا قبرستان کی تولیت، جبکہ ہم صرف انتظامی امور کے ذمہ دار اور امانت دار ہیں مالک نہیں ہیں، حتی کہ اگر کوئی نیک مشورہ مثبت اور سلیقہ سے بھی دے تو بھی رد کر دیا جاتا ہے بلکہ طعنہ کسے جاتا ہے۔ حضرات خلفائے راشدین میں سے کیا کسی نے لوگوں کی زبانوں کو بند کیا؟ نہیں! البتہ سماج میں جتنی منہ اتنی زبانیں ہیں، بلاوجہ تنگ کرنے والی عوام بھی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کو زیادہ اہمیت بھی نہیں دینا چاہئے، ہر اچھائی میں برائی نکالنے والا مجمع بھی ہوتا ہے، ان کی وجہ سے تنگ دل نہیں ہونا ہے، اور نہ ہی مسجد کی ذمہ دیاری سے سبکدوش ہونا ہے۔ نہ ہی عوام کو بے دخل کرنا ہے اور کٹھ پتلی بنے رہنا ہے، ہر کس وناکس کی باتوں کی وجہ کوئی ڈھنگ کا نظام نہیں بنا پا رہے ہیں۔

مسجد کے اطراف کی آبادی کا ریکاڈ محفوظ رکھیں

مسجد کمیٹی کو محلہ کے تمام افراد معلوم ہونا چاہئے ،اہلِ محلہ کو مسجد کے امور میں معاون بنائیں ،ان کا دلی لگاؤ مسجد سے ہو،اور اپنے پاس ایک کمرہ ایسا ہو جس میں سسٹم رکھا جائے ،جس میں مسجد کے مالیہ کا حساب بھی ہو اور مسجد کے آس پاس کتنے مسلمانوں کے گھر ہیں،کون کس برادری و خاندان کا ہے،اہلِ خانہ میں کتنے افراد ہیں، کتنے بچے یتیم اور کتنی خواتین بیوہ ہیں، کتنے نابالغ ،زیرِ تعلیم کتنے ہیں،ڈور نمبر،فون نمبر محفوظ رہے،بوقت ضرورت ان کی امداد کی جاسکے،کسی حادثہ کی بروقت اطلاع دی جاسکے ،سرکاری اسکیموں کا فائدہ پہنچانے کا بہترین نظام بنایا جاسکے،مصیبت زدہ لوگوں کی بروقت مدد کی جاسکے ،ارتداد کی لہر سے بچایا جاسکے ، آج بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اتنی ساری مساجد،مساجد کے اخراجات انہیں مسلمانوں سے ہوتے ہیں،مگر کمیٹی کے افراد کو ان معاونین واہلِ محلہ کی خیرخواہی کا دور دور تک خیال نہیں آتا ،مزید افسوس کہ مسلمانوں کا رکارڈ سرکاری دفاتر میں بھی محفوظ نہیں ہے، جبکہ یہ کام موجودہ حالات میں بہت ضروری ہے۔

محلّہ کی سطح پر اصلاحی کمیٹی قائم کریں

مسجد کے ذمہ داروں اور مصلیوں نیز محلہ کے بااثر وصالح لوگوں پر مشتمل ایک اصلاحی کمیٹی بنائیں جو ایک نظم کے ساتھ محلہ میں دعوت وتبلیغ اور اصلاح کا کام کرے،اور سب لوگ مل کر ہفتہ میں ایک یا دو دن محلے کے لوگوں کے پاس جائیں،ان سے ان کے گھروں ،دوکانوں اور کارخانوں پر شخصی طور سے ملاقات کریں،انہیں محبت وخیرخواہی کے ساتھ نیکیوں کی ترغیب کریں اور برائیوں سے باز رہنے کی تلقین کریں اور نمازوں کی پابندی اور مسجد کے پروگراموں میں شرکت کی دعوت دیں ۔اگر ان میں کوئی اختلاف یا برائی نظر آئے تو سب مل کر اسے ختم کرنے کی کوشش کریں ۔اور اگر کسی کو کوئی پریشانی یا ضرورت ہو تو سب

تعاون کریں، اور اس کی پریشانی کو دور کریں، اس سلسلے میں اگر کچھ لوگوں کی مخالفت کا سامنا ہو تو صبر سے کام لیں، اور پورے اخلاص ولگن سے سب اپنا کام جاری رکھیں۔

مغربی ممالک میں مساجد کا کردار

آج امریکہ و برطانیہ اور یورپ میں مساجد جدید سنٹر کی شکل اختیار کر رہی ہیں، مسجد میں معاشرتی زندگی کی وہ تمام ضروریات اور تقاضے پورے کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے جس کی فرد اور معاشرہ کو ضرورت ہے۔ ڈاکٹر عمر خالد آغا خان صاحب ایک سینئر ریسرچ اسکالر بتاتے ہیں کہ امریکہ میں آج تین طرح کی فن تعمیر میں مساجد نمایاں ہیں۔ ایک وہ جو روایتی ڈیزائن سے مزین مساجد ہیں، دوسرے وہ جو ان امریکن ڈیزائن اور روایتی ڈیزائن سے کا مرکب ہیں، تیسرے وہ ہیں جو مکمل طور پر جدید ہیں۔ مثلاً Indiana،Plainfield میں اسلامی سوسائٹی شمالی امریکہ کا ہیڈ کوارٹر۔ لیکن ان تینوں ہی طرح کی مساجد میں کلاسس روم کا اہتمام کیا جاتا ہے، وہاں لائبریری ہوتی ہے، کانفرنس سینٹرس ہوتے ہیں، کتابوں کی دکانیں، کچنس اور سماجی ہال ہوتے ہیں، یہاں تک کہ رہائشی اپارٹمنٹ کے طور پر بھی ان مساجد کے مخصوص حصوں کو استعمال میں لایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی مسجد کی تعمیر میں ایک اور اہم بات کا خیال رکھا جاتا ہے اور وہ ہے خواتین کی عبادت کرنے کی جگہ کا ہونا۔

امریکہ میں عام طور پر خواتین مسجد کی سرگرمیوں کا لازمی حصہ ہوتی ہیں ساتھ ہی مسلم معاشرہ کی تعمیر و ترقی اور اصلاح سے متعلق سرگرمیوں میں فعال کردار ادا کرتی ہیں۔ لہٰذا آج مساجد ملت کی تعمیر و ترقی اور ارتقاء کا مرکزی نقطہ ہیں۔ وہ تمام افراد جو امریکہ کے ان اسلامک سینٹرس کا مشاہدہ کر چکے ہیں وہ اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ ترقی یافتہ مشرقی و مغربی ممالک میں مساجد کے ساتھ مختلف قسم کی اصلاحی و تعمیری سرگرمیاں ملحق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں اور خصوصاً غیر مسلموں کے سامنے مسجد ایک مکمل اسلامی سینٹر کے طور پر ابھر کے سامنے آتی ہے۔ جہاں غیر مسلموں او رمسلمانوں کے شبہات اور سوالات کا فی وشافی

جواب دینے کا انتظام کیا جاتا ہے، ابتدائی تعلیم کی سہولت فراہم کی جاتی ہیں۔ بچوں اور بڑوں کے لیے باوقار تفریح کے مواقع موجود ہوتے ہیں نیز اضافی مراعات کا انتظام ہوتا ہے۔ جیسے: شام کے وقت کا اصلاحی اسکول۔ یہ اسکول نئی نسل کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ یہاں شناخت سے لے کر ثقافت اور تہذیب اور مذہبی روایات کو زندہ رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہیں ضعیف لوگوں کے لیے اُن کا مرکز۔ جہاں ضعیف اور پریشان حال لوگوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ مسجد میں مکتبہ اور دارالمطالعہ کا نظم بھی ہوتا ہے۔ جس میں ہر طرح کا لٹریچر مہیا کیا جاتا ہے۔ پڑھنے والوں کے لیے مختلف زبانوں میں کتابیں، رسائل اور اخبارات فراہم کیے جاتے ہیں۔ انہیں مساجد میں دیگر بڑے اور چھوٹے پروگرام بھی منعقد کیے جاتے ہیں۔ جس میں مسلمان مرد، عورتیں، بچے، سب مل جل کر استفادہ کرتے ہیں۔

تو ہی نہ چاہے تو بہانے ہزار

امریکہ و یورپ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک کی جن مساجد اور اسلامی سینٹرس کی تصویر کی روشنی میں، کیا یہ سوال ہم خود ہی سے نہیں کرنا چاہیں گے کہ آخر ہم جبکہ ان مسائل سے دو چار نہیں ہیں جن سے یہ ترقی یافتہ ممالک دو چار ہیں، یعنی اخلاقی پستی کا طوفان جس میں نہ صرف فرد بلکہ خاندان اور معاشرہ بھی اپنے آپ کو ان غلاظتوں سے محفوظ رکھنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں جو چہار جانب پھیلی ہوئی ہیں اور جس میں اُس سوسائٹی کا تقریباً ہر فرد مبتلا ہے۔ اس کے باوجود اِن ممالک کے مسلمان آج اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ڈھالنے، اپنی شناخت برقرار رکھنے اور اپنے تشخص کی بقا کے لیے کیسے سرگرم عمل ہیں۔ اس کے برعکس ہم ہندوستانی و برصغیر کے مسلمان، ان مسائل سے بہت حد تک محفوظ ہیں۔ لیکن ہمارے درمیان ایسی مساجد شاذ و نادر ہی ہوں گی جو ''اسلامی سینٹرس'' کا کردار ادا کرتی ہوں یا ان جیسی سرگرمیاں انجام دیتی ہوں۔ تو آخر کار ہمارے یہاں یہ صورتحال کیوں ہے؟ اور وہ کون سے اسباب ہیں جن کے سبب ہم نے مسجد کو صرف نماز کی ادائیگی کا مرکز تو بنایا لیکن

مطلوبہ کردارادا کرنے کے تعلق سے ہم فکرمند نظر نہیں آتے اور دقتیں محسوس کرتے ہیں؟(۱)

مساجد کے ذریعہ ملکی پیمانہ پر ہم نے کیا کارنامہ انجام دیا؟

اگر آپ وطن عزیز کی مساجد پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ ہماری مساجد عموماً مسلکی اختلافات کی نمایاں پہچان ہیں۔ بے شمار مساجد کے باہر جلی حرفوں میں غیر متعلقہ مسلک سے وابستہ مسلمانوں کے لیے ہدایات لکھی ہوتی ہیں، بعض مساجد میں نماز کے علاوہ دیگر کسی قسم کی سرگرمی انجام دینے کی ممانعت ہوتی ہے، یہاں تک کہ درسِ قرآن کے پروگرام نہیں کرسکتے، تو بعض میں نماز پڑھنے تک کی اجازت نہیں ہوتی۔

بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہی مساجد اور ان کے متولین و ائمہ کرام مسلمانوں کو آپس میں تقسیم کرنے اور منتشر کرنے کا سوچا سمجھا اور منصوبہ بند پروگرام چلا رہے ہیں۔ امت کے لیے یہ صورتحال بدترین ہے۔ اس پر ان تمام لوگوں کو ذرا ٹھہر کے غور کرنا چاہیے جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے مسائل حل ہوں، انہیں دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے، ان کی مثال اُس سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہو جائے جسے قرآن حکیم میں ''بنیان مرصوص'' کی اصطلاح میں بیان کیا ہے۔ سوچیئے اور غور فرمایئے کیا اس واقعہ کی روشنی میں ہماری صورتحال تبدیل ہوسکتی ہے؟ اور جن خواہشات کو پالے ہر دن ہم نئی صبح کے سورج کے منتظر نظر آتے ہیں، کیا وہ خواہشات اس حقیقی صورتحال کی موجودگی میں پوری ہوسکتی ہیں؟

مختصر جواب اگر کچھ ہوسکتا ہے تو یہی کہ ہم نے مساجد کو مسالک اور مدارس کی شناخت سے وابستہ کر دیا ہے۔ اس شناخت سے ہمیں باہر نکلنا ہوگا۔ مدارس اسلام کی تعلیم دینے والے بنیادی ادارے ہیں۔ اور مسالک دین وشریعت پر مکمل عمل کرنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ادارہ مقاصد کے حصول میں مسائل کھڑے نہیں کرتا، مسائل کھڑے کرتے ہیں تو وہ ہم، آپ اور وہ علماء کرام و اکابرین امت ہیں جو خود کو اِن مدارس و

(۱) عصر حاضر میں مساجد کا مطلوبہ کردار، آصف اقبال اشاعت 23 جولائی 2018ء

مسالک سے وابستہ کرنے کے بعد، سمجھتے ہیں کہ ہمارا مسلک ہی اصل اسلام ہے۔ ممکن ہے علماء کرام اور اکابرین اس فکر سے نکلنے میں کچھ وقت لگائیں لیکن ہم آپ سے یہی گزارش کریں گے کہ خدا کے واسطے آپ اس فتنے میں نہ مبتلا ہوئیے۔ اگر آپ اس فتنے سے نکل جائیں گے تو لازماً یہ علماء و اکابرین بھی مجبور ہو جائیں گے۔ اور اُسی صورت میں مساجد اپنا موثر کردار ادا کرسکتی ہیں۔ ساتھ ہی دنیا کے دیگر مذاہب کے ماننے والے بھی ان مساجد سے بھرپور استفادہ کر پائیں گے، انشاءاللہ۔(۱)

مساجد سے اصلاحِ معاشرہ کا کام ہو

آپ جانتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں مساجد کا کردار نمایاں اور واضح ہونے کے باوجود آج معاشرے میں افراتفریح موجود ہے۔ ہر طرح کے جرائم چاہے وہ معاشی ہوں، معاشرتی، اخلاقی یا جنسی، عام ہورہے ہیں۔ اسلام کے خلاف فضا ہموار کی جارہی ہے، غلط فہمیاں بڑے پیمانہ پر پھیلائی جارہی ہیں، اسلامی تعلیمات کو غلط طریقہ سے پیش کیا جارہا ہے، سماج کو منتشر کیا جارہا ہے، نفرتیں عام ہو رہی ہیں اور منظم طور پر مختلف قوتیں اِن سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں، جن کے ہم اور آپ شکار ہیں۔ انسانیت کا خون کھلے عام بہایا جارہا ہے۔ شدت پسندی اور عدم برداشت کی فضا پروان چڑھ رہی ہے۔ اس کے باوجود کہ ہمارے ہر محلہ، گلی اور کوچے میں مساجد موجود ہیں لیکن ان سے دعوت وتبلیغ اور اصلاح معاشرہ کا وہ کام نہیں لیا جارہا ہے جس کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ منبر و محراب سے اٹھنے والی صدائیں کچھ اور ہی کہہ رہی ہیں۔

بلیک بورڈ کا استعمال

مسجد میں باہری گیٹ کے پاس یا کسی مناسب جگہ ایک بلیک بورڈ کا انتظام کرائیں،

(۱) عصر حاضر میں مساجد کا مطلوبہ کردار، آصف اقبال اشاعت 23 جولائی، 2018ء

جس پر آیات قرانیہ و احادیث نبویہ کے ترجمے، حکمت و موعظت کی باتیں اور ضروری دینی احکام و مسائل لکھتے رہیں، اس کا بڑا فائدہ ہوگا اور لوگوں کو اس سے اہم دینی معلومات حاصل ہوتی رہیں گی۔

مسجد کی صفائی میں معاونت

مسجد کی صفائی بہت ثواب کا کام ہے، اس میں وقتاً فوقتاً حصہ لیتے رہیں، یا اس کے لیے علیحدہ خادم رکھیں، امام صاحب کو یا مؤذن کو یہ ذمہ داری ان کے مرتبہ اور مقام کے خلاف ہے، آپ ﷺ مسجد کو صاف رکھنے اور اس میں خوشبو لگانے کا حکم فرماتے تھے، کبھی کبھار آپ ﷺ مسجد کے غبار کو کھجور کی ٹہنی سے صاف کر دیا کرتے تھے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور انسان کو چاہیئے کہ ہر جوڑ کی طرف سے کچھ نہ کچھ صدقہ دے، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اتنی طاقت کس کو ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مسجد میں تھوک اور رینٹ کو چھپا دینا اور (موذی) چیز کو راستے سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے، اور اگر ایسا اتفاق نہ ہو تو چاشت کی دو رکعتیں ہی تمہارے لیے کافی ہیں۔

"في الإنسانِ ثلاثُ مِئاةٍ و سِتُّونَ مَفصِلًا، فعليه أن يتصدَّقَ عن كلِّ مَفصِلٍ منه بصدَقةٍ، قالوا: و مَن يُطِيقُ ذلك يا نبيَّ اللهِ؟ قال: النُّخاعةُ في المسجِدِ تدفِنُها، و الشَّيءُ تُنحِّيهِ عن الطَّريقِ، فإنْ لم تجِدْ فركعَتا الضُّحَى تُجزِئُك"۔ (۱)

---

(۱) سنن أبي داود، حدیث ۵۲۴۲ :، خلاصة حكم المحدث :سكت عنه، و قد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح

حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کا عمل

حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ مبارک میں مساجد میں چھڑکاؤ کیا جاتا تھا، اور جھاڑو دی جاتی تھی۔

حضرت یعقوب بن زیدؓ سے روایت ہے : نبی کریم ﷺ مسجد کے غبار کو کھجور کی ٹہنی سے صاف کیا کرتے تھے۔ "أن النبي ﷺ كان يتبع غبار المسجد بجريده"(۱)

حضرت مطلب بن عبداللہ بن حنطبؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار ہو کر مسجد قبا میں تشریف لے گئے۔ اس میں نماز پڑھی، پھر فرمایا : " اے یرفا! (کسی شخص کا نام ہے) مجھے ایک کھجور کی ٹہنی لادو"۔ اس نے لاکر دے دی۔ حضرت یرفا کہتے ہیں میں نے ان کو ٹہنی دے دی۔ آپؓ نے ایک کپڑے سے اپنی کمر باندھی اور تمام مسجد میں جھاڑو دی۔ (۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے اعمال پیش کیے گیے۔ اور میرے سامنے امت کے گناہ بھی سب پیش کیے گئے۔ میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہیں دیکھا کہ ایک آدمی قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت یاد کر کے بھول جائے۔ (۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

حافظ ابن حجرؒ نے "ھدی الساری مقدمہ فتح الباری" میں امام بخاریؒ کے متعلق محمد بن منصورؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں فرمایا : "ہم امام بخاریؒ کی مجلس میں تھے کہ ایک شخص نے

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی کنس المسجد : ۱/ ۴۳۵

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، الصلاۃ (باب) فی کنس المساجد : ۲

(۳) ترمذی، فضائل القرآن، حدیث : ۲۹۱۶

اپنی ڈاڑھی میں سے تنکا نکال کر مسجد میں ڈال دیا، تو میں نے امام بخاریؒ کو دیکھا کہ وہ اس تنکے اور لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پس جب لوگ غافل رہے تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کو زمین سے اٹھایا اور آستین ہی میں ڈال دیا۔ جب مسجد سے نکلے تو میں نے ان کو دیکھا کہ اس تنکے کو نکالا اور زمین پر پھینک دیا''۔ دیکھئے! امام بخاریؒ نے مسجد کی زمین اس چیز سے بچائی جس سے داڑھی بچائی جاتی ہے، یعنی کچرے سے۔

اکبر بادشاہ کا عمل

تاریخ میں لکھا ہے کہ ''اکبر بادشاہ فتح پور سیکری جامع مسجد آگرہ کی صفائی خود جھاڑو کے ذریعہ کرتا تھا، اور بعض اوقات خود مؤذن کے فرائض انجام دیتے ہوئے اذان دیا کرتا تھا، یعنی یہ وہ مسجد ہے جس کا مؤذن ہندوستان کا طاقتور ترین بادشاہ اکبر اعظم ہوا کرتا تھا، جس نے اپنے بعد شہزادہ سلیم جہانگیر کے لیے وسیع سلطنت چھوڑی، اس خزانے میں پانچ ارب سونے کے سکے، سات من سونا، ستر من چاندی، بارہ ہزار گھوڑے، چھ ہزار ہاتھی، ایک ہزار ہرن اور ایک ہزار چیتے تھے جو شکار کے لیے استعمال ہوتے تھے۔(۱) پھر بھی وہ مسجد کی خدمت کو سعادت سمجھتا ہے۔

مسجد کو خوشبو دینے کا اہتمام کریں

مسجد میں لوبان عود وغیرہ کی دھونی دینا اور اگربتیاں جلانا سنت ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہمیشہ دستور رہا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''اپنی مسجدوں سے بچوں اور پاگلوں کو علیحدہ رکھو۔ اور ان کو اپنی خرید وفروخت اور شور سے پاک رکھو۔ اور سزا دینے اور تلوار کھینچنے سے پاک رکھو۔ اور ان کے دروازوں پر وضو خانہ بناؤ۔ اور ان کو ہر جمعہ کے دن خوشبو کی دھونی دیا کرو۔

(۱) دنیا کی خوبصورت مساجد: ۱۵۶، ڈاکٹر عزیز احمد عرسی

"أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ وَمَجَانِينَكُمْ وَشِرَاءَكُمْ وَبَيْعَكُمْ وَخُصُومَاتِكُمْ وَرَفْعَ أَصْوَاتِكُمْ وَإِقَامَةَ حُدُودِكُمْ وَسَلَّ سُيُوفِكُمْ وَاتَّخِذُوا عَلَى أَبْوَابِهَا الْمَطَاهِرَ وَجَمِّرُوهَا فِي الْجُمَعِ"(۱)

اس طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ نے من جملہ بہت سے ارشادات کے ایک یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن مساجد کو خوشبو کی دھونی دیا کرو۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ نے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہر جمعہ کے روز مسجد میں دھونی دیتے تھے۔

عرب میں یہ سنت ابھی بھی زندہ ہے، مگر افسوس کہ عجم میں آج یہ سنت بالکل چھوٹ گئی ہے، لوگ مساجد کے اندر طرح طرح کی مکروہ تکلفات کرتے ہیں، مگر اس سنت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ آج اس سنت پر عمل بالکل ختم ہو چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص اس کو زندہ کرے گا تو جب تک لوگ اس پر کرتے رہیں گے اس کو ثواب ملتا رہے گا۔ کیوں حدیث میں ہے جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت پر عمل کرتا رہے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

"مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ"

مسجد کی صفائی میں افراط و تفریط سے بچیں

تفریط فی النظم:

مسجد کی کمیٹی مسجد کی انتظامی امور میں کوتاہی نہ کرے، جیسے مسجد کی ضروری تعمیر بھی نہ کرنا، ضروری مرمت نہ کروانا، صفائی پر دھیان نہ دینا، وضو خانوں اور طہارت خانوں کی گندگی دور نہ

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات باب ما یکرہ فی المساجد، حدیث: ۷۵۰ إسناده ضعیف جدا، الحارث بن نبهان متروک، وعتبة بن يقظان ضعيف، وأبو سعيد- وهو الشامي- مجهول

کروانا،نظم وترتیب کالحاظ نہ رکھنا،قرآن مجیداورکتابوں کی ترتیب کی رعایت نہ رکھنا،نااہل امام ومؤذن کومقرر کردینا،امام ومؤذن کے حقوق میں کوتاہی کرنا،وقت پرتنخواہ نہ بڑھانایاوقت پر تنخواہ نہ دینا،ائمہ کرام کوحقیر سمجھنا۔مسجد کی ضروریات کے لئے چندہ وصول نہ کرنا،یاسخت ضرورت کے پیش نظر،امام تنخواہ وغیرہ کی وجہ سے چندہ کی ضرورت ہوبھی تو اعلان کرنے کو عار سمجھنا۔

افراط فی النظم:

انتظامی امورزیادتی کرنا،غیرضروری توڑ پھوڑ کرکے تعمیرات پر پیسہ برباد کردینا،خوب نقش ونگار کرنا جیسے قیمتی ماربل،عمدہ قالین،عمدہ جھومر،بڑی گھڑی،مہنگے دروازے وغیرہ تاکہ نام رہے کہ یہ کمیٹی یایہ متولی بہت کام کروایاہےاورہماری عزت رہے۔نیت خواہ کتنی بھی درست ہوکام موافق شریعت ہونا بھی ضروری ہے،اورکام خواہ کتناہی بھلاہونیت بھی درست ہوناضروری ہے،مسجد کامال مالِ وقف ہےاورمالِ وقف کے مستقل احکام ہیں،اپنی مرضی اپنے گھرپر چلے گی بلکہ وہاں بھی خلافِ شریعت کام کی اجازت نہیں جوکہ خالص اپنی ملکیت ہےتوغیرملکیت میں کہاں اجازت ہوگی؟اسی طرح ضرورت سے زائد چندہ وصولی میں لگے رہنا،ہروقت پیسہ نہ ہونے کی شکایت کرکے مسجد کے اکاؤنٹ میں لاکھوں کی رقم جمع رکھنا تاکہ محلہ کوبتاسکیں کہ ہم صدربننے کے بعد سے مسجد کی آمدنی کواتنی بڑھائے ہیں،تاکہ آئندہ بھی ہم ہی صدربنے رہیں،جبکہ یہ رقم خادمین کاحق مارکرجمع کی گئی ہوتی ہے۔

لائبریری کاانتظام کریں

مسجد میں دروس القرآن والحدیث والفقہ ہوں،خطبات مواد سے پراور تحقیقی ہوں اس کی تیاری کے لیے مناسب لائبریری کا نظم رہے،ہرمہینے کتابوں کی خریداری کے لیے بجٹ فراہم کیاجائے،تحقیق کابڑاذریعہ ڈیجٹل لائبریریز ہیں،ایک عدد کمپیوٹر کااہتمام امام صاحب کے کمرے میں رہے۔جس سے عقیدہ،قرآن،سیرت،آداب،اخلاق،فقہ وغیرہ کے دروس

کے سلسلہ کو منظم کیا جاسکتا ہے۔

جامع مسجد شہر ممبئی کی لائبریری

ہندوستان میں مسلم شخصیات اور اداروں کے ذریعے قائم کردہ کتب خانوں کا جب کبھی ذکر ہوگا تو ان میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری، پٹنہ کی خدا بخش، رام پور کی رضا لائبریری اور حیدرآباد میں واقع کتب خانہ آصفیہ جو اب اسٹیٹ سینٹرل لائبریری حیدرآباد ہو چکی ہے، ان جیسے کئی ادارے ہمارے ثقافتی ورثے کے امین ہیں، ملک کے ان جیسے بیشتر مایہ ناز کتب خانے سرکاری گرانٹ اور حکومتی سرپرستی میں رواں دواں ہیں۔

لیکن ممبئی کی جامع مسجد(۱) میں ایک ایسا وسیع اور تاریخی کتب خانہ ہے جو کسی حکومتی امداد سے نہیں بلکہ مسجد کے ٹرسٹ کے ذریعے چلایا جاتا ہے، جامع مسجد ممبئی میں موجود کتب خانہ مدرسہ محمدیہ جسے کتب خانہ محمدیہ جامع مسجد ممبئی کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کتب خانے کو مسجد ٹرسٹ چلاتا ہے اور اس کے تمام تر اخراجات بھی برداشت کرتا ہے، جہاں ہزاروں کی تعداد میں علمی ادبی اور مذہبی کتابیں موجود ہیں اس کتب خانے کا سب سے اہم وصف یہ ہے کہ یہاں صدیوں پرانے مخطوطات موجود ہیں جو مسلمانوں کی علمی مذہبی اور ثقافتی روایات کا اہم جز ہے۔ اس کتب خانے میں چھبیس اسلامی علوم وفنون پر کل ۱۶۱۸/مخطوطات موجود ہیں جن میں ۱۰۰۸/ عربی زبان میں، ۴۷۳/ فارسی اور ۱۳۷/ اردو میں تحریر شدہ ہیں، پچیس مختلف موضوعات پر پندرہ ہزار سے زائد کتابیں اور ایک ہزار قدیم رسائل اور اخبارات اس کتب خانے کی زینت ہیں۔ ان نادر ونایاب کتابوں کی حفاظت کے لئے جامع مسجد ٹرسٹ نے ساڑھے دس لاکھ سے زیادہ صفحات کو ڈیجیٹلائزیشن کے ذریعے محفوظ کرلیا ہے اور موجودہ کتابوں کی بہترین جلد سازی کا اہم کام انجام دیا ہے، کتب خانے کے جملہ امور کی انجام دہی

---

(۱) جامع مسجد کا شمار شہر ممبئی کی قدیم ترین عبادت گاہوں میں ہوتا ہے۔ 1775 میں ممبئی جامع مسجد کی باقاعدہ تعمیر شروع ہوئی اور 1808 میں مکمل ہوئی۔

کے لئے خاص طور پر ملازمین معمور ہیں جن کی تنخواہیں جامع مسجد ٹرسٹ ادا کرتا ہے۔

کتب خانے میں موجود نادر و نایاب کتابوں کے ذخیروں سے علمی فیض حاصل کرنے کے لئے ملک و بیرون ملک سے محققین و مصنفین علم و تحقیق کی جستجو میں اس کتب خانے کا رخ کرتے ہیں، معروف محقق اور ماہر لسانیات ممبئی یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ اردو اور کئی کتابوں کے مصنف پروفیسر عبدالستار دلوی کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنی پہلی تصنیف 'من سمجھاون' کی تکمیل اسی کتب خانے کے علمی ذخائر کی مدد سے کی۔ یہاں موجود مخطوطات سے انہیں علمی فیضان حاصل ہوا، نادر و نایاب کتابوں اور مخطوطات کی حفاظت کر کے مسلمانوں کے عظیم سرمائے کی حفاظت کرنا، نادر و کم یاب کتابوں کا تحفظ کرنا جو ہمارے تاریخی اور دینی سرمائے پر مشتمل ہے، قابل تقلید عمل ہے۔(۱)

دراصل یہ علم و کتاب کے قدردانوں کا کام ہے، حضرت علی بن احمدؒ کے پاس ''**الجمہرۃ فی علم اللغۃ**'' کا ایک بہت ہی عمدہ نسخہ تھا، ایک مرتبہ غربت نے اسے بیچنے پر مجبور کر دیا، شریف مرتضیٰ ابوالقاسم نے ۶۰؍دینار میں خرید لیا جب اس کا ورق پلٹا تو اس پر ابوالحسن کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اشعار نظر آئے جن کا ترجمہ یہ ہے: ''میں ۲۰؍سال تک اس کتاب سے مانوس رہنے کے بعد آج اس کو بیچ رہا ہوں، اس کے چھوٹ جانے سے میرا غم بہت بڑھ گیا ہے قرضوں کی وجہ سے اگر عمر قید بھی ہو جاتی تو پرواہ نہ تھی مگر یہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کبھی اس کو بیچنا پڑے گا لیکن کیا کروں، کمزوری، ناداری اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی وجہ سے حالات نے یہ دن دکھائے۔ میں بہتے ہوئے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکا اور کسی دل جلے غمزدہ کی طرح یوں کہا: ضرورت کبھی کبھی عمدہ چیزوں کو اپنے آقا سے جدا ہونے پر مجبور کر دیتی ہے حالانکہ وہ انہیں اپنے پاس سے الگ نہیں کرنا چاہتا''۔ شریف مرتضیٰ نے جب کتاب پر لکھے ہوئے یہ اشعار پڑھے تو اس کا دل بھر آیا اور اس نے کتاب کا نسخہ واپس کر

(۱) ممبئی: جامع مسجد کا کتب خانہ مسلمانوں کے مذہبی و ثقافتی ورثے کا امین، محی الدین التمش

دیا اور دینار اُن ہی کے پاس رہنے دیئے۔(۱)

کیا اب لائبریری کی ضرورت نہیں ہے؟

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جدید ٹیکنالوجی نے ہر کام آسان کر دیا ہے، ہم ہزار لاکھوں کتابوں کا ذخیرہ اپنے موبائل لیپ ٹاپ میں رکھ سکتے ہیں ان کو کھولنا، سرچ کرنا اور اپنے مطلوبہ مواد تک پہنچنا نہایت ہی آسان ہو چکا ہے تو پھر لائبریری کی ضرورت کیوں؟ تو یاد رہے کہ تعلیم و تعلم کے لئے جہاں کتاب استاد اور تعلیمی ادارے کی سخت ضرورت ہے وہیں لائبریری کا ہونا بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے ترقی یافتہ مما لک کے لوگوں کی ٹیکنالوجی تک پہنچ ہم سے زیادہ ہے مگر اُن کے ہاں ابھی بھی پبلک لائبریریز کھلی رہتی ہیں، کیوں کہ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ ٹیبلٹ یا موبائل سے پڑھنے کی نسبت کتاب سے پڑھی گئی تحریر جلد سمجھ آ جاتی ہے اور یاد بھی رہتی ہے۔ماہر نفسیات کے مطابق جب ہم کوئی چیز پڑھتے ہیں تو ہمارا ذہن متواتر اس کا موازنہ کرتا رہتا ہے اور اسی کے مطابق نقوش کھینچ لیتا ہے جو کہ مستقبل کے لیے ہمیں یاد رہ جاتے ہیں۔بنسبت اسکرین کے پڑھنے سے کتاب سے پڑھنے والے الفاظ کی نقشہ سازی نہایت واضح ہوتی ہے۔کتاب کی دائیں اور بائیں صفحے اور آٹھ کونے الفاظ کی جگہ کو یاد رکھنے کا سبب ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے بنسبت اسکرین پہ ریڈنگ کے کتاب پر ریڈنگ بھی آسان ہو جاتی ہے۔کتاب پر پڑھنا اسکرین پر پڑھنے سے زیادہ جسمانی وجود رکھتا ہے۔اس لیے دُنیا میں ٹیکنالوجی کی اس قدر ترقی کے باوجود لوگ اسکرین سے پڑھنے کے بجائے کتاب سے پڑھنے کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں، اور پھر جب بات کتاب پڑھنے کی آتی ہے تو گھر کے بجائے لائبریری کو فوقیت دینا بھی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ لائبریری ایک ایسا ماحول پیدا کر دیتی ہے جہاں کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ماہر نفسیات

---

(۱) وفیات الاعیان: ۱/ ۳۳۷

کے مطابق ہم پڑھتے وقت دو طرح سے تھک جاتے ہیں ایک نفسیاتی حوالے سے، دوسرا جسمانی حوالے سے، لائبریری میں پڑھنے کا یہ فائدہ ہے کہ انسان نفسیاتی تھکاوٹ کا کم شکار رہتا ہے کیونکہ ہم اپنے ارد گرد لوگوں کو پڑھنے میں مصروف دیکھتے ہیں تو ذہن اس بات پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ اُن کی طرح ہم بھی نہیں تھکے ہیں، لائبریری کا ایک سب سے اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر طالب علم ہر کتاب کو نہیں خرید سکتا، مگر لائبریری میں اُنہیں کئی بہترین کتابیں میسر ہو سکتی ہیں۔ لائبریری صرف کتابیں یا کتب بینی کے لیے ایک ماحول مہیا نہیں کرتی بلکہ یہ معاشرے کا وہ حصہ ہے جہاں باقاعدہ مستقبل کی نشو ونما ہو رہی ہوتی ہے، یہیں پر طلبا اپنی سوچ کے مطابق دوسرے افراد سے ملتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ معلومات بانٹتے ہیں، کتابوں کے اوپر اپنی رائے پیش کرتے ہیں، تجزیے کرتے ہیں، جس سے ان کی معلومات میں مزید اضافہ ہوتا رہتا ہے۔(۱)

کم از کم سال میں تین دینی اجلاس کروائیں

مسجد کے ذمہ داروں اور محلے کے اہل حل وعقد سے مل کر سال میں کم از کم ایک بڑا اور اچھا دینی اجلاس کرانے کی کوشش کریں جس میں جید علماء کرام اور نسبت یافتہ بزرگان، خطباء اور واعظین کو بلائیں اور طے شدہ مفید ومتنوع موضوعات پر ان کے خطبات وتقاریر کا نظم کریں، ان شاء اللہ اس کے بڑے مفید اور دور رس نتائج بر آمد ہونگے۔ اور لوگوں میں جو دین سے غفلت اور بے علمی پائی جاتی ہے اس کا ازالہ ہوگا، مکتب کا جلسہ، سیرت کا جلسہ

(۱) شب وروز، 2021Fri, 5 Mar، علم غرض سے مساجد میں لائبریری قائم کرنے حکم: جو زمین مسجد کے لیے وقف ہو اس کا استعمال مسجد اور ضروریات مسجد ہی میں کیا جانا ضروری ہے؛ لہٰذا جو مساجد اس طرح کی زمینوں میں تعمیر شدہ ہیں، ان میں مستقل لائبریری کا قیام درست نہیں ہے؛ باقی اگر مسجد کے کسی گوشے میں الماری وغیرہ پر کچھ ضروری دینی کتابیں رکھ دی جائیں؛ تاکہ مصلیان ان سے استفادہ کرلیں، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ "لما صرّحوا أن مراعاة غرض الواقفين واجبة"۔ (شامی، واللہ تعالیٰ اعلم، دار الافتاء، دار العلوم دیوبند، جواب نمبر: 160638

مختلف شعبہ جات سے مربوط افراد کے مسائل سے متعلق علمی نشست رکھوائی جائے۔

دراصل جلسے صرف برائے نام نہ ہوں یا محض بے ترتیب کے اصلاحِ معاشرہ کا نام دے کا وقت کا ضیاع نہ ہو، بلکہ با مقصد جلسے ہوں جو صبح نو بجے سے عصر تک ہوں، ایک کھانا دو چائے کا نظم رہے، عناوین حالاتِ حاضرہ کے موافق طے ہوں، لوگوں کی ضرورت کا جامع دین دیا جائے، حلقے لگا کر ذہن سازی ہوں، آئندہ کام کے افراد تیار کئے جائیں، ایک جلسہ تعلیم کی اہمیت پر ہو جو شوال اور اسکول کھلنے کے شروع مہینہ میں ہو، دوسرا سیرت کا جلسہ ہو، تیسرا مسائل ضروریہ، عقائد کی درستگی، اور اصلاحی جلسہ ہو۔ خطباء کرام کا بھی مکمل وقت لیا جائے اور عوام کا بھی مکمل دن فارغ کروایا جائے۔

مسجد کی حفاظت کریں

مساجد اسلام کے شعائر، مقدس مقامات، دین وثقافت کے قلعے اور اسلام کی اشاعت وتبلیغ کے مراکز ہونے کی وجہ سے اسلام دشمن طاقتیں ان کو نقصان پہنچانے اور ان کی سرگرمیوں کو محدود اور معطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کہیں ان کی تعمیر پر بے جا اعتراض ہوتا ہے اور ان کی اراضی پر بلا ثبوت دعویٰ کرتے ہیں، نمازوں کی ادائیگی میں روکاوٹیں پیدا کرتے ہیں، منہدم تک کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مسلمانوں کی تاریخ رہی ہے کہ جب بھی مساجد کے ساتھ مشکل گھڑی آئی ہے۔ اللہ والوں نے جان دے کر بھی اللہ کے گھر کی حفاظت کی ہے۔ اگر مسجد آباد ہو تو دشمن کی چالیں عموماً کامیاب نہیں ہوتی ہیں اور اللہ کی خاص نصرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ مساجد کی اراضی ایک فرد کے بجائے کئی اشخاص، یا مسجد کمیٹی یا مسجد کونسل یا کسی ملی سوسائٹی کے نام سے پاس کرالی جائیں۔ زمین پر اگر سرکاری ٹیکس عائد ہوتا ہے تو پابندی سے اس کی ادائیگی ہو۔ بجلی، پانی یا لینڈ لائن فون بھی مسجد کے نام سے لیا جائے۔ مساجد کی زمینوں پر کسی کا دعویٰ ہو تو اسے نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ کسی ماہر وکیل کی مدد سے اس کی کارروائی کو مکمل کرالیا جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: جیسے مسجد بنانا ثواب کا کام ہے، اور ایسے شخص کیلئے واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں گھر بنانے کی خوش خبری دی گئی ہے، ویسے ہی اپنی طاقت اور صلاحیت کے مطابق مسجدوں کو بچانا بھی ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ جیسے انسان تن من دھن لگا کر اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، اسی طرح وہ ہر طرح کی قربانی دے کر مسجد کی حفاظت کرے۔

مسجد کی حفاظت کی بعض صورتیں وہ ہیں جن میں شر پسند عناصر سے مقابلہ کی نوبت آتی ہے، اس سلسلہ میں شریعت کا بنیادی حکم یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی طاقت بھر جد و جہد کرنے کا مکلف ہے، اور اس میں کوتاہی سے کام لینا گناہ ہے، ایک جمہوری ملک میں احتجاج اور اظہار ناراضگی کے مختلف طریقوں کی اجازت ہوتی ہے، اپنی مسجدوں کو بچانے کیلئے حسب ضرورت ان تمام تدبیروں کو اختیار کرنا چاہئے، اور اپنی طرف سے کوشش کرنی چاہئے کہ ناراضگی کا اظہار بھی ہو جائے اور امن و امان بھی برقرار رہے۔

اس وقت جب کہ پورے ملک میں فرقہ پرستوں کی طرف سے مسجدوں پر ناجائز دعوے کیے جا رہے ہیں اور زمین کو کھودنے کی بات کہی جا رہی ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان قانون داں ہر شہر میں اپنی ایک ٹیم بنائیں جو اپنی آخرت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے قانونی طور پر مسجد کے تحفظ کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوں، اس کو "لیگل گروپ برائے تحفظ مساجد" کا نام دیا جا سکتا ہے، یہ گروپ عدالتی کارروائی کرے، اور اس کو اپنی آخرت کیلئے کرے؛ کیونکہ ہر جگہ مسلمان اس موقف میں نہیں ہیں کہ وکیلوں کی بھاری بھرکم فیس ادا کر سکیں؛ اس لیے مسلمان وکلاء بھی اس بات کو سمجھیں کہ مسجد کے تحفظ کی جتنی ذمہ داری عام مسلمانوں پر ہے، بحیثیت ایک قانون داں کے ان پر اس کی زیادہ ذمہ داری ہے۔ ملک کے سیاسی حالات جس رخ پر ہیں اس کے پیش نظر مسجد اور مدرسہ کے رجسٹریشن میں بالکل کوتاہی نہ برتیں، سرکاری طور پر سارے کاغذات مکمّل کر کے رکھیں تاکہ آئندہ مسجد ہر طرح کے خطرہ سے محفوظ رہے۔

ہریانہ (جہاں 2014ء میں بی جے پی کی حکومت تھی) کے سب سے بڑے شہر گروگرام (گڑگاؤں) کی شیتلا کالونی میں واقع مدینہ مسجد کو پولس نے یہ کہہ کر 12 ستمبر کو بند کر دیا تھا کہ اِس کالونی کی آبادی غیر قانونی ہے، حالانکہ اسی کالونی میں مندر اور چرچ بھی موجود ہیں جن پر کوئی کاروائی نہیں کی گئی۔

مسجد کی حفاظت کی بعض صورتیں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: مسجد کی حفاظت کی بعض صورتیں جیسے:

(۱) مسجد کو آباد رکھنا

مسجدوں کو آباد کیا جائے، ان کو ویران نہ چھوڑ دیا جائے، جو گھر آباد رہتا ہے، چور کو وہاں گھسنے کی ہمت نہیں ہوتی، جو گھر ویران ہوتے ہیں، وہ چوروں اور ڈاکوؤں کی آماج گاہ بن جاتے ہیں، اس لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسلمان صد فیصد مسجدوں میں نماز ادا کرنے کی کوشش کریں اور اسے آباد رکھیں کہ ہر نماز نمازیوں کی کثرت کے اعتبار سے جمعہ کا منظر پیش کرے۔

(۲) دور آباد مسجدوں میں تعلیمی نظام قائم کرنا

بعض مسجدیں مسلم آبادیوں سے دور بنی ہوئی ہیں، جن کو کسی بادشاہ نے اپنے زمانۂ اقتدار میں تعمیر کر دیا، دہلی کے مضافات میں بھی ایسی بہت سی مسجدیں ہیں، حیدر آباد کے قرب وجوار میں بھی مغل اور قطب شاہی دور کی متعدد مسجدیں موجود ہیں، جن کے تحت موقوفہ اراضی بھی ہیں؛ مگر وہ ابھی ویران اور غیر آباد ہیں، دیگر بڑے شہروں کا بھی کم وبیش یہی حال ہے، ایسی مسجدوں سے متصل وقف کی زمینوں پر اقلیتی تعلیمی ادارے قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر وقف بورڈ کا محکمہ سنجیدگی کے ساتھ اس پر توجہ دے اور دینی مدارس یا مسلم

انتظامیہ کو اسکولوں کو ایسی جگہوں کے استعمال کی دعوت دے تو تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا، اور یہ مسجدیں ایک طرف فرقہ پرست عناصر کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہیں گی، اور دوسری طرف مسلم اور غیر مسلم غاصبین سے بھی محفوظ رکھیں گی، کیوں کہ یہ تلخ حقیقت ہے کہ رئیل اسٹیٹ کا کاروبار کرنے والے بہت سے خداناترس مسلمان بھی ایسی جگہوں پر غاصبانہ نظر جمائے رہتے ہیں، پہلے مسجد سے متعلق افتادہ اراضی پر قبضہ کرتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ مسجدوں کا نام ونشان مٹادیتے ہیں اور ساری زمینیں فروخت کردیتے ہیں۔

(۳) دور آباد مسجدوں میں جمعہ و اجتماعات کا اہتمام

جن ویران مساجد کے ساتھ تعلیمی اداروں کا انتظام دشوار ہو، مسلم آبادی وہاں سے دور ہو، یا وہ مسجد غیر مسلم آبادی کے درمیان ہو، اور مسلمانوں نے کسی وجہ سے اس محلہ کو چھوڑ دیا ہو، تو کم سے کم اتنا ہو کہ مسجد میں ہر سال رنگ وروغن کیا جائے، وہاں سے قریبی فاصلہ پر جو مسلم آبادی ہو، وہاں سے کچھ لوگ جمعہ کیلئے یہاں آیا کریں، اور اس مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کریں، کبھی رمضان المبارک میں وہاں افطار کھولنے کا انتظام رکھ لیں، اور مصلحت کے خلاف نہ ہو تو برادران وطن کو بھی اس مین شامل کرلیں، عید کی نماز وہاں ادا کی جائے، سال بھر میں ایک دو دینی اجتماع وہاں رکھ لیا جائے؛ تاکہ مسجد کی حیثیت سے اس جگہ کی شناخت باقی رہے، اور لوگ محسوس کریں کہ یہ جگہ مسجد ہی ہے نہ کہ افتادہ زمین اور ویران مکان۔

(۴) گذرگاہوں پر مہنگی مساجد نہ بنائیں

یہ بھی ضروری ہے کہ ہم مسجد ایسی جگہ تعمیر کریں جہاں مسلمانوں کی مستقل آبادیاں موجود ہوں، راقم الحروف نے خود دیکھا ہے کہ بعض اہل خیر نے دینی جذبہ کے تحت عالی شان مسجد تو بنادی، مگر ایسی جگہ جہاں قریب میں مسلم آبادی نہیں ہے، میں نے دریافت کیا کہ ایسی جگہ پر مسجد کی تعمیر کی کیا ضرورت ہے؟ تو کہا گیا کہ اس ہائی وے سے بہت سے مسلمان

گزرتے ہیں، ان کو نماز پڑھنے میں سہولت ہوگی، غور کیجئے! کہ کیا گاہے گاہے گزرنے والے مصلیوں کیلئے موجودہ حالات میں مسلم آبادی سے دور مسجد آباد کرنا کوئی عقل مندی کی بات ہے؟ مسافر پر تو ویسے بھی جماعت واجب نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پوری روئے زمین مسلمان کیلئے نماز کی جگہ ہے(۱)

وہ سڑک کے کنارے مصلّی بچھا کر نماز پڑھ لے تو یہ بھی کافی ہے، مگر ایسی مسجدیں جو محض اپنے دینی جذبات کی تسکین کیلئے بنائی جاتی ہیں، بعد میں ویران ہوجاتی ہیں اوران کے احترام کو باقی رکھنا دشوار ہوجاتا ہے۔

(۵) فیکٹری کی مسجد کے بجائے مصلّی بنائیں

اسی طرح بعض ایسے تجربات بھی سامنے آئے کہ کسی فیکٹری کی وجہ سے ملک کے مختلف حصوں میں مسلم ملازمین جمع ہوئے جو گورنمنٹ کے یا فیکٹری کے کوارٹرس میں مقیم ہیں، پھر فیکٹری بند ہوگئی تو وہاں سے چلے گئے، ریٹائرڈ ہوگئے، اور وہاں سے نقل مکانی کرتے رہے، یہاں عارضی طور پر مقیم ان حضرات نے مسجد تعمیر کرلی تھی، جب یہ وہاں سے رخصت ہوگئے تو اب مسجد نمازیوں کیلئے ترس رہی ہیں، مسلمان ملازمین کی جگہ غیر مسلم ملازمین آگئے، یہ مسجد ان کو بے کار محسوس ہوتی ہے اور نگاہوں میں کھٹکتی ہے، ایسی مسجدوں کی حفاظت بے حد دشوار ہوتی ہے، اس لیے جہاں عارضی طور پر آباد ہوں، وہاں مسجد کی جگہ مصلیٰ (جماعت خانہ) بنادینا چاہئے، کیوں کہ مصلیٰ کا حکم مسجد کا نہیں ہوتا، ضرورت ختم ہوجائے تو اس سے دوسرا کام بھی لیا جاسکتا ہے۔

(۶) ’’لیگل گروپ برائے تحفظ مساجد‘‘ بنائیں

اس وقت جب کہ پورے ملک میں فرقہ پرستوں کی طرف سے مسجدوں پر ناجائز

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث: ۴۲۷

دعوے کیے جارہے ہیں اور زمین کو کھودنے کی بات کہی جارہی ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان قانون داں ہر شہر میں اپنی ایک ٹیم بنائیں جو اپنی آخرت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے قانونی طور پر مسجد کے تحفظ کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوں، اس کو ’’لیگل گروپ برائے تحفظ مساجد‘‘ کا نام دیا جاسکتا ہے، یہ گروپ عدالتی کارروائی کرے، اور اس کو اپنی آخرت کیلئے کرے؛ کیونکہ ہر جگہ مسلمان اس موقف میں نہیں ہیں کہ وکیلوں کی بھاری بھرکم فیس ادا کرسکیں؛ اس لیے مسلمان وکلاء بھی اس بات کو سمجھیں کہ مسجد کے تحفظ کی جتنی ذمہ داری عام مسلمانوں پر ہے، بحیثیت ایک قانون داں کے ان پر اس کی زیادہ ذمہ داری ہے۔(۱)

تعمیر مسجد میں قانون کا لحاظ رکھیں

انسان جس ملک میں ہو، اس کیلئے اس ملک کے قانون کی رعایت بھی ضروری ہوتی ہے، جیسے ہم ٹرین کا سفر کریں تو ٹکٹ لے کر کریں، گاڑی لے کر سڑک پر چلیں تو ٹریفک قانون کا لحاظ کریں، اسی طرح حکومت نے ذاتی مکانات اور عبادت گاہوں کی تعمیر کیلئے کچھ قوانین بنائے ہیں، جن کا مقصد گاڑیوں کی آمد ورفت کے نظام کو درست رکھنا، امن وامان قائم رکھنا، اس کیلئے دو عبادت گاہوں کے درمیان فاصلہ کی رعایت کرنا وغیرہ ہے، لیکن ہمارے ملک میں عام مزاج یہ ہے کہ ذاتی مقصد کی تعمیر ہو، یا سماجی مقاصد کیلئے بنائی گئی عمارت، یا عبادت گاہیں، حکومت سے باضابطہ اجازت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی، اس میں ہندو، مسلم سب برابر ہیں، دوسرے اہل مذاہب کے یہاں عبادت گاہوں کے تقدس کا وہ تصور نہیں، جو مسلمانوں کے یہاں ہے، وہ تو اپنی عبادت گاہوں کو فروخت کردیتے ہیں، مگر ہمارے یہاں جو جگہ ایک بار مسجد بن گئی، وہ قیامت تک مسجد رہتی ہے، اس لئے مسلمانوں کو خاص طور پر مسجدوں کی تعمیر کرتے ہوئے قانونی طور پر اجازت حاصل

(۱) قندیل، 2 جون 2022 اسلامیات، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

کر لینی چاہئے؛ تاکہ آئندہ مسجد کو غیر قانونی قرار دے کر حکومت نقصان نہ پہنچا سکے اور فرقہ پرست عناصر اس کو فساد کی بنیاد نہ بنا سکیں، قانون پر چلنے کی وجہ سے کوئی انسان چھوٹا نہیں ہو جاتا، بلکہ یہ اس کے فہم و فراست اور تہذیب و شائستگی کی علامت ہوتی ہے، غرض کہ ایک طرف ہمیں اعداء دین سے مسجد کی حفاظت کرنی چاہئے، اس کے لیے ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہئے، اور دوسری طرف مسجدوں کے تحفظ اور بچاؤ کے لیے مثبت تدبیریں بھی کرنی چاہئے۔(۱)

مسجد کے معاملات کو صاف رکھیں

کئی مقامات پر مساجد کی جائیداد پر لوگ قابض ہیں، کرایہ بڑھانے کے لیے تیار نہیں، عرف کے خلاف سب سے سستے کرایہ میں رہتے ہیں، قانونی جھول و کمزوری کا سہارا لے کر کرایہ میں اضافہ نہیں کیا جاتا مسجد کا مال بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے۔

مسجد کے مالیہ کا نظام بالکل صاف ہو، تحریرا کمیٹی کے پاس محفوظ ہو، جب کبھی کوئی معتمد شخص یا مسجد کا معاون شخص یا اسی طرح قدیم مصلی دیکھنا چاہیے تو اس کو مالیہ کا نظام دکھانا کوئی عیب نہیں ہے، بلکہ ایسے اشخاص کو اپنے اعتماد میں لیکر مسجد کے مالیہ کے انتظامیہ کو مزید مسجد مظبوط کرے، اور سب سے آسان کام یہ ہے کہ ہر ماہ کے اخرجات کسی عام جگہ پر چسپاں کر دیں، تاکہ ہر کوئی دیکھے اور کمی بیشی کو پورا کر دے، حساب کتاب میں کسی کو الزام لگانے کی گنجائش نہ رکھیں، سال یا چھ مہینے میں حساب دینے کے لیے عوامی میٹنگ رکھیں، چوری کی لائٹ اور پانی کا کنیکشن مسجد کے لیے استعمال کرنا گناہ ہے، لائٹ اور پانی کے کنیکشن کا بل وقت پر بھر دیا کریں، عبادت گاہوں کی سرکاری سہولیات ضرور حاصل کریں۔

---

(۱) قندیل، 2 جون 2022 , اسلامیات، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

مالِ وقف کا ناجائز استعمال

آج کل جو بھی مدرسہ یا مسجد کو دو چار روپیہ چندہ دیتے ہیں تو وہ حضرات تو خود کو پورے مدرسہ و مسجد کا مالک سمجھنے لگتے ہے، ہر چیز اپنے لئے حلال سمجھ لیتا ہے، مسجد کے پانی کے لئے تنگ کر دیا جاتا ہے، جبکہ پانی کا ایک لوٹا بھی لے جانا جائز نہیں ہے، بعض لوگ مسجد کی بجلی اور پانی کے کنکشن اپنے مکانوں، دکانوں، مسجد کی ملکیوں، اور ہوٹلوں کو دے رکھا ہے، مالِ وقف کا ناجائز استعمال مزید برآں قانون کی خلاف ورزی دوہرا گناہ ہے۔

مگر افسوس! لوگوں نے مساجد کو خیراتی ادارے سمجھ رکھا ہے، کسی بھی چیز کی ضرورت ہو مسجد سے پوری کرلو، پانی کی ضرورت، پیشاب کی ضرورت، گم شدہ چیز کا اعلان، سونے کی طلب ہو، دنیوی کام بھی مسجد میں کر لیے جاتے ہیں جو کہ درست نہیں ہیں۔

موجودہ سیاسی چھاپ سے مسجد کو دور رکھیں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: اسلام کو روکنے کے لئے بنیادی طور پر دو راستے اختیار کئے گئے، ایک خوف زدہ کرنے کا، دوسرے: لالچ دینے کا، ترہیب وتخویف کا اور تحریض وترغیب کا، یہی دونوں ہتھیار مسلمانوں کو راہ حق سے ہٹانے کے لئے ہر دور میں استعمال کئے جاتے رہیں... اس کی کوشش کا آغاز سابق وزیر اعظم جناب نرسمہاراؤ نے کیا تھا، جن کے کاندھوں پر بابری مسجد کی شہادت کا جرم عظیم ہے، اور جو کانگریس میں آر ایس ایس کے ایک وفا شعار سپاہی اور اس کے احکام کے تابع دار فوجی کی حیثیت سے شامل تھے۔

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمن مسجد کو یا تو اپنی عدالت کے ذریعہ اس کو ڈھانے کی کوشش کر رہا ہے یا پھر اس میں دخل اندازی کر رہا ہے لہذا ملک کی موجودہ سیاست سے مسجد کو دور رکھیں، سیاست کے لیے نہ خود مسجد کا استعمال کریں نہ کسی کو کرنے کا موقع دیں،

علاقائی نیتاؤں کو ضرورت سے زیادہ مسجد کے معاملہ میں دخل اندازی کے راستے فراہم نہ کریں کسی ایک پارٹی کی طرفداری نہ کریں، مگر یہ مطلب نہیں امام اور مصلیوں کو موجودہ سیاست سے غافل رکھیں، سیاسی شعور بیدار کرنے کے، اسکی مکاریوں کو سمجھنے کے لیے سیاست کی حقیقت پر خطاب کی درخواست کرتے رہیں تا کہ مسلمانوں کی طاقت بکھرنے نہ پائے، سیاست کا دین سمجھاتے رہنے کا موقع باقی رکھیں۔

کوشش یہ ہو کہ سب کو ساتھ لے کر چلیں، خاص کر علاقہ کے اہلِ علم، دین دار، اہل ثروت اور بااثر لوگوں کو اہم امور میں شامل رکھیں، مسجد مسلمانوں کے اتحاد کا مرکز ہے اس کو گروپ بندی یا سیاست کا اکھاڑا نہ بنائیں۔

مساجد کو حکومتی تعاون سے بچائیں

سوال: حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مساجد کے ائمہ ومؤذنین کو بالترتیب پانچ ہزار اور تین ہزار روپے بطور امداد دینے کا علان کیا گیا اور اس کے لئے ان مساجد سے درخواستیں لی جارہی ہیں جن کی آمدنی نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس کا لینا جائز ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ چونکہ یہ رقم مسجد کے اکاؤنٹ میں آئے گی تو کیا یہ رقم امام اور مؤذن کو دینا ضروری ہے یا ان کو حسب معمول سابقہ تنخواہ دیکر حکومت کی امدادی رقم کو مسجد کے اکاؤنٹ میں روک لینا جائز ہے بالفاظ دیگر حکومت کی امداد کو سابقہ تنخواہ میں مدغم کر دینا مثال کے طور پر امام کی تنخواہ دس ہزار ہو تو حکومت کی امداد آنے کے باوجود پندرہ ہزار کے بجائے دس ہزار ہی دینا یا کل نہیں تو بعض رقم روک لینا اور امام ومؤذن کو نہ دینا کا کیا حکم ہے۔ براہ کرم ان سوالوں کا ایسا مفصل ومدلل جواب عطا فرمائیں کہ پھر کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آے۔

جواب: (۱) مساجد کے لیے حکومت سے امداد لینا فی نفسہ ناجائز نہیں ہے؛ لیکن ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے مساجد وغیرہ کے لیے حکومت کی امداد قبول کرنے کو بعض مصالح

کے پیشِ نظر اور مفاسد کے اندیشہ سے کبھی پسند نہیں فرمایا ہے اور اب حالات کے تجربہ سے اکابر کی رائے کا راجح اور بہتر ہونا ثابت ہو چکا ہے؛ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ مساجد کے ائمہ اور مؤذنین کے لیے حکومت کی امداد کو قبول نہ کیا جائے؛ بلکہ مسلمانوں کے عمومی چندے اور تعاون سے ان کی تنخواہ کا نظم کرنا چاہیے۔

(۲) اگر بالفرض حکومت کی امداد قبول کر لی گئی، تو حکومت کی رقم جس مد کے لیے آئے گی، شرعاً اُس رقم کو اسی مد میں خرچ کرنا لازم ہوگا۔ اگر حکومت کی رقم ائمہ اور مؤذنین کے لیے آئے گی، تو اسی میں رقم خرچ کرنا لازم ہوگا۔ اس رقم کو روک کر کسی اور مصرف میں استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا؛ البتہ عمومی چندہ کی رقم جس میں چندہ دہندگان کی طرف سے کسی خاص مصرف کی تعیین نہ کی گئی ہو، اس کو متولی یا منتظمہ کمیٹی مصالح مسجد میں کہیں بھی استعمال کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱)

مساجد کے لئے حکومتی تعاون لینے کے نقصانات

۱۔ مسلم حکمرانی ختم ہونے کے بعد سے آج تک مساجد کا تعاون عوامی چندہ سے ہوتے آ رہا ہے، اور عوامی تعاون سے اتنی شاندار مساجد تعمیر کی گئی کہ اگر حکومت بھی ایسے مساجد تعمیر کرنا چاہتی تو سو بار سوچتی، تو آج کیا ایسی ضرورت آپڑی ہے کہ عوام سے ہٹ کر سرکار کے ٹکڑوں پر امید لگا لیں؟۔

۲۔ ائمہ ومؤذنین جب سرکاری تنخواہ لیں گے تو کمیٹی کے ہدایات سننے کی کیا ضرورت ہے؟ جس کا کھائیں گے اسی کا گائیں گے۔ اور جب سرکاری مشاہرہ ملے گا تو کمیٹی کسی معاملہ پوچھنے والی کون ہوتی ہے؟ خود کمیٹی میں مالیات کے علاوہ مسائل میں بھی عوام کو جوابدہی کا احساس ختم ہو جائے گا، مسجد میں کچھ بھی کسی کو پوچھنے کا حق حاصل نہ ہوگا، ابھی عوامی چندہ کی وجہ سے جوابدہی کا احساس رہتا ہے، کل کے دن یہ بھی ختم ہو جائے گا۔

---

(۱) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 148777۔

۳۔عوام مساجد پر خرچ کرنے کو سعادت سمجھتی ہے، تبھی اتنے سارے مساجد نہ صرف تعمیر کرتی ہے بلکہ اسکا تکفل بھی کرتی ہے، اگر عوام کا مساجد سے مالیاتی تعلق ختم ہوجائے تو مسجد کی خیر خواہی کا جذبہ بھی ختم ہوجائے گا، مسجد نعوذباللہ سرکاری آفس بن جائے گی۔آج جو حکومت تعاون کررہی ہے کل وہ مسجد ڈھانے کے لئے آئے تو کوئی مسلمان روکتا تو دور چہرہ پر ایک بل بھی نہیں لائے گا، کیونکہ اس کی نظر میں اس کا ڈہہ جانا خدا کا گھر ڈہہ جانا نہیں بلکہ ایک سیاسی پارٹی کی آفس کا ڈہہ جانا ہے۔ایک دن ایسا بھی ہوگا مساجد کی تعمیر سے دلچسپی ختم ہوتی جائے گی، اور سیاسی مکاریوں سے مساجد کو شہید کیا جانے لگے گا۔

۴۔مساجد کے ائمہ کو چندہ دینے والی سرکار خود مساجد تعمیر کیوں نہیں کردیتی ؟ کتنے ایسے دیہات ہیں جہاں مسجد نہیں ہے؟ یہ بھی اگرچہ ہمیں گوارا نہیں ہے، آخری درجہ میں اپنے مساجد خود بنالے اور خود چلالے یا خود بند کرلے۔

۵۔آج جہاں مساجد میں سیاست کے عنوان پر بولنا بھی غلط شمار کیا جاتا ہے (جوکہ غلط ہے) کل جمعہ کا پورا بیان سیاست اور اہل سیاست کی ہمنوائی میں کیا جائے گا۔پھر وہی مثل لازم آئے گی کہ "بارش سے بھاگے پرنالہ کے نیچے کھڑے"

۶۔ائمہ کرام کی تقرری و برطرفی میں سیاسی وابستگی اور سیاسی اثر ورسوخ کا دخل ہوجائے گا۔جس امام کا تعلق کسی سیاسی لیڈر سے ہو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے معزول کرنا مشکل ہوگا، اور نا اہل کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سیاسی رسوخ کی وجہ سے تقرر کرنا پڑے گا، غنڈوں کی سفارش و دباؤ میں لینا پڑے گا، بلکہ شاید کمیٹی کو یہ حق تقرر و حق معزول بھی نہیں دیا جائے گا۔

۷۔سرکاری اسکول، سرکاری کالج، سرکاری دواخانہ میں جو کوتاہی دیکھی جارہی ہے، جس سے ممکن ہے کئی لوگ مرجانا گوارا کرتے ہوں حتی کہ سرکاری دواخانہ میں جھاڑوں پوچا کرنے والی بھنگن بھی مریض پر زور چلاتی ہے، اوقات کی پابندی نہیں، صحیح تعلیم نہیں، وغیرہ، تو مساجد میں بھی یہی حال ہوجائے گا، اور کمیٹی یا عوام کو پوچھنے کا اختیار بھی نہیں رہے گا، چونکہ وہ

سرکاری ملازم ہیں۔

۸۔حکومتیں بدلتی رہتی ہیں، دینے والی حکومت جانے کے بعد آنے والی حکومت دینا بند کردے تو دوبارہ عوام سے چندہ کی اپیل کی جائے تو ان میں ایک تو خرچ کرنے کی عادت ختم ہو چکی ہوتی ہے، پھر اس عادت کو بحال کرنا دشوار تو ہوگا ہی، مگر بحال ہونے تک کا نظام کون سنبھالے گا؟ علاوہ ازیں سرکاری تعاون کے ایام میں کمیٹی یا ائمہ کرام کے نخرے انہیں یاد ہوں گے جسے یاد کر کے تعاون کے بجائے ممکن ہے طعنہ دیا جائے گا۔

۹۔ائمہ کرام اور مؤذنین کو تنخواہ براہِ راست دیا جائے تو [۱] چند ماہ امامت کرنے کے بعد کسی وجہ سے معزول ہو جائے تو کاغذی کاروائی ہونے تک، سرکاری اکاؤنٹ سے ماہانہ مشاہرہ وصول ہوتا رہے گا، مسجد کی کمیٹی سے ناچاقی کے بعد شاید کوئی یہ رقم واپس کرنا چاہے گا، [۲] مسجد کی کمیٹی اور ائمہ کرام میں مالیہ کے سلسلہ میں تنازعہ ہوگا، جس کے بعد دونوں بیت اللہ کے نظام کی شکایات باغی و کافر کے پاس لے جائیں گے، [۳] اگر مسجد کمیٹی کا مالیہ کے سلسلہ میں دخل نہ ہو تو ائمہ کرام کو اپنی ذمہ داریوں پر پابند کرنے کے لئے نگران کون ہوگا؟ اگر کمیٹی ہے تو اس کی کیوں سننا ضروری ہوگا؟۔

۱۰۔مساجد کے ائمہ کے لئے جب تنخواہیں سرکار سے ملیں گی تو مساجد کے چھوٹے اور بڑے ہونے کا نیز شہر اور گاؤں کی مسجد کا بھی فرق کا بھی لحاظ رکھ کر تنخواہوں کا نظام شروع ہوگا، پھر آج عوامی چندہ پر گاؤں میں امامت کرنے والے ائمہ کی پوسٹنگ شہر کی طرف ہو جائے گی یا ائمہ کرام خود بڑی مسجد کی تلاش میں رشوت و اغیار کی سفارش کے لئے جھک جائیں گے، اور آج جس قدر گاؤں گاؤں میں، مساجد قائم ہیں رہتے رہتے یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔اور گاؤں میں کوئی امام نظر نہیں آئے گا۔

سچ یہ ہے کہ عوامی چندہ محبت و عظمت سے دیا جاتا ہے، دے کر جوابدہی کا مطالبہ نہیں کیا جاتا ہے، حقیر نہیں سمجھا جاتا ہے، یہ بالکل ذہن سے نکال دیں کے غریب کے چندے سے

کیا ہوگا؟ یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں مالداروں کے مقابلہ میں غریب زیادہ ہیں، خوش دلی سے ملنے والے غریب کے تھوڑے تعاون میں وہ برکت ہوتی ہے جو حقارت سے ملنے والے لاکھوں کی رقم میں نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے ''چندہ کرو مگر غریبوں سے'' کیا یہ بات سبق آموز نہیں ہے کہ شاہ ابرار الحق صاحبؒ نے ''مٹھی فنڈ'' کا سلسلہ شروع کیا جس کے صدقہ آج ستر سے زائد مدرسہ کا اکثری خرچ اسی مٹھی فنڈ سے نکل جاتا ہے۔

مساجد میں زبردستی چندہ وصول کرنا

مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس کی تعمیر کرنے کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے، لہذا ہر مسلمان کا اپنی استطاعت کے بقدر مسجد کی جملہ ضروریات میں خرچ کرنا باعثِ اجر وثواب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مختلف مواقع میں جیسے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر مسجد میں چندہ جمع کرنا ثابت ہے۔(۱)، لہذا مسجد، مدرسہ یا کسی اور دینی مقصد کے لیے مسجد میں چندہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے کسی نمازی کی نماز میں خلل نہ ہو، کسی مصلی کو تکلیف نہ دی جائے، مسجد میں شور وشغب نہ ہو، نیز اہم شرط یہ ہے کہ چندہ زبردستی نہ لیا جائے اور چندہ نہ دینے پر کسی کو عار نہ دلائی جائے، مسجد کی طرف ہر گھر پر پانچ سو، ہزار کی رقم متعین نہ کی جائے بلکہ زائد دینے کی ترغیب دے کر جتنا بھی بخوشی دیں لے لیا جائے، متعینہ مقدار سے کم دینے پر ہرگز واپس نہ کیا جائے، چونکہ ہر شخص کی مالی حالت بہتر نہیں ہوتی ہے، زبردستی کسی کا مال لینا ویسے بھی

---

(۱) عَنْ عَبدِ الرَّحمَنِ بنِ خَبَّابٍ، قَالَ: شَهِدتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ يَحُثُّ عَلَى جَيشِ العُسرَةِ، فَقَامَ عُثمَانُ بنُ عَفَّانَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلَيَّ مِائَةُ بَعِيرٍ بِأَحلَاسِهَا وَأَقتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللهِ، ثُمَّ حَضَّ عَلَى الجَيشِ، فَقَامَ عُثمَانُ بنُ عَفَّانَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلَيَّ مِائَتَا بَعِيرٍ بِأَحلَاسِهَا، وَأَقتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللهِ، ثُمَّ حَضَّ عَلَى الجَيشِ، فَقَامَ عُثمَانُ بنُ عَفَّانَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلَيَّ ثَلَاثُ مِائَةِ بَعِيرٍ بِأَحلَاسِهَا، وَأَقتَابِهَا فِي سَبِيلِ اللهِ، فَأَنَا رَأَيتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَنزِلُ عَنِ المِنبَرِ وَهُوَ يَقُولُ: مَا عَلَى عُثمَانَ مَا عَمِلَ بَعدَ هَذِهِ مَا عَلَى عُثمَانَ مَا عَمِلَ بَعدَ هَذِهِ۔ (سنن الترمذی، حدیث: ۳۷۰۰)

جائز نہیں چہ جائے کہ مسجد میں ایسے حرام مال کو استعمال کیا جائے۔ اگر زبردستی کر کے چندہ وصول کر لیا گیا ہے تو اسے واپس کرنا ضروری ہے، مسجد کی ضروریات میں اسے خرچ کرنا شرعاً نا جائز ہے۔

مسجد میں مجلسِ عقد پر چندہ لینا

مسجد میں مجلسِ نکاح منعقد کرنا مستحب عمل ہے، اور یہ اُس کے اَغراض ومقاصد میں داخل ہے، لہٰذا متولی یا مسجد کمیٹی کا دُولہے والوں یا دُلہن والوں سے مسجد میں نکاح کرانے کی وجہ سے جبراً کوئی مُعاوَضہ یا چندے کا مُطالَبہ کرنا جائز نہیں ہے، بعض جگہ کمیٹی والے اور امام صاحب کے مابین یہ بات طے ہوئی ہے کہ گاؤں میں جن کے یہاں شادی کی تقریب ہوگی (خواہ غریب ہو یا امیر) انہیں نکاح پڑھانے والے کو پانچ ہزار روپیے دینے ہوں گے، اس پانچ ہزار میں سے ڈھائی ہزار نکاح پڑھانے والے کے ہوں گے اور ڈھائی ہزار کمیٹی والوں کے، اور اس گاؤں میں کچھ غریب طبقے کے لوگ بھی رہتے ہیں جو قرض لے کر شادی کرتے ہیں اور نکاح پڑھانے والے کو بھی دیتے ہیں۔

بعض مساجد کا عالم یہ ہے کہ نکاح خوانی کی اجرت چار ہزار چار سو روپیہ ہے، چار ہزار مسجد کے فنڈ میں جائیں گے اور نکاح پڑھانے والے امام کو صرف چار سو روپیہ دئے جائیں گے۔

کہیں یہ نظام ہے کہ مسجد کے امام صاحب نکاح کی اجرت 3500 روپے وصول کرتے ہیں، مسجد کی کمیٹی کے لوگ امام صاحب سے 700 روپے نکاح کے رجسٹر کے نام پر وصول کر لیتے ہیں، جبکہ لڑکے والے پوری رقم امام صاحب کو ہی دیتے ہیں، یعنی کمیٹی کے ذریعہ 700 روپے وصول کرنے کی بات انکو معلوم نہیں ہوتی ہے۔

کیا یہ تمام شکلیں ظلم میں داخل نہیں ہیں؟ نکاح خوانی کی اجرت لینا جائز تو ہے، مگر نکاح خواں اس کا مالک وحقدار ہے، وہ جہاں چاہے اسے صرف کر سکتا ہے، کمیٹی والوں کو جبراً لینا جائز نہیں، نیز غریبوں سے بھی اتنی ہی اجرت لینا درست نہیں ہے کہ یہ انہیں مشقت میں ڈالنا

اور تکلیف پہنچانا ہے۔

البتہ مسجد کمیٹی کا امام صاحب سے 700 روپئے وصول کرنا اگر کسی معاہدہ کی بناء پر ہے یعنی امام مقرر کرتے وقت کوئی معاہدہ اس سلسلہ میں ہوا ہو تو اس کے مطابق ان سے اس کی وصولیابی درست ہوگی ورنہ درست نہیں ہوگی۔ نکاح کا رجسٹر عموما امام کا ہی ہوتا ہے۔ اگر کہیں نکاح کا رجسٹر مسجد والوں کا ہے تو بطور اجرت لینا درست معلوم ہوتا ہے۔

اگر بلا جبر ومطالبہ کے دُولہے والے یا دُلہن والے مسجد میں کچھ چندہ دیدے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مسجد کی ضروریات میں اُس کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ حاصل یہ کہ نکاح کے موقع پر مسجد کی تعمیر کے لیے چندہ لازم کرنا جائز نہیں جس سے اجتناب لازم ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص لوگوں کی ملامت کے ڈر سے نہیں، بلکہ خالص اپنی رضامندی سے مسجد کو چندہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

”وَفِي فَتَاوَى النَّسَفِيِّ :إِذَا كَانَ الْقَاضِي يَتَوَلَّى الْقِسْمَةَ بِنَفْسِهِ حَلَّ لَهُ أَخْذُ الْأُجْرَةِ، وَكُلُّ نِكَاحٍ بَاشَرَهُ الْقَاضِي وَقَدْ وَجَبَتْ مُبَاشَرَتُهُ عَلَيْهِ كَنِكَاحِ الصِّغَارِ وَالصَّغَائِرِ فَلَايَحِلُّ لَهُ أَخْذُ الْأُجْرَةِ عَلَيْهِ، وَمَا لَمْ تَجِبْ مُبَاشَرَتُهُ عَلَيْهِ حَلَّ لَهُ أَخْذُ الْأُجْرَةِ عَلَيْهِ، كَذَا فِي الْمُحِيطِ. وَاخْتَلَفُوا فِي تَقْدِيرِهِ، وَالْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى أَنَّهُ إِذَا عَقَدَ بِكْرًا يَأْخُذُ دِينَارًا وَفِي الثَّيِّبِ نِصْفَ دِينَارٍ وَيَحِلُّ لَهُ ذَلِكَ هَكَذَا قَالُوا، كَذَا فِي الْبُرْجَنْدِيِّ“(۱)

رمضان یا شب قدر میں امام اور حافظ کے نام پر چندہ

رمضان کے موقع سے عموماً ایسا ہوتا ہے کہ شب قدر کے چندے کے نام سے مسجد کے ذمہ داران ایک ہفتہ تک مسجد میں کسی ایک نماز کے بعد ہر صف میں شب قدر کا یا

(۱) كتاب أدب القاضي، الْبَابُ الْخَامِسَ عَشَرَ فِي أَقْوَالِ الْقَاضِي وَمَا يَنْبَغِي لِلْقَاضِي أَنْ يَفْعَلَ: ۳۰

رمضان المبارک کا چندہ وصول کرتے ہیں، نیز انفرادی طور پر محلے میں گشت کرکے چندہ وصول کرتے ہیں۔ بعض مساجد میں صاف اعلان کیا جاتا ہے کہ ''امام صاحب، حافظ صاحب کا چندہ دیا جاوے'' اور چندے کی یہ رقومات ختم قرآن کے روز امام مسجد، مؤذن اور حافظ صاحب کو نذرانہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

مذکور طریقہ پر چندہ جمع کرنا بے غیرتی اور عار کی بات ہے، ذمہ داران کو یہ طریقہ بند کردینا چاہیے۔ ہر مصلی کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر امام، مؤذن اور حافظ صاحبان کی بقدر استطاعت خدمت کرنا چاہیے، یا پھر متولیان کو خصوصی چندہ کرلینا چاہیے جس میں برضا ورغبت چندہ کالین دین ہو کسی پر کوئی زور زبردستی نہ ہو۔

''لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفسه''۔(۱)

امام صاحب اور حافظ صاحب کے نام سے چندہ وصول کیا جاتا مگر جتنا وصول ہوا اتنا پورا دیا بھی نہیں جاتا، جتنا طے ہے اتنا ہی دیا جاتا ہے بقیہ مسجد کے اخراجات میں رکھ لیا جاتا ہے، ظاہر ہے اگر ایسا کرنا ہی تھا تو مسجد کے اخرجات کے نام سے عمومی یا خصوصی چندہ بلا جبر کرلینا چاہئے، ان حضرات کو بدنام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔(۲)

مسجد کے چندہ اور اخراجات میں پابندِ شرع رہیں

۱۔ مسجد کا چندہ لینے سے کسی کو محروم نہ کیا جائے اور پیار واخلاق سے لیا جائے۔ ایسا انداز نہ ہو جیسے کوئی قرض وصول کرنے میں اختیار کرتا ہے۔

۲۔ بعضے متولی کسی سے چندہ مانگنے کو عار سمجھتے ہیں، اس طرز عمل سے ایک تو مسجد کی آمدنی ضرورت سے کم حاصل ہوگی، دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ لوگ مسجد پر خرچ کرنے سے محروم ہوجائیں گے۔

(۱) سنن الدارقطنی، حدیث: ۲۷۶۲

(۲) اس سلسلہ میں مؤلف کی کتاب ''رمضان المبارک معروفات ومنکرات'' ضرور دیکھیں۔

۳۔مسجد کا چندہ بے جا خرچ نہ ہونے پائے، جب کبھی کہیں خرچ کرنے کی نوبت آئے تو کسی عالم و مفتی سے ضرور مشورہ لیا جائے۔

۴۔مسجدوں کو سادہ رکھیں نقش و نگار میں فضول خرچی نہ کریں، بعض مساجد سادہ ہوتی ہیں مگر ماشاء اللہ اعمال سے آباد ہوتی ہیں۔

۵ ۔اگر نقش و نگار ضروری کرانا ہے تو مسجد کے چندے سے خرچ نہ کریں کیونکہ مسجد کا چندہ ضروریات مسجد کے لیے ہوتا ہے، نقش و نگار ضروریات سے زائد چیز ہے۔

۶۔مسجد کو حد سے زیادہ حسین بنانا بھی مناسب نہیں، اگر یہ ذاتی رقم سے بنائیں تو بھی بہتر نہیں، نقش و نگار لیے کہ ایک ہی مسجد پر جتنا خرچ کیا جاتا ہے اس سرمایہ سے کئی مساجد بن سکتی ہیں، ایک مسجد پر خرچ کرنے کی بنسبت متعدد مسجدوں کو بنالینا زیادہ کارِ ثواب ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ لوگ ایسی مسجد کو سیر گاہ بنالیتے ہیں کسی مسجد کو سیر گاہ بنانا خود ایک جرم ہے، نیز وہاں تصویر کشی ہوتی ہے، بے پردہ عورتیں آجاتی ہیں، ایسے لوگ بھی اندر آتے ہیں جنہیں پاکی و ناپاکی کا لحاظ نہیں ہوتا، ہوسکتا ہے کہ ناپاک عورتیں بھی مسجد دیکھنے آجاتی ہوں وغیرہ، نیز مسجد کے حقوق میں سے ہے کہ جو بھی مسجد میں داخل ہو کم از کم دو نفل پڑھ لے مگر سیر و تفریح والوں کو اس کی فرصت اور اس کا احساس کہاں؟

۷۔مسجد کے خادمین پر خرچ کو کم کرنے کی بجائے اس کی آمدنی (چندہ) بڑھانے کے لیے محنت کی جائے۔

۸۔مسجد کا کوئی بھی تعمیر وغیرہ کا کام ہو اس کے بارے میں عالم دین سے مشورہ لے لیا جائے۔(۱)

چند سوال توجّہ طلب ہیں؟

کیا مساجد میں کسی صورت میں خواتین کا داخلہ نہیں ہونا چاہیے؟ کیا مساجد سے بچّوں کو

(۱) یہ مضمون انٹرنیٹ سے حاصل کیا گیا ہے۔

دور رکھنے ہی میں مسجد کا تقدّس باقی رہتا ہے۔؟ ننھے ننھے نمازیوں کی تربیت کہاں ہوگی؟ وہ مستقبل کے نمازی کیسے بنیں گے؟ دس سال کے بچوں پر نماز فرض ہے تو پھر مساجد میں ان کا استقبال کیوں نہیں ہوتا؟ ہماری ڈانٹ پھٹکار سے وہ مسجد آنے سے ڈرنے تو نہیں لگیں گے۔؟ اور عملاً مسجد سے دور اور باہر تو نہیں ہو جائیں گے؟ کیا مسجد کے حرم کے حصہ کے علاوہ دیگر جگہوں پر غیر مسلم آسکتے ہیں؟ بات سن سکتے ہیں! نماز باجماعت کا عملی مشاہدہ کرنے کی اجازت ہے؟ ہم مسجد کے ساتھ جڑ کر کون کون سی دینی سرگرمیوں کو انجام دے سکتے ہین؟ عہد نبوی ﷺ میں مساجد کو کن کاموں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا؟

اگر ان میں سے بعض سوالات کا عملی جواب چاہتے ہیں تو ان کاموں کو انجام دینا ہوگا جنکا تذکرہ ہو رہا ہے۔

خواتین منزل کا نظام قائم کریں

علاقہ کی خواتین کی اصلاح بھی ضروری ہے، اصلاح کے لیے کچھ لائحہ عمل ترتیب دیں ضرورت کے حساب سے پروگرام رکھیں، جمعہ کا خطبہ، اور مخصوص مسائل میں ان کی تربیت اور رہنمائی کے لیے مستند عالمات کے دروس کا اہتمام کریں، اس کے لیے مسجد سے متصل مکمل پردہ کے نظام کے ساتھ خواتین منزل تعمیر کریں، جہاں جمعہ اور دیگر مواقع میں خواتین جمع ہوں بیان سنیں، اپنی انفرادی نماز پڑھ کر چلی جائیں، رسومات ختم کرنے کے لیے یہ اقدام بہت ضروری ہے۔

خواتین جمعہ کا بیان اور حسبِ سہولت دیگر دینی دروس اور خطابات سے استفادہ کرسکیں، خواتین کے لیے الگ راستہ، الگ دروازہ، خاص جائے نماز، خاص سڑھیاں اور مناسب پردے کا نظم کیا جائے۔ ہر پہلو سے خواتین کے لیے تحفظ فراہم کیا جائے تاکہ وہ بآسانی وعظ ونصیحت سے استفادہ کرسکیں، اگر ضرورت ہو تو خواتین کے لیے ڈسپلے اسکرین ہو تاکہ وہ بھی خطیب کے بیان کو پوری یکسوئی کے ساتھ سن سکیں، مردوں کی طرح ہر ہفتہ خطباتِ

جمعہ سے مستفید ہوں، اجتماعی زندگی اور ملی وحدت کا شعور اور احساس پیدا کریں، خواتین کو حسبِ ضرورت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے اور وہ نکلتی بھی ہیں، وہ اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتی ہیں، کھیتی کھلیان کا کام کرتی ہیں، سودا سلف اور دیگر ضروریات کے لیے بازار جاتی ہیں، دوا علاج کے لیے ڈاکٹروں کے پاس جاتی ہیں تو ہفتہ میں ایک بار پاک صاف، باوضو اور با پردہ ہو کر خواتین منزل سے استفادہ میں کرنے میں کون سی قباحت ہے؟ خواتین کو مسجد سے اکثر محروم رکھنا دینی اعتبار سے ان کی سراسر حق تلفی ہے، مسلم معاشرہ میں جو بے دینی ہے اور بالخصوص خواتین کے اندر جو اعتقادات کی خرابیاں اور توہمات ہیں۔ ہمارے گھروں میں جو رسوم و رواج، بدعات اور تضادات ہیں۔ اندرونِ خانہ بکھراؤ اور انتشار ہے۔ ساس بہوا ور نند بھاوج کی مسلسل چپقلش اور باہم زیادتیاں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے خواتین کی وعظ و نصیحت کا معقول انتظام نہیں کیا ہے۔ اگر وہ برابر خطباتِ جمعہ سے مستفید ہوتیں تو شاید دینی شعور کی بیداری کے سبب صورتِ حال قدرے مختلف ہوتی۔(۱)

خواتین کی تربیت مسجد سے ہونا کس قدر ضروری ہے؟

ہم میں سے ہر ایک اپنی مسجد کا حال دیکھ لے، جمعہ کے دن کتنے نمازی ہوتے ہیں اور عام دنوں میں کتنے؟ اور جس طرح جمعہ کی نماز میں مسجد بھر جاتی ہے اسی طرح فجر کی نماز میں مسجد مصلیوں سے بھر جائے، اس کے لئے ہم میں سے ہر ایک سوچے کہ میں نے کتنی کوشش ہے۔ یہ تو مردوں کا حال ہے۔۔۔۔۔لیکن غور کریں کہ ہمارے محلہ میں یعنی جس محلہ میں بندہ امام ہے اس محلہ میں گھروں میں عورتیں نماز پڑھ رہی ہیں یا نہیں؟ اور جو پڑھ رہی ہیں تو فرائض واجبات کا کتنا اہتمام ہے؟ تجوید کی تصحیح کا اہتمام ہے؟ قومہ اور جلسہ کی تصحیح کا کتنا اہتمام ہے؟ مسجد میں آنے والے جو آنے والے کے محارم ہیں، ان کے ذریعے امام مسجد ہوتے ہوئے میں نے کتنی کوشش کی ہے، کہ میرے محلہ میں جتنے گھر ہیں ان میں

(۱) شب و روز، 2021Fri, 5 Mar

بالغ افراد مسجد میں آئیں اور عورتیں وقت پر اہتمام سے گھروں میں نماز پڑھیں؟ اگر ذرا ہمت کرلیں تو وعید سے بچ جائیں اور بہت بڑے ثواب سے مالا مال ہو جائیں۔ ''اللھم وفقنی وجمیع الامۃ لھذا''

حضرت عمرؓ کی نصیحت کو نقشِ دیوار بنالیں

صحابہ کرامؓ کے یہاں نماز کا کیسا اہتمام تھا اس کا کچھ اندازہ حضرت عمرؓ کے اس خط سے ہوتا ہے۔ آپؓ نے اپنے گورنروں کے نام خطوط لکھوائے اور ان میں لکھوایا: ''تمہارا سب سے اہم کام میرے نزدیک نماز ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس پر پابندی کی اس نے اس کو ضائع کیا وہ دین کے دوسرے احکام کو اس سے زیادہ ضائع کرے گا۔''(۱) جس نے اب سوچئے نماز کو ضائع کرکے دین کی حفاظت کیسے ہوگی۔ جس مسجد کے آپ حضرات ذمہ دار ہیں اس محلہ میں دین کتنا محفوظ ہے نمازیوں کے تناسب سے سوچ لیجئے؟ حضرت عمرؓ کا یہ خط اپنی میز پر لکھ کر لگا لیجئے، اور اس کے لئے محنت بھی خوب کیجئے اور رات کو تہجد میں اٹھ کر دعا بھی رو رو کر مانگئے کہ اے اللہ! میرے محلہ میں کوئی بے نمازی نہ رہے، ہر نمازی کو اتنا سمجھائیں کہ وہ دوسروں کو نمازی بنانا سیکھ لے۔ اور یقین رکھیے کہ آپ کے محلہ میں رہنے والا ہر شخص نمازی بن گیا۔(۲)

بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظم بنائیں

اگر محلہ میں کوئی دینی مدرسہ نہ ہو تو مسجد کے ذمہ داروں اور محلہ کے لوگوں سے مل کر مسجد میں بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظم کریں، جس میں ناظرہ قرآن، اور کچھ دینی کتابیں پڑھائیں اور انھیں وضو اور نماز وغیرہ کا طریقہ عملی طور سے سکھائیں، اور ضروری دعائیں اور قرآن کی کچھ

---

(۱) موطا للامام مالک، وقت الصلوۃ، باب وقت الصلوۃ

(۲) تحفۃ الأئمہ: ۴۰۷

سورتیں یاد کرائیں،اور اگر محلہ میں کوئی دینی مدرسہ ہے جہاں بچے دینیات کا علم حاصل کرتے ہیں تو اس نظم کی ضرورت نہیں ،مگر دونوں صورتوں میں بچوں کے لئے سال میں دو تین تربیتی اور مسابقاتی پروگرام رکھیں ،جن میں دینی مسائل ، کچھ سورتوں اور دعاؤں کے حفظ ،تقریر، قرأت اورنظم خوانی وغیرہ کا مقابلہ کرائیں اور کامیاب ہونے والے بچوں کو انعامات سے نوازیں ،اس سے بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں بڑے اچھے اثرات مرتب ہونگے، اورلوگوں میں تعلیمی بیداری پیدا ہوگی۔

بچّوں کی تعلیم وتربیت کے لیے مساجد میں مکاتب کا قیام بہت ضروری ہے،کیونکہ آج کے مکتب کا طالب علم کل کا مصلی رہیگا اور خاص کر ایسے ماحول میں جہاں اسکول کا نصاب ونظام بے دینی اور الحاد کا زہر بچوں کے دماغ میں گھول رہا ہو،اگر دینی تربیت سے بے فکر ہوجائے تو یہ بچے مذہب اسلام کو خدا حافظ کہہ کر دوسرے مذہب میں داخل ہوجائیں گے، یہی وجہ ہے کہ انبیاءؑ کے بارے میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ آخری وقت میں بھی اپنے بچوں کی دینی فکر لاحق تھی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں کے اُسوہ کو یاد رکھیں کہ پورا خاندان نبوت کے نور سے منور ہے، اس کے باوجود انھیں اپنی وفات کے وقت یہی فکر دامن گیر ہے کہ ہماری اولاد دین پر قائم رہے گی یا نہیں؟ ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا کبھی ہم نے اس پر غور کیا ہے؟ اور کیا ہم نے بھی کبھی اپنی اولاد سے استفسار کیا ہے :مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ؟(۱)

اس لئے بچوں کی تعلیم کی اہمیت کو سمجھے اور ان مکاتب کو اس زہر کا تریاق سمجھیں ،لہذا پورے نظم وضبط اور نصاب کے ساتھ اس کو قائم کریں بلکہ مساجد میں شعبۂ حفظ کے غیر اقامتی ادارہ قائم کرنے سے بہترین نتائج ظاہر ہوتے ہیں ،بچے چار پانچ سال میں حفظ مکمل کرلیتے ہیں ۔

---

(۱)القرآن،آیت: ۱۳۳

مکاتب کے قیام کو ذریعۂ نجات و قبولیت سمجھیں

کون مقبول ہے، کون مردود ہے اللہ کے خزانے میں ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور سلمان بن ربیع رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ مشہور ہے حج پر جاتے ہوئے بیوہ کی مدد کی اور سارا پیسہ صدقہ کردیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حج کی قبولیت کی بشارت اور قربِ الٰہی نصیب ہوا، اس زمانے کی بڑی نیکی مکاتب کی خدمت ہے، اس سے ہماری نسلوں کے ایمان کی حفاظت ہو گی، اس نیکی کو ذریعۂ نجات بنالیں۔

اسکول قائم کرنا، ہر سکول میں جا کر سلیبس Syllabus کے اندر کے بیکٹیریاز Bacterias نکالنا، نیا سسٹم ڈیزائن System Design کرنا بھی ایک عظیم تقاضہ ہے اور اس کے ذمہ دار علماء ہیں لیکن سب سے چھوٹا اور آسان پراجیکٹ Project مکتب قائم کرنا دیہاتوں میں مکاتب پڑھانے والے اور پڑھنے والیاں، تعاون کرنے والے اور سب مبارکبادی کے قابل ہیں، مستحکم کرنے کی فکر کرتے رہنا، وقت پر جو خدمت ہو سکے کر دینا، اپنا وقت پیش کرنا سب خدمت دین کا حصہ ہے۔

ایک صاحب کی والدہ کا انتقال ہو گیا ان کو کمپنی والوں نے کہا کہ آپ کا ماہانہ خرچ کتنا ہے لکھ کر دیجیے، انہوں نے لکھا کہ کرایہ اتنا ہے، راشن اتنا ہے، اس میں والدہ کو دینے کے چار ہزار روپے بھی لکھا، کمپنی کے مالک نے کہا : آپ کی والدہ کا چار سال پہلے انتقال ہو گیا پھر آپ نے یہ پیسے کیسے لکھا کہ والدہ کو چار ہزار دینے ہیں؟ اس نے کہا: بندہ خدا! جیسے میں زندگی میں امی کی پاکٹ منی Pocket money کے لیے چار ہزار دیتا تھا ان کے دنیا سے جانے کے بعد بھی چار ہزار ان کے لیے ایصال ثواب کرتا ہوں، ان کو دنیا سے زیادہ آخرت میں ضرورت ہے، جیسے میں زندگی میں خرچ کرتا تھا مرنے کے بعد بھی خرچ کر رہا ہوں، ان کے اکاؤنٹ Account میں پہنچ جاتے ہیں، جو نیکی کا سلسلہ آدمی شروع کر دے، اس نیکی کے سلسلے کو بند نہ کیا جائے، مال خرچ ہونے ہی کے لیے ہے، مال کی حقیقت

ہی یہ ہے کہ جب تک خرچ نہیں کرو گے وہ تمہارا نہیں ہوگا، خرچ کرنے کے بعد تمہارا ہوگا اور جب تک لے کر بیٹھے رہو گے اس کے چوکیدار رہو گے مالدار نہیں رہو گے، تم وارثوں کے لیے چوکیداری کر رہے ہو، شریعت کے حصوں کے مطابق وارثوں کو دینا چاہیے لیکن اپنی آخرت کو ویران کر کے نہیں، جو مال نیکیوں پر خرچ نہیں ہوگا وہ گناہوں پر خرچ ہوگا۔

جس مسجد میں مکتب نہ ہو تو وہ مسجد بانجھ ہے

جس مسجد میں گنبد و مینار کی فکر ہو مگر مکتب کی فکر نہ ہو وہ تو وہ مسجد بانجھ ہے، شیخ صالحؒ فرماتے ہیں کہ ''ہم مسجد و مدرسہ اور مکتب کو ایک ہی چھت کے تلے جمع کر لیں تو یہ کوشش مقصد کے حصول میں زیادہ مؤثر رہیگی، جب ایک طالب علم بچپن سے لڑکپن تک کی زندگی مدرسہ میں گذارتا ہے تو ذہن کی پختگی اور کردار کے نکھار میں تبدیلی و تاثیر پیدا ہو جاتی ہے، بلکہ اگر عصری تعلیم کی روح کو اسکول کی عمارت کے بجائے مسجد کی فضا میں پھونکیں، شریعت و دعوت اور اس کی فضیلتوں کے پودے اس پاک ماحول میں اگائیں تو یہ اس کی طبیعت پر دہری اثرانداز ہوں گی۔(۱)

اسکول کا تو حال یہ ہے کہ اس میں جدید ایجادات کی بھرمار کر دی تا کہ یہ نعرہ لگایا جا

---

(۱) جس زمین پر ایک مرتبہ شرعی مسجد بن جائے تو وہ تحت الثری (زمین کی تہہ) سے اوپر آسمان تک قیامت تک کے لیے مسجد رہتی ہے، اس میں اسکول بنانا یا مستقل مدرسہ بنانا جائز نہیں ہوتا۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسجد کے اندر عصری تعلیم گاہ کھولنا جائز نہیں ہے، مسجد کے اندر شدید ضرورت کے بغیر فیس لے کر قرآن اور دین کی تعلیم دینا بھی مکروہ ہے، چہ جائے کہ مسجد میں عصری تعلیم گاہ ہو، یہ مسجد کے تقدس کے منافی ہے۔ البتہ ضرورت اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے قرآن اور دین کی ضروریات کی تعلیم مسجد کے آداب اور احترام کی رعایت کرتے ہوئے اور صفائی کا خیال رکھتے ہوئے مسجد کے اندر دینا جائز ہے، اس لیے قرآن اور دینی ضروریات کے لیے عارضی درس گاہ بنانے کی اجازت ہے، لیکن مسجد میں اسکول کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔(دارالافتاء : جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر 144210201131 :) البتہ مسجدِ عرفی میں جہاں کرایہ کی عمارت بنائی جاسکتی ہو اس میں اسکول قائم کرنے سے بھی مذکورہ مقصد حاصل ہو جائے گا اور شرعاً بھی درست ہو جائے گا۔ احمد اللہ۔

سکے کہ اوّل الذکر دقیانوسوں کا گروہ ہے وہ زمانہ قدیم کی طرف لوٹ رہا ہے، اور مؤخر الذکر روشن خیالوں کا ہے جن کا مستقبل تابناک ہے، طبقہ اولی کا کام صرف وعظ وتدریس رہ گیا ہے، اور طبقۂ ثانیہ بہت اونچی ذمہ داریاں نبھا رہا ہے، طبقہ اولی کی اکثریت معاشرے کے محروم اور بے کاروں کی ہے، اور طبقہ ثانیہ کی مالدار اور ذمہ داروں کی ہے، ان ساری پریشانیوں کا حل اور اہلِ باطل کے مکر کا توڑ یہی ہے، یہ ایک نسخۂ اکسیر ہے کہ ہم مساجد کو اعمال سے آباد کریں، مسجد ہر وقت کھلی ہوئی ہو، محلّہ کا ہر آدمی مسجد سے اپنا دین سیکھ رہا ہو، اور دوسروں کو سکھا رہا ہو"۔(۱)

حاصل یہ کہ بچے جب تک کچھ عرصہ اپنے مذہبی مرکز یعنی مسجد سے جڑے رہیں گے تو ان کا دینی شعور برقرار و بیدار رہے گا، ورنہ خدانخواستہ وہ غیروں کی تعلیم وتربیت کا اثر لے کر ہمارے درمیان ان کے نمائندوں کا کردار ادا کریں گے اور دین سے بے زاری آہستہ آہستہ ان کا شعار بن جائے گی۔

کیا آپ یقین کریں گے؟

داعی ڈاکٹر عبدالرحمن السمیطؒ کہتے ہیں: میرے افریقہ میں دعوتی کام کے دوران، میں ایک دن کھڑا تھا کہ میں نے ایک افریقی عورت کی آہ و بکا سنی جو چھوٹے بچوں کے ایک ڈاکٹر سے گریہ وزاری کر رہی تھی اور اسے واسطے دے رہی تھی۔ میں اُس کے اصرار کی شدت اور اپنے مطلب (کو منوانے) کی پختگی سے واقعی میں متاثر ہوا، اور میں نے طبیب سے پوچھا (کہ کیا معاملہ ہے)؟ اُس نے کہا : اس کا دودھ پیتا بیٹا جسے ہم نے میت قرار دے دیا ہے، اور یہ نہیں سمجھ رہی، اور چاہتی ہے کہ میں اس کے بیٹے کو اُن بچوں میں رکھوں جن کا علاج کیا جانا ہے۔ اور جو مال ہم اس پر خرچ کریں گے اُس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔۔۔اس کا بیٹا گنتی کے چند ایام رہیگا، یہ مال اس کا زیادہ حق دار ہے کہ کسی اور پر خرچ کیا جائے (جس کا

(۱) المسجد ودورہ فی التربیۃ والتوجیہ: ۱۷۰

علاج ممکن ہو)... سمیط کہتے ہیں: وہ میری طرف وسیلے اور رحم کی درخواست کی نظروں سے دیکھ رہی تھی جبکہ ڈاکٹر مجھے بتا رہا تھا۔۔۔ میں نے مترجم سے کہا: اس سے پوچھو کہ اسے روزانہ کتنا مال درکار ہوگا؟ اُس نے بتایا تو میں نے اسے بہت ہی تھوڑا پایا۔ اتنا، جتنا ہم اپنے ملک میں ایک دفعہ سافٹ ڈرنک پی کر خرچ کر دیتے ہیں۔۔۔! میں نے کہا: کوئی مسلہ نہیں، میں ذاتی مال میں سے یہ دے دوں گا، وہ مطمئن ہوگئی۔۔ اور (خوشی سے) میرا ہاتھ چومنے لگی، میں نے منع کر دیا۔۔ اسے کہا کہ اپنے بیٹے کے لیے یہ نقدی پورا سال لیتی رہنا۔ اور اگر پیسوں کی کمی ہو تو (اپنے ایک مددگار کی طرف اشارہ کیا) یہ تمہیں دے دے گا جو تمہیں چاہیے ہو۔۔۔ اور اُسے چیک سائن کر کے دے دیا کہ طے شدہ مال لے سکے۔۔۔ مہینے اور سال گزرتے گئے۔ اور واقعی طور پر میں نے اس بچے کو میت ہی سمجھا تھا۔ اور مال تو صرف اُس کی ماں کو تسکین حاصل ہونے کے لیے دیا تھا، اور اس وعدے کے لیے دیا تھا کہ وہ اسلام کے ساتھ اپنا وعدہ مضبوط کر لے (اسلام پر پکی ہو جائے) اور میں یہ معاملہ بھول بھی گیا۔۔ تقریبا 12 سال سے بھی زیادہ کے بعد میں ایک دن مرکز میں بیٹھا تھا۔ ایک ملازم آیا اور بولا کہ ایک افریقی عورت آپ سے ملنے پر مصر ہے۔ (اُسے ٹالنے کے بعد بھی) بار بار آتی ہے۔ میں نے کہا بھیج دو۔! ایک عورت داخل ہوئی جسے میں پہچانتا نہ تھا، اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت اور مطمئن چہرے والا بچہ تھا۔ کہنے لگی: یہ میرا بیٹا عبدالرحمن ہے اور یہ پورا قرآن حفظ کر چکا ہے، اور بہت سی احادیث رسول ﷺ بھی یاد کر چکا ہے۔ اور میں چاہتی ھوں کہ یہ آپ کے ساتھ (رہ کر) داعی بن جائے۔

میں (اُس کے اصرار پر) حیران ہوا اور بولا: تم اپنی اس درخواست پر مجھ سے اصرار کیوں کر رہی ہو؟!! میں کچھ سمجھ نہیں رہا تھا۔ میں نے بچے کو دیکھا تو وہ بڑے اطمنان سے عربی بول رہا تھا۔ مجھے کہنے لگا: ''اگر اسلام اور اس کی رحمتیں نہ ہوتیں تو میں آج زندہ نہ ہوتا اور آپ کے سامنے کھڑا نہ ہوتا۔ میری ماں نے آپ کہ ساتھ بیتا قصہ مجھے سنا رکھا ہے، اور

میری صغر سنی میں آپ نے جو مجھ پر خرچ کیا (وہ بھی بتا رکھا ہے)۔۔۔میں آپکے تحت رہنا چاہتا ہوں۔میں افریقی زبان پوری جانتا ہوں اور آپ کے تحت اسلام کے داعی کے طور پر کام کرنا چاہتا ہوں۔اور مجھے کھانے کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے ہوگا۔اور مجھے اچھا لگے گا اگر آپ میری قرآن کی تلاوت بھی سن لیں"اور اس نے بہت ہی سریلی آواز میں سورۃ البقرہ کی آیات پڑھنا شروع کیں۔اور اس کی خوبصورت آنکھیں مجھے توسل کی نظر سے دیکھ رہی تھیں۔۔اب مجھے یاد آیا تو میں نے کہا: کیا یہ وہی بچہ ہے جس کی دیکھ بھال سے انہوں نے (ڈاکٹر نے) منع کر دیا تھا؟ ماں نے کہا: ہاں ہاں۔۔۔پھر بولی: میں اسی لیے اسے آپ کے پاس لانے پر مصر تھی، اور میں نے اس کا نام بھی آپ کا نام پر عبدالرحمن رکھا ہے۔ڈاکٹر السمیط کہتے ہیں: میرے قدم مجھ سے اُٹھ نہیں رہے تھے۔میں زمین پر آرہا۔۔میں خوشی اور حیرت سے مفلوج آدمی جیسا ہو چکا تھا۔میں نے اللہ کے حضور سجدہ شکر کیا۔میں روتے ہوئے کہہ رہا تھا: سوفٹ ڈرنک جتنا خرچ ایک جان بچا سکتا ہے۔۔۔(اور اس سے بڑھ کر) ہمیں ایک داعی عطا کرسکتا ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔(اور بعد میں) یہی بچہ افریقی قبائل میں سب سے مشہور داعی بنا اور اسے لوگوں میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔۔۔کتنے ہی چھوٹے صدقے ایسے ایسے ہوتے ہیں جو اتنے سارے لوگوں کی زندگیاں بدل دیتے ہیں اور انہیں سعادت مند بنا دیتے ہیں۔اور کتنا ہی مال ہم بغیر کسی مقصد اور ہدف کے خرچ کر دیتے ہیں جو کہ ہمارے اور امت کے لیے وبال بن جاتا ہے۔[۱]

مسجد کے مکتب و مدرسہ کو ختم کرنا گناہ و جرمِ عظیم ہے

آسام میں تقریباً ۷۰۰/ مدرسے بند کئے جا چکے ہیں، نیز موجودہ سرکار تمام مدرسوں کو بند کرنا چاہتی ہے، جنوری 2021ء میں آسام سرکار نے راجیہ میں ۷۳۱/ سرکاری امداد سے چلنے والے مدرسوں کو باقاعدہ سکولوں میں تبدیل کرنے کے لئے قانون پاس کیا تھا؛ پولیس

(۱) ترجمہ: حافظ نصر اللہ جاوید مدینہ منورہ

کے اعداد وشمار کے مطابق اس وقت آسام میں پرائیویٹ مدرسوں کی تعداد تقریباً ۳۰۰۰ / ہے؛ یوں تو بھارتیہ آئین کے ذریعے اقلیتوں کو اپنے مطابق تعلیمی ادارہ چلانے کا حق حاصل ہے؛ مگر فرقہ پرست دشمن طاقتیں مکاتب ومدارس کے بالکل خلاف ہے، چنانچہ 2021ء میں فرانس نے اپنے ملک میں مذہبی انتہا پسندی- دہشت گردی کو کچلنے کے لئے جس سخت قانون کو اکثریت سے پاس کیا تھا؛ اس میں دیگر دفعات کے ساتھ مسجدوں کے اندر چل رہے مدرسوں پر بھی پابندی لگانا ہے۔

یوپی میں کئی مدارس پر بلڈوزر چلا کر ختم کر دئے گئے کئی مدارس کی زمینات پر قبضہ اور ناحق کیس میں مبتلاء کر دیا گیا، علماء پر مقدمات دائر کر دئے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ کہیں دشمن مکاتب ومدارس کے خلاف جو قدم اٹھا رہی ہے وہی قدم آج کی بہت سی مساجد میں کمیٹیاں کر رہی ہیں، تین تین فلور مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ کیا جاتا ہے، اور صرف جمعہ رمضان وعیدین کے موقع پر اوپر کے حصے کھولے جاتے ہیں، بقیہ پورا ہفتہ وسال دھول پڑی رہتی ہے، مگر مسجد کے اس فلور کو مکتب ومدرسہ کے لیے دینا گوارا نہیں کرتی ہیں، اگر شروع ہو جائے تو چلنے نہیں دیتے، دخل اندازی سے تنگ کر دیا جاتا ہے، دادا گری چلانے کی فکر ہوتی ہے، پھر مگر مچھ کے آنسوں بہاتے ہوئے علماء پر ترس بھی کھاتے ہیں۔

ایک مسجد کا افسوس ناک واقعہ

تعجب کی بات ہے کہ راقم کے ایک دوست نے سنایا کہ ان کی مسجد میں (تبلیغی ساتھیوں کی) عالمیت کے دورۂ حدیث کے شہری طلبہ تکرار کرنے کے لئے ایک رات قیام کیا، مسجد کا کولر استعمال ہونے پر دوسرے دن مسجد کو تالا لگا دگیا، جبکہ مسجد کے سابق امام کی اجازت سے ہو رہا تھا، علاوہ ازیں مسجد کے امام صاحب کو بھی منع کر دیا گیا کہ طلبۂ مدارس کو آنے نہ دیں، مسجد کے سامنے ایک عام خاتون نے دیکھ اپنے گھر کا اوپری حصہ دیا، اور بروقت چائے پانی کا بھی انتظام کیا۔

یہاں یہ یاد رہے کہ ہم ہی لوگ ہیں جو علماء کی قدر کرنے کے گن گاتے رہتے ہیں، اور یہی علماء جب سندِ فراغت حاصل کرلیتے ہیں تو بڑے ادب و احترام سے شریف بن کران کی ایک سال کی تشکیل کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں، جبکہ دورۂ حدیث کا تکرار مسجد میں گوارا نہیں ہے۔

ایک کمیٹی کی خباثت کا عالم

ایک شہر جہاں ہر طرف سے ہاسٹیل، کالجس، کی وجہ سے بے حیائی کا ماحول ہے، بیس سال سے کوشش کے باوجود مسجد میں ایک مکتب تک قائم نہ ہوسکا، وہاں اکابرین کے مشورہ سے چند علماء کرام نے محنت کرکے ڈیڑھ سو سے دو سو طلبہ کا مدرسہ قائم کردیا، مسجد تین فلور کی تعمیر شدہ ہے، مسجد کی آمدنی کے لئے مستقل مسجد کے احاطہ میں ہاسٹیل بھی چلتا ہے، مگر مسجد میں بڑی مشکل سے مدرسہ چلتا ہے، جبکہ محلہ کے مسلمانوں کے بچے ہی مسجد میں پڑھنے آتے ہیں، مگر مسجد کی کمیٹی کو دیکھا نہیں جاتا ہے، چونکہ مسجد کی کمیٹی میں کوئی فرد دین کا قدر دان نہیں ہے، سب مغربیت زدہ ہیں، اور نہ ان میں سے کسی کی اولاد دین سے جڑی ہے، مدرسہ کے اساتذہ کو بدنام کیا جاتا ہے، حتی کہ مسجد کے خادم کو جاسوس بنا کر رکھا جاتا ہے، عیب جوئی، احسان جتلانے والی گفتگو، نادان و معصوم بچوں کے سلام نہ کرنے پر ادارے سے ناراضگی، اساتذہ کی گاڑیوں سے ہوا نکلوادینا، مدرسہ کے علماء ہونے کے باوجود جاہلوں وغیر عالموں سے تقریر کروانا، مدرسہ کے اہلِ علم سے صاف منافرت کا معاملہ کرنا، مزید برآں کبھی نادان امام کو اپنے مقام کی تنزلی محسوس ہونے لگے تو ایسے جاہلوں کی ہاں میں ہاں ملادینا، ایسے دسیوں منکرات کے مرتکب ہوجاتے ہیں، مسجد خالی رکھنے تیار ہیں مگر دینی تعلیم کے لئے فارغ کرنے تیار نہیں ہیں، مسجد کے کمروں میں دو کمرے کرایہ پر مسجد سے لئے گئے تو وہ بھی کمرشل بنانے کے لئے جھوٹ بول کر (کہ سارا فلور توڑ کر بہتر انداز میں بنایا جارہا، اس میں آپ کو مزید بہترین بنا کردیں گے) خالی کروادئے گئے، تین فلور کی مسجد میں مدرسہ کے لئے بطورِ کرایہ دو کمرے نہیں دئے جاسکتے؟ کیا یہ لوگ فرقہ پرست دشمن طاقتوں کا کام

نہیں کررہے ہیں؟ کیا ان کے اندر اسلام ہے؟ کیا یہ کمیٹی کے ممبر بننے کالائق ہیں؟ ایسے خبیث فطرت کمیٹی کے افراد کے متعلق جب سنتے ہیں تو نہایت افسوس ہوتا ہے کہ بڑھاپے کی عمر میں ظالم بن کر مررہے ہیں ۔مساجد کا اصل مقصود کرایہ وصول کرنا،مسجد کی پراپٹی کو کمرشل بنانا ہے یا اشاعتِ دین کا کام ہونا ہے؟ ہرایسا کام کرنے تیار ہیں جس سے کمیٹی کی شہرت وتعریف کی جاتی ہو،مگر ایسا کام کرنے تیار نہیں جس سے دینی ماحول قائم ہوتا ہو مگر اس سے کمیٹی کی تعریف نہیں ہوتی۔

دیگر مساجد سے عمدہ تعلق رکھیں

تمام مساجد اللہ کے گھر ہیں،کسی بھی مسجد پر کچھ مشکل پیش آجائے تو تمام مساجد کی انتظامیہ اخوت کا ثبوت دے،ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں،سیاسی پارٹیوں کی شکل نہ دیں،مساجد اتحاد امت کی علامت ہیں جو دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک قبلہ سے جوڑتی ہیں، یہ امت کو ایک مشن اور ایک مقصد سے وابستہ رکھتی ہیں اور مسلمانوں کو مسلمان بناتی ہیں۔

مسجد سے رفاہی کام کریں

خدمتِ خلق کا جذبہ قوموں کو سماج میں عزت ووقار عطا کرتا ہے،لوگوں پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ دینے والا ہاتھ ہے نہ کہ صرف لینے والا،اس سے دعوت دین کے لئے فضا ہموار ہوتی ہے،تعلقات میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اور اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس طرح ہم مسلمانوں کو ارتداد کے فتنہ سے بچاسکتے ہیں،آج دیہاتوں میں ارتداد کی جو آگ لگائی جارہی ہے اور مسلمانوں کے ایمان کا سودا کیا جارہا ہے،اس کی ایک بنیادی وجہ خدمتِ خلق کے جذبہ کا ختم ہوجانا،غریب مسلمانوں کی طرف سے اہل اثروت کا بے اعتنائی برتنا اور اس امت کا (جو پوری انسانیت کے لئے پیدا کی گئی ہے) اپنے آپ میں کھوجانا اور دوسروں کے حقوق وضروریات کے بارے میں بے حسی میں مبتلا ہوجانا ہے،رسول ﷺ

جب انسانیت کی طرف پیغام حق لے کر آئے تو آپ ﷺ جس جوہر اخلاق سے آراستہ تھے، مسلمانوں کو ایک داعی امت ہونے کی حیثیت سے اسی جوہر کو حاصل کرنا پڑے گا اور اس کے بغیر نہ وہ دنیا میں سرخ رو ہوسکیں گے اور نہ آخرت میں ۔(۱) چھوٹے یا بڑے پیمانے پر مسجد میں بیت المال کا قیام کریں، حسب موقع رفاہی کام کریں، سماجی خدمت سے مسجد کی شبیہ علاقہ کے لوگوں میں دعوت وانسیت کا بہت موثر ذریعہ بنے گی۔

گذشتہ بیس پچیس سالوں میں مندروں کی آمدنی سے مہاویر کینسر جیسا اسپتال کھڑا کردیا اور دوسری جگہوں پر بھی مندر کی آمدنی کو ہندو سماج کے لیے بارآور اور ثمر دار بنانے کے لیے غیر معمولی کام کیا جارہا ہے، اس کے لئے مساجد کی آمدنی کا معقول نظام بنایا جائے۔

غریب حاملہ عورت کی خدمت نے اس کو عیسائی بنادیا

ایک گاؤں میں ایک مسلمان عورت کا شوہر اس وقت تک انتقال کرگیا جبکہ وہ حاملہ تھی ،غربت کی وجہ گذارہ اور خدمت سے زندگی دوبھر ہوگئی، چرچ کی عیسائی عورت کو پتہ چلا، دوماہ تک مسلسل خدمت کرنے روزانہ صبح آجاتی، انڈا ابال کردیتی، کھانا بناتی، گھر کی صفائی کرکے چلی جاتی، دوماہ بعد جب اولاد ہوئی تو بھی چالیس دن تک خدمت جاری رکھی، دوستی مضبوط ہوگئی تو عیسائیت کی دعوت پیش کی جو فوراً قبول کرلی گئی، محلہ کے مسلمانوں کو جب پتہ چلا کہ فلاں بیوہ عورت جو پہلے مسلمان تھی اب وہ عیسائی ہوگئی ہے، تو سمجھانے کے لئے شریفوں کی جماعت آئی، جنہیں یہ انسانیت کا سبق سنا کر خالی ہاتھ واپس کردیا گیا کہ ''جب ہم موت اور زندگی سے لڑ رہے تھے اس وقت کہاں مرگئی تھیں تمھاری مذہبی تعلیمات''؟۔

سیلاب سے بچنے بیٹی کا نام محمد یونس رکھا گیا

چنائی کے ایک سیلاب زدہ علاقے میں غیر مسلم فیملی پھنسی ہوئی تھی، بیوی حمل سے تھی

---

(۱) راہ عمل۔ ۸۷۔ مولا خالد سیف اللہ رحمانی

،شوہر حاملہ بیوی ،اوراپنی لڑکی کو پانی سے نکالنے کی طاقت نہ رکھتا تھا،مکمل ایک دن کے قریب پانی میں رہے،ایک مسلمان کو پتہ چلا تو خدمت کے لئے پہنچ گیا، عافیت سے لڑکی ، حاملہ خاتون کو اپنے گھر لے گیا ، پوری فیملی کی خدمت کیا،ہسپتال میں ڈلوری کے بعد فارم پر جب نومولودلڑکی کا نام لکھنے کے لئے والدین سے نام پوچھا گیا تو جواب ملا کہ ’’محمد یونس‘‘ رکھا جائے،لڑکی کانام اور جبکہ یہ فیملی غیر مسلم ہے،ڈاکٹر نے تعجب سے وجہ معلوم کی تو بتایا کہ ہم موت کے منہ میں تھے،بھگوان کی شکل میں ہمیں جس شخص نے بچایا اس کا نام ’’محمد یونس‘‘ تھا جومسلمان ہے،ہم نے طے کرلیا تھا ہمیں جو بھی اولاد مگر نام ہم اس کا یہی رکھیں گے۔

کروناوائرس کے دنوں میں مسلمانوں نے بلاتفریق مذہب کافی خدمات انجام دیں ایک غیر مسلم جوان کے بوڑھے والد کی مکمل تیمار دار مسلمان نوجوانوں کی ،جبکہ ان کا خاندان قریب آنے سے بھی ڈرر ہا تھا، اتفاقا والد کی وفات کے بعد اس غیر مسلم جوان کا فون آیا کہ میرے والد کو اپنے مذہب کے مطابق تدفین کر دیں ،اور میں بھی آپ کا مذہب قبول کرتا ہوں۔

آج ہماری مسجدوں سے نفرت ہمارے ان اعمال کے ترک کر دینے کی وجہ سے ہے.جس کی ہمیں تعلیم چودہ سوسال قبل دی جا چکی تھی۔

مسجد کے ساتھ مہمان خانہ

نجران کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے نہ صرف مسجد میں ان کی مہمان نوازی کی بلکہ عیسائی وفد کو جس کے افراد کی تعداد ساٹھ تھی ،انھیں اجازت دی کہ وہ اپنے طریقے سے عبادت بھی کریں۔ اسی طرح قبیلہ ثقیف کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے نہ صرف ان کو مسجد میں بحیثیت مہمان ٹھیرایا بلکہ ان کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں ایک خیمہ نصب فرمایا اور ان کی تکریم کے لیے کئی صحابہؓ آگے بڑھے،مغیرہ بن شعبہؓ نے ان کی خدمت کے لیے بارگاہِ نبوی ﷺ میں درخواست دی تو فرمایا کہ ان کی خدمت وتکریم سے تم کو نہیں

روک رہا ہوں لیکن انھیں ایسی جگہ ٹھیراؤ جہاں سے وہ قرآن سن سکیں۔ اس وفد میں ان کے سردار ابن عبد یالیل بھی تھے، جنھوں نے سفر طائف کے موقعے پر آپ ﷺ سے بدسلوکی اور شہر کے لڑکوں اور غلاموں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ ﷺ کی تضحیک وتحقیر کریں۔ انھوں نے آپ ﷺ پر کیچڑ پھینکا اور پتھروں کی بوچھاڑ سے زخمی کر دیا پیشانی مبارک سے خون نے بہہ کر پائے مبارک کو رنگین کر دیا تھا، مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں:

آپ ﷺ نے ان سخت بُت پرست اور اسلام کی عداوت میں سنگ دل لوگوں کو مسجد میں ٹھیرایا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جس قبیلہ طائف کو مسلمانوں کی منجنیق ۴۰ دن تک سنگ باری کر کے فتح نہ کر سکی اس کے بسنے والوں کے دلوں کو آں حضرت ﷺ کے خلق عظیم، اسلام کی مصلحت، مسجد کے قیام اور اسلامی عبادت کے نظارے نے چند گھنٹوں کے اندر فتح کرلیا۔ لوہے کی تلوار کو سر پر روکا جاسکتا ہے لیکن محبت کی تلوار کے لیے کوئی سپر نہیں۔(۱)

یہ واقعہ اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ مسجد میں مہمان خانہ کا نظام ہو جس میں وقتاً فوقتاً مہمان حضرات قیام کرسکیں، نیز مدارس ومساجد کے سفراء حضرات بھی قیام کرسکیں۔

برادرانِ وطن کو قریب کریں

[۳۳] علی میاں ندویؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ہندو بھائی سمجھتے ہیں کہ اذان میں ہمارے بتوں کو بھلا کہا جاتا ہے یا انہیں برا بھلا کہا جاتا ہے، یا یہ جہاد کا نعرہ ہے، ان کو نہیں معلوم کہ ''حی علی الصلاۃ'' حی علی فلاح'' اور ''الصلاۃ خیر النوم'' کے کیا معنی ہیں؟(۲)

ہمیں اپنے قول وعمل سے غیر مسلموں کو یہ بتانا ہوگا کہ مساجد، مکاتب ومدارس سے دہشت گردی نہیں بلکہ امن وسلامتی اور محبت کا پیغام دیا جاتا ہے، اور یہاں حتی کہ غیر مسلموں

(۱) جامع الشواہد،۱۹
(۲) بحوالہ: فسادات اور مسلمان

کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ظاہر ہے اس کے لیے وقت درکار ہے ۔ مگر شروعات اور عمل کے ارادے تو کئے جاسکتے ہیں۔

☆ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جب رستم کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا، اور انہوں نے اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کیا تو اس کا دل اسلام کے سلسلہ میں نرم ہوگیا تھا۔

☆ مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم نے اپنے ایک واقعہ ذکر کیا :ا یک صاحب جو پہلے عیسائی مذہب کے پیروکار تھے بعد میں اسلام میں داخل ہو گئے تھے اور میرے پاس ان کا آنا جانا تھا، ان سے احقر نے ایک بار پوچھا کہ آپ کے اسلام میں داخل ہونے کی کوئی خاص وجہ بنی تھی ؟ تو کہا کہ ہاں! پھر اپنا واقعہ سنایا کہ ہم جہاں رہتے تھے ،اس کے قریب ایک مسجد تھی ، جہاں سے پانچ وقت اذان کی آواز لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے کانوں سے ٹکراتی تھی اور ہم اس سے کوفت واذیت محسوس کرتے تھے اور آپس میں اذان کے سلسلہ میں منفی خیالات کا تذکرہ کرتے تھے ایک بار ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ ہم اذان کا پیغام معلوم کریں؟ کیا وہ واقعی ہم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ اس سوال کے ذہن میں آتے میں اپنے ایک مسلمان پڑوسی کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ آپ کی مسجد سے یہ آواز کئی کئی دفعہ ہمارے کانوں میں آتی ہے، آپ لوگ جب اتنی زور سے ہمیں یہ سناتے ہیں، تو اس میں کیا پیغام ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ میرے اس سوال پر وہ مسلمان پڑوسی کہنے لگے کہ مجھے بھی اس کا معنی و مطلب نہیں معلوم، کسی اور سے پوچھ لیں ، وہ کہنے لگے کہ میرے دل میں ایک جستجو پیدا ہوگئی تھی ؛ اس لیے میں اپنے ایک اور پڑوسی کے پاس یہی سوال لے کر گیا، تو وہ بھی یہی کہنے لگے کہ مجھے اس کا معنی نہیں معلوم ؛ لہذا میں آپ کو عالم کے پاس لے جاتا ہوں ۔ پھر وہ ایک مسجد کے عالم صاحب کے پاس لے گئے ، میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا، انہوں نے مجھے بڑے اچھے انداز سے سمجھایا کہ اذان کے کلمات کا کیا معنی ہے اور

اس میں کیا پیغام ہے اور یہ کہ اسلام میں اذان اس طرح کیوں زور سے دی جاتی ہے؟ جب میں نے یہ سب سنا، تو میرا دل نرم ہوگیا اور اسی وقت میں نے اسلام قبول کرلیا۔(۱)

☆ مفتی عتیق الرحمن صاحبؒ بانی ندوۃ المصنفین، مدیر ''ماہ نامہ برہان'' کے پڑوس میں ایک غیر مسلم کیپٹین رہتے تھے، ان کے لڑکے کی شادی ہونے لگی، مفتی صاحب خود بھی انتظام میں شریک رہے، شام کو بارات آئی تو لڑکے نے شادی سے انکار کر دیا، ماں باپ وغیرہ منت سماجت کر کے تھک گئے کیپٹین صاحب کو غش آرہا تھا، مفتی صاحب کو معلوم ہوا تو دوڑے دوڑے گئے! لڑکے کو سمجھایا کہ بیٹا گھر اور خاندان کی رسوائی ہوگی، ہم پڑوسیوں کے لئے بھی بڑے دکھ کی بات ہے، یہ کہہ کر اپنی ٹوپی اتار کر اس کے قدموں میں رکھنے لگے، لڑکا سنبھل گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا: یہ آپ کیا کر رہے ہیں، میں آپ کا حکم ماننے کو تیار ہوں، بالآخر دھوم دھام سے شادی ہوگئی، کیپٹین صاحب اور ان کے گھر والے شکر گزار تھے، جبکہ مفتی صاحب فرمارہے تھے کہ اپنے پڑوسی بھائی کے لئے یہ ہمارا فرض تھا، آپ کی آبرو ہماری آبرو ہے۔(۲)

یہ واقعات ہمیں سبق یہ دیتے ہے کہ اگر ہم اپنے علاقہ کے کفّار کو مسجد اور مسجد کے معمولات سے مانوس کریں، پروگرام میں، جمعہ کے موقع پر انہیں بھی دعوت دیں، خطیب صاحب کو قبل از وقت غیر مسلم کو لانے کی اطلاع دیں، رمضان، دینی پروگرام کے موقع پر ساتھ رکھیں، اپنی تقریبات میں ان کو مدعو کریں، ان کے ضرورت مندوں کا تعاون کریں، رواداری اور حسن سلوک کی ایسی فضا بنائیں کہ وہ دین سے قریب ہوجائیں، ماحول محبت کا بنائیں۔(۳)

---

(۱) نقوش خاطر ا: ر۱۵۹

(۲) سب کے لئے، ابن غوری: ۲۲

(۳) مستفاد: ماہنامہ الجماعہ، اپریل 2017 بحوالہ مجلس علمی و تعلیمی فورم

مسجد میں دارالقضاء اور کاؤنسلنگ سینٹر کا قیام

مسجد کو قضا اور عدالت کے لیے مرکز بنانے کا سلسلہ حضور اکرم ﷺ سے شروع ہوا۔ آپ ﷺ مسجد میں فیصلے فرماتے، اور متعدد مدعی اور مدعا علیہ، ان کے گواہ اور دوسرے لوگ مسجد میں حاضر ہوتے، جہاں ان کے بیانات لیے جاتے تھے اور فیصلہ سنایا جاتا تھا۔ ایک لحاظ سے یہ کھلی عدالت تھی، جس میں ہر شخص عدالتی کارروائی سننے اور دیکھنے آسکتا تھا۔

آپ ﷺ نے عدالتی فیصلے مسجد میں کیے۔ جیسے فاطمہ مخزومی کی چوری ثابت ہونے پر ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ اور غامدیہ کے رجم کا فیصلہ۔ بنی قریظہ قبیلہ کے قلعے کے محاصرے کے دوران ان کے سرداروں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ صحابی رسول ﷺ ابولبابہؓ کو ان کے پاس بھیج دیں تا کہ وہ مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کریں۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ جب اس قبیلے کے پاس پہنچے تو عورتیں اور بچے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور اس کیفیت کو دیکھ کر ان پر رقّت طاری ہوگئی۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں لیکن ساتھ ہی حلق کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انھیں قتل کر دیا جائے گا، لیکن انھیں فوراً احساس ہوا کہ ان کا اس طرح اشارہ کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت ہے اور اپنے آپ ﷺ کو مسجد نبوی ﷺ کے ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ اب انھیں رسول ﷺ ہی اپنے دستِ مبارک سے کھولیں گے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھے رات مسلسل ستون سے بندھے رہے۔ اس کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی اور آپ ﷺ نے انھیں کھول دیا۔

غیر اسلامی ممالک میں بھی نظامِ قضاء لازم ہے

ہندی مسلمان قضاء کا نظام قائم کرنے سے یہ کہہ کر گریز نہیں کر سکتے کہ یہاں اقتدارِ اعلی غیروں کے ہاتھ میں ہے، اس لئے اسلامی نظامِ قضاء کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی، ہرگز ایسا نہیں ہے، جہاں اقتدارِ اعلی کفار کو حاصل ہے تب بھی مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے نزاعی

اور عائلی مسائل کے حل کیلئے حکومت سے اقتدار حاصل کر کے اسلامی نظام قضاء قائم کریں، اگر حکومت سے اقتدار حاصل نہیں ہے تو اقتدار کے حصول کیلئے تراضئ مسلمین کے ذریعہ نظامِ قضاء کا قیام اور آپسی رضامندی سے کسی باصلاحیت شخص کو عہدۂ قضاء کے لئے انتخاب کرنا چاہئے، ایسا شخص جو تراضئ مسلمین سے قاضی بنایا گیا وہ قاضی شرعی قاضی سمجھا جائے گا، اور اسکا فیصلہ بھی شرعی فیصلہ متصور کیا جائے گا،(۱)

دارالقضاء کا قیام امتِ مسلمہ پر واجب ہے

خلف اور سلف سب کا اتفاق ہے کہ حالات امتِ مسلمہ پر کتنے ہی دشوار ہوں دارالقضاء کا قیام اور اس کا نظام امت پر لازم اور ضروری ہے،

''لا خلاف بین الائمۃ ان القیام بالقضاء واجب''۔(۲)

قضاء کے قیام کا واجب ہونا کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے۔ اللہ تعالی نے داوؑد کو منصب قضاء کی ذمہ داری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی''(۳)۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا:

''اذ یحکمن فی الحرث''(۴)۔

اللہ تعالی نے کئی ایک مواقع پر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شریعتِ مطہرہ کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا: وان احکم بینھم بما انزل اللہ''(۵)۔ یہ واقعات اور مسجد نبوی

---

(۱) الدر المختار مع الشامی کراچی ص/۳۶۹، ج/۵ بحوالہ: دارالقضاء: اہمیت وضرورت۔ مفتی محمد تجمل حسین قاسمی

(۲) تبصرۃ الاحکام ۱/۱۲

(۳) سورۂ ص: ۲۶

(۴) الانبیاء، ۲۸

(۵) مائدہ، ۴۸

ﷺ کا اسوہ ہمارے لئے آئیڈیل ہے موجودہ حالات میں ہمارے دارالقضاء نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے فیصلے عدالت کے دروازے پر جاتے ہیں جس کی وجہ سے اسلام اور مسلمان دونوں کے خلاف فیصلے ہو رہے ہیں۔

امام کی معزولی کا مسئلہ

جیسے امام کے تقرر کی کچھ ہدایات اور شرائط ہیں، اسی طرح اسے معزول کرنے کے بھی ضابطے ہیں؛ یہ نہیں کہ مسجد میں پارٹی بازی ہو رہی ہو اور سارا نزلہ بے چارے امام یا خطیب پر آ گرے؛ اکثر دیکھا گیا ہے انتظامی دشواریوں اور خلفشاروں میں آخر کار امام یا خطیب ہی کو قربانی کا بکرا بننا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ خود بے چارہ جو قربانی دینے کا درس دیتا رہتا ہے۔

آپ پڑھ آئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبلؓ کو نماز لمبی پڑھانے پر سخت ڈانٹا اور یہاں تک فرمایا کہ کیا تم فتنہ کھڑا کرنا چاہتے ہو؟ دراصل یہ وعید سیدنا معاذؓ کے لیے تو تھی ہی اور ان کے توسط سے بعد والے ائمہ کو بھی مگر اشارۃً اس کا رخ ایسے نمازیوں کی طرف بھی محسوس ہوتا ہے جو اسے 'فتنہ' بنا لیں؛ فتنے جیسے خدشے کے باوجود آپ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبلؓ کو معزول نہیں کیا بلکہ انھیں مختصر سورتیں پڑھنے کی تلقین کی۔

مدتِ متعینہ کے لئے امامت پر لینا

اجارے کی مدت اور اجرت مقرر کرنا جائز ہے مثلاً تین سال کے لیے اجارۂ امامت اور پندرہ ہزار روپے ماہانہ جائز ہے اور بات طے ہو جائے تو تین سال سے پہلے بلا عذر شرعی فسخ اجارہ ناجائز ہے۔ "امام معذور ہو گیا تو تین سال سے پہلے بھی یہ اجارہ فسخ کرنا جائز ہے، اور فسخ کے دن سے وہ امامت کی تنخواہ کا حقدار نہ ہوگا''۔ **لَا يَصِحُّ عَزْلُ صَاحِبِ وَظِيفَةٍ بِلَا جُنْحَةٍ أَوْ عَدَمِ أَهْلِيَّةٍ**''(۱)

---

(۱) فتاوی شامی: ۷/۱ر۳۲۰، شاملہ

بلا ضرورت امام کو تبدیل کرنے کی خارش

بعض مساجد میں امام ماشاءاللہ بہترین حافظ ہوتے ہیں اور مکمل عالم نہ صحیح عربی پنجم وغیرہ تک تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، نماز کے تعلق سے سارے مسائل سے واقف بھی ہوتے ہیں، پھر بھی کچھ لوگوں کو امام کی تبدیلی کی خارش لگی رہتی ہے، ان کو نکالنے پر بضد ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی اچھے عالم اور مفتی کو امامت کے لئے رکھیں گے حالانکہ یہ لوگ مسجد کی کمیٹی میں بھی نہیں ہوتے ہیں، مسجد کی کمیٹی کو موجودہ امام سے کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ بعض مرتبہ مسجد میں مختلف مسلک کے لوگ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے امام کا معتدل ہونا ضروری ہے اور موجودہ امام سے سبھی مسلک کے لوگ متفق بھی ہیں صرف چند لوگ ہیں جو امام کے نکالنے پر بضد ہوجاتے ہیں۔ چونکہ انہیں سوکن پسند نہیں ہوتی ہے۔

اکثر مساجد کے امام جو عالم اور نیک وصالح ہیں اور شرعاً کوئی وجہ ایسی نہیں پائی جاتی جس سے ان کی امامت پر اعتراض کیا جاسکے لیکن کچھ مخصوص لوگ ذمہ داروں پر ان کو برطرف کرنے کے لئے بہت زیادہ دباؤ ڈالتے ہیں اور یہ وجہ پیش کرتے ہیں کہ لوگ مطمئن نہیں ہیں جبکہ مسجد کے ذمہ داران امام صاحب کو برطرف کرنے کے لئے رضامند نہیں ہیں، اس لئے کہ کوئی شرعی وجہ موجود نہیں ہے۔ ظاہر بات ہے کیا چند لوگوں کا امام صاحب کے خلاف اس طرح محاذ کھڑا کرنا درست ہے؟ اور کیا ان لوگوں کے مطالبہ پر ذمہ داران مسجد کو امام صاحب کو برطرف کر دینا چاہیے؟

چنانچہ کمیٹی بلا وجہ اماموں کو تبدیل کرنے کی خواہش مند رہتی ہے؛ بل کہ کرتی رہتی ہے۔ کیوں؟ وہ اس لیے کہ اگر ایک ہی امام مستقل جم کر رہا؛ تو سال دو سال پر تھوڑی بہت تنخواہ بڑھانی ہوگی اور یہ ممکن نہیں۔

جب امام صاحب عالم اور نیک صالح ہیں، نیز انہیں معزول کرنے کی کوئی شرعی وجہ بھی نہیں ہے تو بلاشبہ ان چند مصلیان کا امام صاحب کو برطرف کرنے کے لیے ذمہ دارانِ

مسجد پر دباؤ بنانا ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے، بلا وجہ امام کو معزول کرنے کا حاکم شرع کو بھی اختیار نہیں ہے۔ ''ليس للقاضي عزل صاحب وظيفة بغير جنحة''۔(۱)

آپ علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے، اور جو ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری اُمت میں سے نہیں ہے۔(۲)

علاوہ ازیں بغیر کسی شرعی خرابی کے امام کو منصب امامت سے ہٹانے میں ایذائے مسلم پر آمادہ ہونا ہے اور ایذائے مسلم حرام ہے حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من اذى مسلما فقد اذاني و من اذاني فقد اذى الله'' جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔

نیز جب موجودہ امام کے اندر اگر موجب کراہت کوئی بات نہیں ہے مسجد کی کمیٹی کو اور اکثر مصلیان کو بھی موجودہ امام سے کوئی شکایت نہیں ہے اور امام، اوصاف امامت سے متصف ہیں تو بلا وجہ ان کو ہٹانا نہیں چاہیے اور امام کو مقرر کرنے اور معزول کرنے کا اختیار کمیٹی مسجد کو ہوتا ہے جب وہ موجودہ امام سے مطمئن ہیں اور بے اطمینانی کوئی وجہ بھی نہیں ہے تو ان کو بحال رکھنا چاہیے چند لوگ جو امام کو نکالنے پر بضد ہیں ان کو سوچنا چاہیے کہ اگر دوسرے امام سے بھی کچھ لوگ متفق نہ ہوئے اور وہ دوسرے امام کو نکالنے کے درپے ہو گئے تو اس سے انتشار بڑھے گا، اگر امام قرآن صحیح پڑھتا ہو یا اس کا عقیدہ صحیح نہ ہو یا وہ داڑھی مونڈواتا ہو یا دیگر منکرات و معاصی کا ارتکاب کرتا ہو تو ان وجوہ و اسباب کی بنا پر اسے معزول کیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۳)

---

(۱) فتاوی شامی: ۷/۱ ر۳۲۰، شاملہ

(۲) صحیح الترغیب والترہیب :۱۰۱

(۳) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 160327

ناحق امام پر شکایت کرنے کا وبال

سیدنا عمرؓ کے دور میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ اہل کوفہ نے سیدنا سعدؓ کے متعلق شکایت کی اور یہاں تک کہنے لگے کہ یہ اچھے طریقے سے نماز بھی نہیں پڑھاتے۔ سیدنا عمرؓ نے سعدؓ کو بلوایا اور ان سے پوچھا: ابو اسحٰق! ان لوگوں کا کہنا ہے کہ تم نماز اچھے طریقے سے نہیں پڑھاتے؟ سعدؓ عرض کرنے لگے: اللہ کی قسم! میں تو انھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھاتا ہوں۔ میں کچھ کمی بیشی نہیں کرتا۔ میں اُنھیں عشا کی نماز پڑھاتا ہوں اور پہلی دو رکعتوں کو آخری دو رکعتوں کی نسبت لمبا کرتا ہوں۔ سیدنا عمرؓ کہنے لگے: ابو اسحٰق! تمھاری نسبت میرا یہی گمان تھا۔ اس کے بعد سیدنا عمرؓ نے سیدنا سعدؓ کے ساتھ کچھ آدمی بھیجے۔ اُنھوں نے کوفہ کی تمام مساجد کے نمازیوں سے ان کے بارے میں رائے لی تو سبھی نے ان کی تعریف کی۔ مگر ''اُسامہ بن قتادہ'' نامی ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اگر آپ ہم سے زور دے کر پوچھ ہی رہے ہیں تو پھر سنیں: (۱) یہ خود مہم پر نہیں جاتے، (۲) نہ تقسیم کرنے میں برابری کرتے ہیں (۳) اور نہ فیصلہ کرنے میں عدل کرتے ہیں۔ سیدنا سعدؓ کہنے لگے: ''میں ضرور اس کو تین بد دعائیں دیتا ہوں: اگر یہ بندہ جھوٹا ہے اور نمایاں ہونے اور شہرت کے لیے کھڑا ہوا ہے تو (۱) اے اللہ! اس کی عمر لمبی کر دے۔ (۲) اس کا فقر اور محتاجی بھی لمبی کر دے۔ (۳) اور اسے فتنوں سے دو چار کر۔'' اسے آپؓ کی بد دعا لگ گئی اس کے متعلق جب بھی اس سے پوچھا جاتا وہ یہی جواب دیتا کہ مجھے سعدؓ کی بد دعا لگ گئی ہے۔ حدیث کے راوی عبد الملک کہتے ہیں: میں نے خود دیکھا وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا اس کی بھنویں بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے آ چکی تھیں اس کے باوجود بھی وہ راستوں میں آتی جاتی چھوٹی بچیوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتا تھا۔''(۱) اللہ تعالیٰ ایسی صورتِ حال سے

---

(۱) صحيح البخاري، كِتَابُ الأَذَانِ، بَابُ وُجُوبِ القِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا، فِي الحَضَرِ وَالسَّفَرِ، وَمَا يُجْهَرُ فِيهَا وَمَا يُخَافَتُ، حديث: ۷۵۵

سب کو محفوظ فرمائے۔

حجاج بن یوسف پر بھی الزام لگانا جائز نہیں

بعض ائمہ مجتہدین کے سامنے کسی شخص نے حجاج بن یوسف پر کوئی الزام لگایا۔ حجاج بن یوسف اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا ظالم اور انتہائی بدنام شخص ہے، جس نے ایک لاکھ سے زائد صحابہ وتابعین کو ناحق قتل کیا ہے، اس لیے عام طور پر اس کو برا کہنے کی برائی لوگوں کے ذہن میں نہیں رہتی، جن بزرگ کے سامنے یہ الزام حجاج بن یوسف پر لگایا گیا انہوں نے الزام لگانے والے سے پوچھا کہ ''تمہارے پاس الزام کی کوئی سند یا شہادت موجود ہے؟''

انہوں نے کہا : ''نہیں۔'' آپ نے فرمایا : ''اگر اللہ تعالیٰ حجاج بن یوسف ظالم سے ہزاروں مقتولین بے گناہ کا انتقام لے گا تو یاد رکھو کہ جو شخص حجاج پر کوئی ظلم کرتا ہے اس کو بھی انتقام سے نہیں چھوڑا جائے گا۔ حجاج کا بدلہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی لیں گے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کوئی جانب داری (جانب داری، طرف داری) نہیں ہے کہ برے اور گناہ گار بندوں پر دوسروں کو آزاد چھوڑ دیں اور وہ چاہیں الزام واتہام لگا دیا کریں۔'' (۱) اندازہ کریں جب وقت کے حجاج کے متعلق یہ تعلیم ہے تو مساجد کے ائمہ کرام کیا حجاج سے بھی گئے گذرے ہو گئے کہ ان پر الزامات کی بوچھاڑ کی جائے؟۔

مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال نہ کریں

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں''

ظلم صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کا مال چھین لیا جائے، یا اسے جسمانی تکلیف پہنچانے کے لئے اس پر ہاتھ اٹھایا جائے، بلکہ عربی زبان میں ''ظلم'' کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ''کسی بھی چیز کو بے جگہ استعمال کرنا ظلم ہے''، چونکہ کسی چیز کا بے محل استعمال یقیناً کسی نہ کسی کو تکلیف پہنچانے کا

---

(۱) معارف القرآن ۵: ۴۷۷

موجب ہوتا ہے، اس لئے ہر ایسا استعمال ''ظلم'' کی تعریف میں داخل ہے۔ اور اگر اس سے کسی انسان کو تکلیف پہنچتی ہے، تو وہ شرعی اعتبار سے گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں اس طرح کے بہت سے گناہ کبیرہ، اس طرح رواج پا گئے ہیں کہ اب عام طور سے ان کے گناہ ہونے کا بھی احساس باقی نہیں رہا۔

''ایذا رسانی'' کی ان بے شمار صورتوں میں سے ایک انتہائی تکلیف دہ صورت لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال ہے۔ ابھی چند روز پہلے ایک انگریزی روزنامہ میں ایک صاحب نے شکایت کی ہے کہ بعض شادی ہالوں میں رات تین بجے تک لاؤڈ اسپیکر پر گانے بجانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اور آس پاس کے بسنے والے بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں، اور ایک شادی ہال پر کیا موقوف؟، ہر جگہ دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ جب کوئی شخص کہیں لاؤڈ اسپیکر نصب کرتا ہے، تو اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس کی آواز کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھا جائے، اور آس پاس کے ان ضعیفوں اور بیماروں پر رحم کیا جائے جو یہ آواز سننا نہیں چاہتے۔

گانے بجانے کا سلسلہ تو الگ رہا، اس کو بلند آواز سے پھیلانے میں دوہری بُرائی ہے، اگر کوئی خالص دینی اور مذہبی پروگرام ہو تو اس کو بھی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے زبردستی شریک کرنا شرعی اعتبار سے ہرگز جائز نہیں ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں سیاسی اور مذہبی پروگرام منعقد کرنے والے حضرات بھی شریعت کے اس اہم حکم کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ سیاسی اور مذہبی جلسوں کے لاؤڈ اسپیکر بھی دور دور تک مار کرتے ہیں، اور ان کی موجودگی میں کوئی شخص اپنے گھر میں نہ آرام سے سوسکتا ہے نہ یکسوئی کے ساتھ اپنا کوئی کام کرسکتا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان کی آواز دور تک پہنچانا تو برحق ہے، لیکن مسجدوں میں جو وعظ اور تقریریں یا ذکر تلاوت لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں، ان کی آواز دور دور تک پہنچانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجد میں بہت تھوڑے سے

لوگ وعظ یا درس سننے کے لئے بیٹھے ہیں جن کو آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے، یا صرف اندرونی ہارن سے بآسانی کام چل سکتا ہے، لیکن بیرونی لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھلا ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں یہ آواز محلے کے گھر گھر میں اس طرح پہنچتی ہے کہ کوئی شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

دین کی صحیح فہم رکھنے والے اہل علم خواہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں، کبھی یہ کام نہیں کر سکتے لیکن ایسا ان کی مسجدوں میں ہوتا ہے، جہاں کا انتظام علم دین سے ناواقف حضرات کے ہاتھ میں ہے۔ بسا اوقات یہ حضرات پوری نیک نیتی سے کام کرتے ہیں، اور وہ اسے دین کی تبلیغ کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور اسے دین کی خدمت قرار دیتے ہیں، لیکن ہمارے معاشرے میں یہ اصول بھی بہت غلط مشہور ہو گیا ہے، کہ نیت کی اچھائی سے کوئی غلط کام بھی جائز اور صحیح ہو جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ کسی کام کے درست ہونے کے لئے صرف نیک نیتی ہی کافی نہیں، اس کا طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے، لاؤڈ اسپیکر کا ایسا ظالمانہ استعمال نہ صرف یہ کہ دعوت و تبلیغ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے، بلکہ اس کے الٹے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

لاؤڈ اسپیکر اور چند نکات ملاحظہ ہوں

جن حضرات کو اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی ہو، ان کی خدمت میں دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ چند نکات ذیل میں پیش کرتا ہوں:

(۱) مشہور محدث حضرت عمر شبّہ نے مدینہ منورہ کی تاریخ پر چار جلدوں میں بڑی مفصل کتاب لکھی ہے جس کا حوالہ بڑے بڑے علماء و محدثین دیتے رہتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے ایک واقعہ اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک وعظ صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے بالکل سامنے بلند آواز سے وعظ کہا کرتے تھے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں لاؤڈ اسپیکر نہیں تھا، لیکن ان کی آواز بہت بلند تھی، اور اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یکسوئی میں فرق آتا تھا، یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا، اس لئے

حضرت عائشہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی، کہ یہ صاحب بلند آواز سے میرے گھر کے سامنے وعظ کہتے رہتے ہیں، جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور مجھے کسی اور کی آواز سنائی نہیں دیتی، حضرت عمرؓ نے ان صاحب کو پیغام بھیج کر انہیں وہاں سے وعظ کہنے سے منع کیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد واعظ صاحب نے دوبارہ وہی سلسلہ پھر شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی انہوں نے خود جا کر ان صاحب کو پکڑا، اور ان پر تعزیری سزا جاری کی۔(۱)

(۲) بات صرف یہ نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی تکلیف کا ازالہ کرنا چاہتی تھی، بلکہ دراصل وہ اسلامی معاشرت کے اس اصول کو واضح اور نافذ کرنا چاہتی تھیں کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے، نیز یہ بتانا چاہتی تھیں کہ دین کی دعوت وتبلیغ کا پُر وقار طریقہ کیا ہے؟ چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ کے ایک واعظ وتبلیغ کے آداب تفصیل کے ساتھ بتائے اور ان آداب میں یہ بھی فرمایا کہ:

''اپنی آواز کو انہیں لوگوں کی حد تک محدود رکھیں جو تمہاری مجلس میں بیٹھے ہیں اور انہیں بھی اسی وقت تک دین کی باتیں سناؤ جب تک ان کے چہرے تمہاری طرف متوجہ ہوں، جب وہ چہرے پھیر لیں، تو تم بھی رک جاؤ۔ اور ایسا کبھی نہ ہونا چاہئے کہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہوں، اور تم ان کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کر دو بلکہ ایسے موقع پر خاموش رہو، پھر جب وہ تم سے فرمائش کریں تو انہیں دین کی بات سناؤ''۔(۲)

(۳) حضرت عطا بن ابی رباحؒ بڑے اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، علم تفسیر وحدیث میں ان کا مقام مسلم ہے ان کا مقولہ ہے کہ ''عالم کو چاہئے کہ اس کی آواز اس کی

(۱) اخبار المدینی لعمر بن شبہ، ج:۱،ص:۱۵

(۲) مجمع الزوائد، ج:۱،ص:۱۹۱

مجلس سے آگے نہ بڑھے"(۱)

(۴) یہ سارے آداب درحقیقت خود حضور سرورکونین ﷺ نے اپنے قول وفعل سے تعلیم فرمائے ہیں، مشہور واقعہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے پاس سے گذرے، وہ تہجد کی نماز میں بلند آواز سے تلاوت کررہے تھے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں "سوتے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی آواز کو تھوڑا پست کردو"۔(۲)

اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ سے ہی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو اپنے بستر سے آہستگی کے ساتھ اٹھتے تھے (تاکہ سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو)

(۵) انہیں احادیث کی روشنی میں تمام فقہاء امت اس بات پر متفق ہیں کہ تہجد کی نماز میں اتنی بلند آواز سے تلاوت کرنا، جس سے کسی کی نیند خراب ہو، ہرگز جائز نہیں، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر سے بلند تلاوت کرے جب کہ لوگ سورہے ہو تو وں تلاوت کرنے والا گناہ گار ہے"۔(۳)

ایک مرتبہ ایک صاحب نے یہ سوال کیا کہ ایک استفتاء کی صورت میں مرتب کیا تھا کہ بعض مساجد میں تراویح کی قرآت لاوڈ اسپیکر پر اتنی بلند آواز سے کی جاتی ہے کہ اس سے محلے کی خواتین کے لئے گھروں میں نماز پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے، نیز جن مریض اور کمزور لوگوں کو علاجاً جلدی سونا ضروری ہے وہ سو نہیں سکتے، اس کے علاوہ باہر کے لوگ قرآن کریم کی تلاوت ادب سے سننے پر قادر نہیں ہوتے، اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تلاوت کے دوران کوئی سجدے کی آیت آجاتی ہے، سننے والوں پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے، اور یا تو ان کو

(۱) ادب الاملاء والاستملاء للسمعانی ص:۵

(۲) مشکوۃ: ج:۱ص:۱۰۷

(۳) خلاصۃ الفتاویٰ، ج:۱ص:۱۰۳، شامی، ج:۱ص ۴۰۳-۴۴۴

پتہ ہی نہیں چلتا، یا وہ وضو سے نہیں ہوتے، اور بعد میں بھول جاتے ہیں، کیا ان حالات میں تراویح کے دوران بیرونی لاؤڈ اسپیکر زور سے کھولنا شرعاً جائز ہے؟

یہ سوال مختلف علماء کے پاس بھیجا گیا اور سب نے متفقہ جواب یہی دیا کہ ان حالات میں تراویح کی تلاوت میں بیرونی لاؤڈ اسپیکر بلا ضرورت زور سے کھولنا شرعاً جائز نہیں ہے، یہ فتویٰ ماہنامہ ''البلاغ'' کی محرم 1407ھ کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے اس پر تمام مکاتب فکر کے علماء متفق ہیں۔

مساجد میں پلاسٹک کی ٹوپیاں نہ رکھیں

نمازی بحالتِ نماز اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایسے لباس میں حاضر ہونا ممنوع ہے جس لباس کو پہن کر معزز مجمع یا مجلس میں حاضر ہونے میں ناگواری ہوتی ہو یا اس کو باعثِ عیب و عار سمجھا جاتا ہو، پلاسٹک اور چٹائی کی ٹوپی پہن کر معزز مجمع اور تقریب میں جانے کو معیوب اور باعثِ عار سمجھا جاتا ہے؛ اس لیے ایسی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا اگرچہ جائز ہے، لیکن اس سے نماز مکروہ ہوجائے گی، مزید یہ کہ پلاسٹک وغیرہ کی ٹوپیاں استعمال کی وجہ سے میلی کچیلی بھی ہوجاتی ہیں، اس سے کراہت دوگنی ہوجائے گی، اس لیے ان ٹوپیوں میں نماز پڑھنے کے بجائے کپڑے/ جالی کی صاف ستھری ٹوپی یا کوئی بھی اچھی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنی چاہیے۔

یہ سمجھنا غلط ہے کہ ان ٹوپیوں میں نماز ہوتی ہی نہیں۔ اسی طرح اگر کسی وجہ ٹوپی چھوٹ گئی ہو تو ننگے سر نماز پڑھ لینے سے بہتر ہے کہ ان ٹوپیوں کو پہن کر نماز پڑھ لی جائے۔

لوگوں کو چاہئے کہ علماء اور صلحاء جس طرح کی گول یا لمبی سر کے ساتھ چپکی ہوئی ٹوپیاں پہنتے ہیں، اس طرح کی ٹوپیاں پہن کر نماز ادا کیا کریں، ٹوپیاں اپنے گھروں سے لے کر جائیں، مسجد میں رکھی ہوئی ٹوپیاں استعمال نہ کریں، یہ رواج قابل ترک ہے؛ بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ مسجد میں اس طرح کی ٹوپیاں رکھا ہی نہ کریں۔

”وصلاته في ثياب بذلة يلبسها فی بيته ومهنة أي خدمة إن له غيرها وإلا لا ،فسرها فی شرح الوقاية بما يلبسه في بيته ولا يذهب به إلى الأكابر والظاهر أن الكراهة تنزيهية الخ (۱)

مساجد کے ذمہ داران کو چاہیے کہ ایسی ٹوپیوں کو مسجد سے ہٹادیں، مشاہدے میں بات آئی ہے کہ لوگ ٹوپی تو رکھ دیتے ہیں مگر اس کی صفائی کا انتظام نہیں ہو پاتا جس کی وجہ سے میلی ٹوپیاں پہننے میں گھن محسوس ہوتی ہے اور مسجد کا منظر بھی برا لگنے لگتا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ :یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ۔ (۲)

زینت کی چیزوں میں سے سب سے سستی چیز ٹوپی ہے، جسے آسانی سے خریدا جاسکتا ہے اگر عند اللہ اجر چاہتے ہیں تو مساجد میں ان چیزوں پہ توجہ دی جائے اس سے اہم ہے مثلا امام مسجد کی معقول تنخواہ وغیرہ۔(۳)

بریلوی علماء کا فتوی

ایسا لباس پہن کر نماز ادا کرنا مکروہ تنزیہی ہے جسے پہن کر کوئی شخص معزز لوگوں کے سامنے جانا گوارا نہیں کرتا ہے بلکہ اس کو باعث عیب وعار سمجھتا ہے۔

مسئلہ کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ مسجد میں جو پلاسٹک کی ٹوپیاں ہوتی ہیں ان کی حالت بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے، وہ ایسی نہیں ہوتیں کہ ان کو پہن کر آدمی معزز لوگوں کے سامنے جا سکے، لہذا ایسا لباس پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے کہ جسے پہن کر آدمی معزز لوگوں کے درمیان نہ جا سکے، لہذا مسجد کی ایسی ٹوپیاں استعمال نہ کی جائیں، سب سے افضل تو یہ ہے کہ ہمیشہ آپ کے سر پہ ٹوپی ہونی چاہیے، لیکن بالفرض اگر آپ یہ نہیں کرتے تو کم از کم آپ کی

(۱) درمختار مع الشامی: ۲/۴۰۷، ط: زکریا

(۲) سورۃ الأعراف، آیت :۳۱

(۳) دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن فتوی نمبر:144203200107

جیب میں ٹوپی ہونی چاہیے یا آپ کے پاس ٹوپی موجود ہونی چاہیے کہ نماز کا وقت آئے تو ایسی ڈھنگ کی، اچھی، صاف ستھری، ٹوپی پہنیں کہ جس کے پہننے سے بندے کو شرم نہ آئے کہ اگر کسی دوسرے کے پاس وہ جاتا ہو۔

''وقار الفتاوی'' میں ہے۔''پلاسٹک کی ٹوپیاں جو مسجد میں رکھی رہتیں ہیں اسے پہن کر کوئی شخص مسجد سے باہر نکلنا یا معز زلوگوں کے سامنے جانا گوارا نہیں کرتا ہے لہذا اسے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہوگی''۔(۱)

مذکورہ کتاب کے مصنف کا تذکرہ خود مذکورہ کتاب پر کچھ اس طرح ہے کہ ''مفتی اعظم پاکستان، حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ''اس کے باوجود بعض اسی مسلک کے نوفارغ پلاسٹک کی ٹوپی سے متعلق علمائے دیوبند سے بڑی بے شرمی سے اختلاف کرتے ہیں۔

نمازِ مغرب اوراذاں کے درمیان تھوڑا فصل رکھیں

احادیثِ مبارکہ میں مغرب کی نماز کو سورج کے غروب کا یقین ہوتے ہی جلدی پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ نے بلاعذر ستاروں کی کثرت تک نمازِ مغرب مؤخر کرنے کو اس امت کی خیر سے روگردانی کی علامت بتایا ہے، سنن ابی داوٗد کی صحیح حدیث میں حضرت مرثد بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس غزوہ سے واپس آئے، یہ ان دنوں کی بات ہے جب مصر کے حاکم عقبہ بن عامرؓ تھے، تو انہوں نے مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھی، حضرت ابو ایوبؓ کھڑے ہوئے اور ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے کہا: اے عقبہ! یہ کون سی نماز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کسی کام میں مصروف تھے، اس لیے نماز تاخیر سے پڑھی، حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا : کیا تم نے نبی

(۱) وقار الفتاوی: ۲/ ۲۳۹

کریم ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا : میری امت اس وقت تک خیر یا فطرت پر قائم رہے گی جب تک وہ مغرب کی نماز ستاروں کی کثرت تک مؤخر کر کے نہ پڑھے۔

''لَمَّا قَدِمَ عَلَيْنَا أَبُو أَيُّوبَ غَازِيًا وَعُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ يَوْمَئِذٍ عَلَى مِصْرَ فَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ فَقَامَ إِلَيْهِ أَبُو أَيُّوبَ، فَقَالَ :لَهُ مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ يَا عُقْبَةُ؟ فَقَالَ :شُغِلْنَا، قَالَ :أَمَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ :لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ - أَوْ قَالَ :عَلَى الْفِطْرَةِ - مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ إِلَى أَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُومُ''(۱)

۱۔مغرب کی نماز کو غروب ہونے کے بعد بالاتفاق جلدی پڑھنا مستحب ہے۔

۲۔''اشتباک النجوم'' تک مؤخر کرنا مکروہ ہے۔''وفی ''بذل المجهود'' : وتاخيرها الى اشتباك النجوم مكروه (۱/ ۲۴۲)

۳۔''ظہور النجوم'' یعنی جب ایک دو ستارے ظاہر ہو جائیں اس وقت تک مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

۴۔اگر کوئی عذر ہو جیسے سفر کی حالت ہو یا کھانا تیار ہو اور بھوک کی شدت ہو تب بھی مغرب کی نماز کو مؤخر کرنا جائز ہے۔

۵۔رمضان المبارک میں افطار کے وقت چونکہ کھانے کی طرف اشتیاق اور بھوک کی شدت ہوتی ہے اس لئے رمضان المبارک میں بھی نماز مغرب کو مؤخر کرنے کی گنجائش ہے۔

مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''رمضان میں اگر بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو تو پندرہ بیس منٹ تک تاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اس لئے کہ یہ تاخیر زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے اور بھوک کی حالت میں کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔لہٰذا کھانے سے فارغ ہو کر

(۱) سنن أبی داوٗد: ۱/ ۱۱۳

اطمینان وفراغ قلب کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے۔(۱)

۶۔رمضان کے علاوہ عام دنوں میں نماز مغرب کو اتنا مؤخر کرنا جس میں دو رکعت نفل ادا کئے جا سکتے ہوں جس کی مقدار دو سے تین منٹ ہے یہ مکروہ تنزیہی میں داخل ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔بعض فقہاء کی رائے میں یہ مکروہ تنزیہی میں داخل ہے۔جبکہ علامہ شامیؒ نے اتنی تاخیر کو مباح قرار دیا ہے۔یعنی مستحب تو یہ ہے کہ مغرب کی نماز میں اتنی تاخیر نہ کی جائے البتہ اگر کسی نے اتنی دیر کی تو مکروہ نہیں بلکہ مباح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ مغرب کا وقت مکروہ کب شروع ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک اذان کے بعد دو رکعت کے برابر وقت گزرنے سے شروع ہو جاتا ہے اور بعض کے نزدیک ''ظھور النجوم'' یعنی جب ستارے ظاہر ہو جائیں تو مکروہ وقت شروع ہوتا ہے۔دوسرے قول میں چونکہ وسعت ہے اور لوگوں کے لئے آسانی ہے اسی کی طرف علامہ شامیؒ کا میلان ہے۔نیز ''صاحب بدائع الصنائع'' کے انداز سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز میں کچھ تاخیر کرنا مباح ہے۔انہوں نے مغرب کی نماز کو جلدی پڑھنے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ مغرب میں تعجیل کثرت جماعت کا سبب ہے، کیونکہ مغرب کی نماز کے بعد لوگ کھانے اور آرام میں مصروف ہو جاتے ہیں اس لئے مغرب کی نماز کو جلدی پڑھنا افضل ہے۔اور تاخیر کرنا نامناسب ہے لیکن موجودہ زمانہ میں تکثیر جماعت کچھ نہ کچھ تاخیر کرنے میں ہے اس لئے مغرب کی نماز میں تاخیر کرنے کی گنجائش ہے۔(۱/۱۲۶)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ دونوں قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

''والثانی اقرب واوسع وظاهر مافی رد المختار يدل ان العلامة شامی مال اليه''۔

اس لئے مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں رمضان کے علاوہ عام دنوں میں اذان

---

(۱) احسن الفتاوی: ۲/۱۳۸

وا قامت میں دو رکعت کی بقدر تاخیر کرنا جس کی مقدار دو تین منٹ ہے مباح اور جائز ہے، مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”نماز مغرب میں اتنی تاخیر کرنا جس میں دو رکعت ادا کی جاسکیں بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے۔ اس سے زیادہ تاخیر میں اختلاف ہے۔ عندالبعض بلا کراہت جائز ہے۔ اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ البتہ اتنی تاخیر کہ ستارے بکثرت چمکنے لگیں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے“۔

آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی ہے کہ ”سعودی عرب میں اکثریت حنابلہ کی ہے اور ان کے یہاں مغرب میں فرض سے پہلے ۲ / رکعت نفل ہیں؛ اس لیے وہ اذان کے بعد ۲ / رکعت کے لیے وقفہ کرتے ہیں؛ جب کہ احناف کے یہاں مغرب کی نماز میں تعجیل افضل ومسنون ہے اور بلا عذر ومجبوری ڈیڑھ، ۲ /منٹ سے زیادہ تاخیر بھی کراہت سے خالی نہیں، اور ہندوستان میں اکثریت احناف کی ہے؛ اس لیے ہندوستان کی مساجد میں اذان کے فوراً بعد دو، تین/ آیتوں کے بہ قدر وقفہ کرکے نماز کھڑی کردی جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱)

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کے فتوی میں ہے کہ ”اذاں اور اقامت میں بالکل وصل بھی مکروہ ہے؛ اس لیے اذان اور اقامت کے درمیان کچھ فصل ہونا ضروری ہے، مغرب کی نماز میں اس فصل کی تحدید میں امام صاحب رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ ایک سکتہ کے بقدر وقفہ کرے، اور موذن بیٹھے نہیں، اور ایک سکتہ کی مقدار ان کے ہاں ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات کے بقدر ہے، اور ایک روایت کے مطابق تین خطوات چلنے کے بقدر اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دو خطبوں کے درمیان جلسہ کے بقدر وقفہ کرنا کافی ہے، یعنی ان کے بقول مؤذن اتنی مقدار بیٹھے گا کہ زمین پر تمکن حاصل ہوجائے اور اس میں طوالت نہ ہو اور خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا عمل بھی یہی تھا کہ مغرب کی اذان اور نماز کے

(۱) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر : 175604

درمیان وہ بیٹھتے نہیں تھے اور یہ اختلاف افضلیت میں ہے؛ اس لیے مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان بیٹھنا امام صاحب کے نزدیک بھی جائز ہے اور نہ بیٹھنا اور تین آیتوں کے بقدر کھڑے کھڑے فصل کرنا صاحبین کے نزدیک بھی جائز ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عام حالت میں مغرب کی نماز میں تعجیل افضل ہے، مغرب کی نماز اور اذان میں صرف ایک بڑی آیت یا تین مختصر آیات کی تلاوت کے بقدر وقفہ کر کے نماز پڑھ لینی چاہیے، اور جتنی دیر میں دو رکعت ادا کی جاتی ہیں (یعنی ۲؍منٹ) یا اس سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہِ تنزیہی ہے اور بغیر عذر کے اتنی تاخیر کرنا کہ ستارے چمک جائیں مکروہِ تحریمی ہے۔

"ویجلس بین الأذان والإقامة، إلا في المغرب، وهذا عند أبي حنيفة - رحمه الله -، وقالا :يجلس في المغرب أيضاً جلسةً خفيفةً؛ لأنه لا بد من الفصل، إذ الوصل مكروه، ولا يقع الفصل بالسكتة؛ لوجودها بين كلمات الأذان، فيفصل بالجلسة كما بين الخطبتين، ولأبي حنيفة - رحمه الله - أن التأخير مكروه، فيكتفي بأدنى الفصل احترازاً عنه، والمكان في مسألتنا مختلف، وكذا النغمة، فيقع الفصل بالسكتة، ولا كذلك الخطبة. وقال الشافعي :يفصل بركعتين اعتباراً بسائر الصلوات، والفرق قد ذكرناه. قال يعقوب : رأيت أبا حنيفة - رحمه الله تعالى - يؤذن في المغرب ويقيم، ولا يجلس بين الأذان والإقامة، وهذا يفيد ماقلناه"(۱)

(۱) دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر :143909201479

مسجد میں ہونے والے کاموں کی اجمالی فہرست

معاشرے میں کروڑوں کی لاگت سے تعمیر کشادہ مساجد، تزئین وآرائش اور تمام ضروری لوازمات کے ساتھ دن بھر میں ڈھائی گھنٹے سے زیادہ استعمال میں نہیں آتیں۔کیا ہی بہتر ہو کہ مساجد کو معاشرے سے اس قدر جوڑ دیا جائے کہ نہ صرف لگے بندھے پابند صلوٰۃ، گنے چنے افراد مسجد آئیں بلکہ اس مرکزی عمارت کا استعمال مسلمانوں کی دیگر ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی کھلا رہے۔ذیل میں چند امور کی نشاندہی کی جارہی ہے، بعض امور پر تفصیلاً کلام رقم کیا جاچکا ہے :

(۱) مسجد کا CCTV کیمیرہ سبھی آنے جانے والوں کا نگراں ہو۔بلکہ مسجد کے باہر بھی کیمرے نصب ہوں تا کہ ہنگامی موقعوں پر پروف کے طور کام آسکے۔

(۲) مسجد میں مرکز عبادت حرم کا حصہ مخصوص ہو۔جہاں شاپنگ یا سفر کے دوران عورت کی نماز نہ چھوٹے یا عورت کی وجہ سے مرد بھی نماز سے محروم نہ رہے۔

(۳) مسجد مرکز تعلیم عربی، عصری، نونہال پرائمری، مشنری طرز کے اسکولس مسجد سے متصل قائم ہوں۔مسجد کی زمین غیر آباد رکھنے یا ملگیاں بنوانے کے بجائے نسل کی تعلیم کا نظام بنایا جائے تو عصری تعلیم مسجد کے ماحول میں حاصل کرنے اثرات غیر معمولی ہوتے ہیں۔

(۴) مدرسہ ومکتب اور بالغان کی تعلیم کے لیے مردوخواتین کے الگ الگ حلقے ان کے لئے آسانی اوران کے وقت کی سہولت سے قائم کیے جائیں۔خواتین اور بڑی عمر کی لڑکیوں کو معلمات کی نگرانی میں حسن معاشرت۔خانگی امور اور خوش گوار ازدواجی زندگی گزارنے کی تربیت ملتی ہو۔

(۵) مرکزی بیت المال کا قیام: اجتماعی زکواۃ، صدقات، قربانی کا نظم، چرم قربانی، ماہانہ اعانت، مستحق طلبہ کی فیس، مستحق بیمار کا علاج وغیرہ، جس سے بستی کا ہر فرد مسجد سے مربوط رہے۔

(۶) بیوہ، یتیمی کے لیے وظیفے، راشن اور امداد حاصل کرنے کا سینٹر مسجد ہو جائے۔

(۷) دینی و علمی لائبریری اور بیٹھ کر مطالعہ کرنے کا نظم ہو۔ لائبریری میں چائے، اور ضروری خدمت کا انتظام ہو۔

(۸) غیر مسلموں کے لیے شعبہ دعوت، (توحید، رسالت، آخرت) قرآن پریچئہ، مسجد پریچئہ، اسلام پریچئہ، پریشت (رسالت) پریچئہ۔ جس سے برادرانِ وطن سے اسلام و مسلمانوں کی نفرت ختم ہو۔ کبھی کبھار مسجد میں غیر مسلموں کو بلا کر عید ملن پروگرام بھی لیا جائے۔

(۹) فیملی مفاہمتی سینٹر Family*counseling centre (خانگی جھگڑوں کا نبٹارا)۔ فیملی کاؤنسلنگ۔ گھریلو تنازعات اور طلاق، خلع اور علاحیدگی کے مسائل پر مشاورت اور آپسی معاملات فیصل کرانے کے لیے علماء اور کاؤنسلنگ کرنے والے کاؤنسلر کی کمیٹی۔

(۱۰) شادی کے لیے دیندار رشتے ڈھونڈنے کا مرکز۔ عقد مسجد میں اور مختصر ولیمہ کے لیے معمولی کرایے پر مسجد سے متصل کمرہ۔ تاکہ نکاح میں خرافات نہ ہو اور نکاح کم خرچ اور آسان بنے۔ جہاں مساجد کی جگہ بڑی ہو وہاں ممکن ہے، اس سے مسجد کو یافت بھی ہو جاتی ہے۔

(۱۱) طلبہ کی راہ نمائی، کیریر کاؤنسلنگ، کوچنگ کا بندوبست۔ امتحان کی تیاری کے لیے طلبہ کو ایک کمرہ یا گوشہ لائٹ پنکھوں کی سہولت کے ساتھ مفت فراہم کیا جائے۔

(۱۲) بلاسودی قرض سوسائٹی کا قیام۔ جہاں سے محلے اور اطراف کے لوگوں کو چھوٹے کاروبار کے لیے مختصر سرمایہ کی فراہمی اور قسط وار وصولی۔

(۱۳) محلہ کی سطح پر (تعلیمی، اقتصادی، ضرورت مند طلبہ، بیوگان محتاج و مساکین) کا اپڈیٹ سروے موجود ہونا۔ کچھ ادارے مسجد کے امام کے recomondation پر تعلیمی وظائف جاری کرتے ہیں۔

(۱۴) بنیادی طبّی امدادی سینٹر۔ ہنگامی حالات کے لیے میڈیکل سروس، ڈزاسٹر اور

فرسٹ ایڈ کی معلومات، ضروری فون نمبرز پر مشتمل بورڈس۔

(۱۵) بچوں اور خواتین کے لیے دینی، تقریری مقابلے اور صلاحیت کے ارتقاء کے مواقع اور اسلامی تہذیب کو فروغ دیا جانا۔

(۱۶) سیرت کے جلسے اور سلسلہ وار تقاریر، اصلاح معاشرہ کے پروگرام۔ یوم فرقان، یوم تعلیم، یوم اطفال، یوم والدین، یوم خواتین پر تقاریر اور معلومات کے جلسے۔ بہت کم وسائل میں محلے کی سطح پر مقامی علماء واساتذہ کے تعاون سے منعقد کیے جاسکتے ہیں ۔(خواتین کی شرکت کی گنجائش رکھی جائے)

(۱۷) حالات حاضرہ پر اکابرین کا ماہانہ پروگرام جس میں کلیدی خطبات اور مذاکرات۔

(۱۸) خطبات جمعہ کو موثر، حالات حاضرہ کے موافق، برادران وطن کی سلام کے متعلق آراء کی مثبت تبدیلی کے لیے راہ نمائی۔ سال کے ۵۲ر بیانات کی منصوبہ بندی سے معاشرتی مسائل کے حل کے لیے پر پیش کیا جانا چاہیے۔ اگلے ہفتے کے بیان کا عنوان اور Synopsis بورڈ پر لکھ دیا جائے۔ مقرر دستیاب ہوں تو ان کا نام بھی۔

(۱۹) غریب، محتاجوں کے لیے ایک وقت کے کھانے کا یا ہر جمعہ لنگر کا انتظام۔ روٹی بنک بھی اس کی ایک شکل ہوسکتی ہے۔

(۲۰) جو چیزیں آپ کی ضرورت سے زیادہ ہیں دے کر جائیں، جنہیں ضرورت ہے لے کر جائیں۔ اس سے ضرورت مندوں کی مدد ہوگی بلخصوص سردیوں میں گرم کپڑے، چادریں، اچھے جوتے چپل، بچوں کے اچھے کپڑے جو چھوٹے ہوگئے، سامان وغیرہ۔

(۲۱) نیوز پیپرز کی ردی، جسے فروخت کر کے رقم خدمت کے کاموں پر خرچ کی جائے گی۔ ایک اندازہ کے مطابق ایک محلے میں ماہانہ دو ہزار کلو ردی پیپر جمع ہو جائیں گے۔
(از قلم: عبدالعظیم رحمانی صاحب ملکاپوری)

بیرون ممالک میں کمیٹیوں اور ائمہ کرام کے مسائل اور ان کا حل

بیرون ممالک میں کمیٹیوں کا روّیہ

اکتوبر ۱۹۹۶ء میں لندن سے شائع ہونے والے ایک اردو روزنامہ میں مساجد کی انتظامیہ کمیٹیوں اور آئمہ مساجد کے درمیان بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری ہے ۔مساجد کی انتظامیہ کمیٹیوں کی ایک مشترکہ کونسل کی طرف سے بیان شائع ہوا کہ ایشاء (پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش) سے سپانسر (sponsor) پر جن آئمہ اور خطباء کو بلایا جاتا ہے وہ صرف اتنا وقت مساجد میں گزارتے ہیں جتنا مستقل ویزے کے حصول کے لیے ضروری ہوتا ہے اور جونہی ان کے پاسپورٹ پر مستقل ویزے کی مہر لگ جاتی ہے وہ مساجد ومکاتب کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور اپنے لیے دیگر مصروفیات تلاش کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے مساجد ومکاتب میں خطباء، ائمہ اور مدرسین کی ضرورت کا مسئلہ مستقل طور پر درپیش رہتا ہے۔

اس کے جواب میں ائمہ مساجد کی بعض تنظیموں کی طرف سے بیان آیا ہے کہ سپانسر (sponsor) پر ائمہ اور خطباء کو بلانے والی مساجد کمیٹیاں ان ائمہ کے ساتھ چار پانچ سال تک جو سلوک روا رکھتی ہیں وہ غلاموں سے بھی بدتر ہوتا ہے ۔اور نہ صرف یہ کہ معاوضہ انتہائی قلیل ہوتا ہے بلکہ پابندیاں اور طرزِ عمل بھی اس قدر اہانت آمیز ہوتا ہے کہ مجبوری کی مدت گزر جانے کے بعد کوئی شریف آدمی ان کمیٹیوں کے ساتھ رہنا گوارا نہیں کرتا۔

بیرون ممالک جانے والے ائمہ کرام

لندن برطانیہ، امریکہ وغیرہ جانے والوں میں سے اکثر حضرات کی آمد کا مقصد صرف دین کی خدمت نہیں بلکہ اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانا بھی ہے ۔ چنانچہ انہیں اس کے لیے جو مواقع میسر آتے ہیں ان سے استفادہ میں انہیں کوئی حجاب محسوس نہیں ہوتا اور اس کے منفی اثرات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔

مولانا ابوعمار زاہد صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: کچھ سال قبل ورلڈ اسلامک فورم

نے اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے شعبہ ''دعوت اکیڈمی'' کے تعاون سے یورپ کے مسلمان طلبہ اور طالبات کے لیے اردو اور انگلش میں دینی تعلیم کا ایک کورس ''اسلامک ہوم اسٹڈی کورس'' کے نام سے شروع کیا تھا جس میں اب بحمد اللہ تعالیٰ ایک ہزار سے زائد طلبا اور طالبات شریک ہیں۔ سال (۱۹۹۵ء) میں لندن کی ایک مجلس میں راقم الحروف نے علماء کو اس کورس کی اہمیت وضرورت کی طرف توجہ دلائی تو ایک بڑے عالم دین نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''حضرت! یہاں دین کی کیا باتیں کرتے ہیں، یہاں تو بس پونڈ اکٹھے کریں اور اپنے ملک میں جا کر دین کی خدمت کریں۔'' اس سے یہاں کی اس نفسیاتی کیفیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو دین کے نام پر اس ملک میں آنے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے ذہنوں کی عکاسی کرتا ہے۔ یقیناً سب لوگ ایسے نہیں ہیں اور ایسے افراد کی بڑی تعداد مساجد ومدارس میں کام کر رہی ہے جو دین کی خدمت کے مشنری جذبہ سے بہرہ ور ہیں۔ لیکن مجموعی ماحول مکاتب اور مساجد میں وہ صورتحال نمایاں نظر آتی ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔(۱)

برطانیہ میں مساجد ومکاتب کی صورت حال

برطانیہ میں مساجد ومکاتب کی صورتحال یہ ہے کہ مختلف ممالک سے یہاں آ کر بسنے والے مسلمانوں نے یہاں اپنی اپنی ضروریات کے مطابق مساجد قائم کر رکھی ہیں جن کی مجموعی تعداد پورے برطانیہ میں ایک ہزار کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ ان میں سے بہت سی مساجد ایسی ہیں جو باقاعدہ طور پر منظوری لے کر مساجد کی شکل میں تعمیر کی گئی ہیں، بعض مساجد کرایہ یا ملکیت کے فلیٹس میں قائم ہیں اور سینکڑوں مساجد ایسی بھی ہیں جو غیر آباد گرجے خرید کر ان میں بنائی گئی ہیں۔ ان مساجد میں پانچ وقت کی نماز باجماعت، جمعہ اور

(۱) روزنامہ پاکستان، اسلام آباد، تاریخ اشاعت: ۱۵/اکتوبر ۱۹۹۶ء

عیدین کے اہتمام کے ساتھ ساتھ شام کو پانچ سے سات تک یا ہفتہ و اتوار کو چھٹی کے روز قرآن کریم کی تعلیم کے مکاتب قائم ہیں جہاں ہزاروں بچے قرآن کریم اور دینی معلومات کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ سے دینی تعلیم کے بڑے دارالعلوم اور جامعات مختلف علاقوں میں الگ طور پر بھی قائم ہو رہے ہیں جس میں درس نظامی کے ساتھ ساتھ مقامی سکولوں کی تعلیم بھی دی جاتی ہے اور ان کے ہاسٹلوں میں سینکڑوں طلبہ مقیم ہوتے ہیں۔ اسی طرز پر بچیوں کی دینی تعلیم کے لیے بھی ادارے قائم ہونا شروع ہو گئے ہیں اور اس طرح دینی تعلیم کا دائرہ دن بدن پھیلتا جا رہا ہے۔

پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش سے آنے والے مسلمانوں کی مساجد اور مکاتب اپنے ملکوں کی طرح یہاں بھی مسالک کی تفریق کا دائرہ قائم رکھے ہوئے ہیں۔ دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث، جماعت اسلامی اور شیعہ کی تفریق کے علاوہ یہاں علاقائی تفریق کا رنگ بھی نمایاں ہے اور گجراتی، بنگالی، میرپوری اور پنجابی طرز کی گروہ بندیاں ان مساجد و مکاتب کے نظام میں کارفرما دکھائی دیتی ہیں۔

بیرون ممالک میں کمیٹیوں کا ائمہ کرام سے سلوک

مساجد کمیٹیوں کی حالت اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ ان کمیٹیوں میں ایسے افراد کی تعداد کم نہیں ہے جو مسجد یا دین کی خدمت کے لیے ان کمیٹیوں میں شامل نہیں ہیں بلکہ چودھراہٹ کا کوئی اور میدان اس سوسائٹی میں اپنے لیے موجود نہ پا کر وہ اس جذبہ کی تسکین کے لیے مساجد کمیٹیوں کا رخ کرتے ہیں۔ اور پھر ان کی چودھراہٹ اور حکمرانی کا سارا زور امام اور خطیب کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے پر صرف ہو جاتا ہے۔ ان کمیٹیوں میں دو دو تین تین دھڑے بن جاتے ہیں اور ہر دھڑے کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ امام اور خطیب صرف اس کی مرضی کے مطابق چلے۔ چنانچہ ہوشیار قسم کے خطیب و امام تو کسی طاقتور دھڑے کے ساتھ فریق بن کر دوسرے دھڑے کا دھڑن سے تختہ کرا دیتے ہیں اور خود بھی

اقتدار میں شریک ہو جاتے ہیں جبکہ سادہ قسم کے امام مساجد کمیٹیوں کے ان دھڑوں میں ''غریب کی جورو'' بنے رہتے ہیں اور اس وقت کے انتظار میں سر جھکائے رکھتے ہیں کہ کب ان کے پاسپورٹ پر مستقل ویزے کی مہر لگے اور وہ ان کمیٹیوں کے چنگل سے نجات حاصل کریں۔

ایک موقع کی بات ہے لندن کے ایک علاقہ کی بڑی مسجد میں اس کی انتظامیہ کمیٹی کی ہفتہ وار میٹنگ میں راقم الحروف (مولانا ابوعمار زاہد صاحب دامت برکاتہم) بھی بیٹھا تھا۔ اس مسجد میں فنڈز کی فراوانی کی وجہ سے تین خطیب بیک وقت کام کر رہے تھے اور کمیٹی والے اگلے ہفتہ کے دوران ان ائمہ کے درمیان نمازوں کی تقسیم کا شیڈول طے کر رہے تھے کہ مثلاً منگل کے روز فجر کی نماز کون پڑھائے گا، ظہر کون پڑھائے گا اور عصر کس کے ذمہ ہوگی۔ تقسیم کا انداز یہ تھا کہ تینوں میں سے کسی امام کو کسی دن بھی ایسی گنجائش نہ مل سکے کہ وہ کسی کام کے لیے کہیں جانا چاہے تو جا سکے۔ مجھے یہ صورتحال دیکھ کر تکلیف ہوئی، میں نے کمیٹی والوں کے طرزِ عمل سے اختلاف کیا اور ان سے کہا کہ وہ ائمہ کے ساتھ یہ معاملہ نہ کریں بلکہ انہیں صرف اس بات کا پابند کریں کہ ہر نماز میں ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہونا چاہیے اور اس کے بعد باقی تقسیم ان پر چھوڑ دیں کہ وہ آپس میں ضرورت اور سہولت کے مطابق تقسیم کار کر لیں، لیکن کمیٹی والوں کو میں اس بات پر قائل نہ کر سکا۔ اس سے مساجد کمیٹیوں اور آئمہ مساجد کے درمیان تعلقات کار کی نوعیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ان کمیٹیوں میں بیشتر افراد دیندار اور اچھے خیالات و جذبات کے حامل ہوتے ہیں لیکن ایسے افراد کی کمی نہیں ہے جو محض چودھراہٹ کے خیال سے کمیٹیوں پر حاوی ہو جاتے ہیں اور اس مقصد کے لیے خاصی رقوم بھی مساجد کی تعمیر میں صرف کر دیتے ہیں۔ ایک وقت کی بات ہے کہ مفتیان کرام کی ایک سوسائٹی میں جو ''اسلامک فقہ اکیڈمی برطانیہ'' کے نام سے کام کر رہی ہے، یہ بات زیر بحث تھی کہ مساجد کمیٹیوں میں ایسے افراد کی رکنیت کی شرعی حیثیت کا

جائزہ لینے کی ضرورت ہے جوصوم وصلاۃ کے پابند نہیں ہیں اور شراب وغیرہ کی فروخت جیسے حرام کاروبار میں مصروف ہیں، مساجد کمیٹیوں میں اس قسم کے افراد کی موجودگی زیادہ خرابی کا باعث بنتی ہے۔اس پس منظر میں دیکھا جائے تو مساجد کمیٹیوں اور ائمہ مساجد دونوں کی مذکورہ شکایات اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔(۱)

بیرون ممالک میں ائمہ کی تنخواہوں کا حال

ائمہ اور خطباء کی تنخواہوں کی صورتحال یہ ہے کہ شام کو پانچ سے سات بجے تک قرآن کریم کی تعلیم دینے والے اساتذہ عام طور پر تیس سے چالیس پونڈ ہفتہ تنخواہ پاتے ہیں، جبکہ پانچ وقت کی نماز اور جمعہ کے ساتھ ساتھ شام کی کلاس کی پابندی اور مسجد کی نگرانی وحفاظت کی ذمہ داری نبھانے والے ائمہ وخطباء ستر سے سو پونڈ تک فی ہفتہ تنخواہ کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ بعض حضرات اس سے زیادہ معاوضہ پاتے ہیں لیکن عام طور پر لندن اور دیگر بڑے شہروں کا معیار یہی ہے اور یہ یہاں کے عام معیار سے کم وبیش نصف کے لگ بھگ ہے۔ بالخصوص وہ ائمہ جو مساجد کے حجروں میں قیام پذیر اور اپنی خوراک کے خود ذمہ دار ہیں ان کے لیے صورتحال زیادہ پریشان کن ہوتی ہے۔ اور انہیں ٹیوشن اور دیگر ذرائع اختیار کر کے اپنا حساب کتاب برقرار رکھنا پڑتا ہے۔اس قلیل معاوضہ کے ساتھ ائمہ وخطباء کو مساجد کمیٹیوں اور ان کے چودھری قسم کے ارکان کے سامنے جس طرح ہر وقت جوابدہ رہنا پڑتا ہے وہ علماء کرام کے لیے زیادہ تکلیف دہ امر ہے۔اسی وجہ سے مستقل ویزے تک کی عبوری مدت کو یہاں آئمۂ مساجد کی اصطلاح میں ''عدت'' کہا جاتا ہے اور یہ ائمہ جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے اس کی ''عدت'' کی بقایا مدت اور اس کے بعد کے پروگرام کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں۔(۲)

---

(۱) روزنامہ پاکستان، اسلام آباد، تاریخ اشاعت ۱۵: اکتوبر ۱۹۹۶ء

(۲) روزنامہ پاکستان، اسلام آباد، تاریخ اشاعت ۱۵: اکتوبر ۱۹۹۶ء

بیرون ممالک میں ان مسائل کا حل

دونوں طرف کے احوال کی درستگی کے لئے:

۱۔ اسلامی کانفرنس کے جدہ سیکرٹریٹ غیر مسلم ممالک میں مساجد و مکاتب کے نظام کا جائزہ لینے اور ان کی مشکلات و مسائل کے حل کے لیے ایک مستقل شعبہ قائم کرے اور اس مقصد کے لیے ایک مؤثر نظام کار وضع کیا جائے۔

۲۔ ایشاء کے بڑے دینی مدارس مغربی ممالک کی ضروریات کا جائزہ لے کر ان کے مطابق ائمہ اور اساتذہ کی تیاری اور تربیت کے الگ شعبے قائم کریں۔

۳۔ اسلامی نظریاتی کونسل اپنا وفد بھیج کر ان ممالک میں مقیم ایشائی مساجد اور دینی مکاتب کے نظام کا جائزہ لے کر ان کی اصلاح کے لیے سفارشات مرتب کرنے کے علاوہ مساجد کمیٹیوں اور ائمہ وخطباء کے لیے ضابطۂ اخلاق طے کرے جس پر عملدرآمد کی سفارت خانوں کے ذریعے نگرانی کی جائے۔

۴۔ سفارت خانوں میں موجود تعلیمی شعبوں کا دائرۂ کار دینی تعلیم تک بڑھایا جائے اور سفارت خانوں میں مذہبی امور کے شعبے بھی قائم کیے جائیں۔ اور وزارت تعلیم اور وزارت مذہبی امور کے یہ شعبے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کی روشنی میں مساجد و مکاتب اور دینی تعلیم کے نظام میں ایشائی کمیونٹی کی راہنمائی کریں۔

۵۔ ایشاء میں مختلف مکاتب فکر کے دینی مدارس کے وفاقوں کا مشترکہ بورڈ اپنا وفد بھیج کر مغربی ممالک میں مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات اور مسائل کا جائزہ لے اور غیر سرکاری سطح پر سفارشات مرتب کر کے ان ممالک میں مقیم ایشائی اہل علم کی رہنمائی کی جائے۔ (از قلم: حضرت مولانا عمار زاہد راشدی صاحب دامت برکاتہم)

مصلّیانِ مسجد کی ذمہ داریاں

مصلّٰی کیسا ہو؟

مسجد میں جماعت کا قیام مقتدی حضرات کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے، ہر مقتدی اپنی جگہ اہم ہے، مقتدیوں کا آپس میں تعلق بھی اخلاقی ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر انسانیت اور ہمدردی پیدا نہیں ہوسکتی ،اور مقتدی کا اپنے مقتداء سے تعلق بہت ممتاز ہونا چاہئے ،مسجد میں حاضری صرف نماز کی حد تک نہ رہے، بل کہ مسجد کو سپریم کورٹ اور امام کو اس کا جج سمجھیں، مسجد کو مجاہدوں کی چھاونی اور اس کا کمانڈر امام کو سمجھیں، مسجد کو دار القضاء امام کو قاضی ،مسجد دار الافتاء امام کو مفتی اعظم سمجھیں؛ امام سے وہ تعلق پیدا کریں جو شریعت میں مطلوب ہے، اور امام کو وہ مقام دیں جو شریعت نے انہیں نوازا ہے۔

نماز کی ضرورت واہمیت کے باوجود نمازیوں میں بہت سی سنگین غلطیاں اور کوتاہیاں دیکھنے میں آرہی ہیں۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہم پر سچ ثابت ہورہا ہے کہ سب سے پہلے دین میں سے خشوع رخصت ہوگا اور سب سے آخر میں نماز۔کوئی ایسا نمازی بھی ہوگا جس میں کوئی بھلائی نظر نہ آئے گی اور وہ وقت دور نہیں کہ تم مسجد میں جاؤ اور ایک آدمی بھی خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والا نہ ملے۔(۱)

ائمہ کرام اور عوام کی سوچ

ہم عوام کا بھی حال عجیب ہے کہ امام کو ہمیشہ مفلس، قلاش، مقروض، اور مجبور محض دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ہم نہیں چاہتے کہ امام ایک اچھے مکان میں رہے۔اس کے گھر کا کھانا پینا اچھا ہو۔اس کے پاس ایک گاڑی یا کار ہو۔اس کے بچے اچھا پہنیں، اعلیٰ تعلیم سے حاصل کریں اور امام خوش حال زندگی گزارے۔مصلیوں کی اکثریت امام ومؤذن پر حکومت کرتے نظر آتے ہیں، بل کہ ان میں اکثر ایسے افراد ہوتے ہیں جن کی گھر میں ایک آنے کی

(۱) مدارج السالکین ابن قیم، ۱/۵۲۱

بھی حیثیت بھی نہیں ہوتی، نہ اولاد قابو میں ہوتی ہے اور نہ ہی بیوی کنٹرول میں ہوتی ہے، نہ والدین کو خوش رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی جائے ملازمت کا حق ادا کرتے ہیں، ہر جگہ کے ناکارہ مسجد میں حکمرانی کرنے کے لئے آٹپکتے ہیں۔

ایک دیہات میں ایک مولانا پچیس سال سے امامت، نکاح، جنازہ وغیرہ سب امور انجام دیتے ہیں، ایک سرکاری اسکول کے ٹیچر جو تبلیغ کے متحرک بھی ہیں، مگر امام صاحب کے خلاف ایک محاذ بنا کر رکھے ہیں، حتی کہ دیہات چھوڑ کر دوسرے شہر چلے جانے کے بعد بھی کسی نہ کسی بہانے سے دیہات آ کر تنگ کرتے رہتے ہیں، عاجز مرتب کے پاس بھی یہ مقدمہ دو چار بار آیا، امام صاحب کی زندگی تنگ کرنے میں ہی اپنی راحت محسوس کرتے ہیں ۔ہماری یہ صورت حال ہے کہ اپنے خدمت گار ملازم کی تنخواہ امام ومؤذن کی تنخواہ سے زیادہ دیتے ہیں۔

امام صاحب کی عیب جوئی نہ کریں

امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم ہے، نہ کہ امام کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑنے کا؛ اپنے امام سے بدظنی کے بعد امام کی خوبیاں حاصل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے، اور یہ بات سمجھ لیں کہ جس قوم کا امام عیب دار ہے تو وہ قوم کبھی بے عیب نہیں ہو سکتی

ایک بڑے مفتی صاحب کے پاس ایک گاؤں کی مسجد کے امام کے متعلق سوال آیا کہ ہمارے امام میں کئی عیب پائے جاتے ہیں اور عیب کی فہرست تین سو عیبوں پر ختم ہوئی ،سوال کیا کہ ”کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے“؟

جواب میں مفتی صاحب نے عجیب حکیمانہ جملے لکھے ”جس مسجد کے امام میں اتنے عیوب ہوں تو اس مسجد کے مقتدیوں میں کتنے عیب ہوں گے؟ لہذا ایسے عیب دار امام کے پیچھے عیب دار قوم کی نماز بلا کراہت درست ہے“ بے عیب انسان کوئی نہیں ہے سوائے ذاتِ خدا کے، جو ہر عیب سے پاک ہے، ہمیں حکم ہے کہ اپنے عیب دیکھو

دوسروں کی خوبیاں دیکھو؛ مگر ہم نے برعکس کرلیا؛ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ''دایاں ہاتھ چھوڑ کر بایاں ہاتھ چاٹنا''؛ ہمارے بچے نافرمان، بداخلاق، جھوٹ کے عادی، گھر کا سکون برباد، میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ، ہمسائے ایک دوسرے سے نالاں، ہمارے بازار خیانت، جھوٹ، دھوکہ سے بھرے ہوتے ہیں، ہمدردی وتعاون کا نام بھی نہیں، کئی مشکلات وجراثیم سے گھروں کا ماحول گندہ ہوچکا، مگر ہماری نظر امام کے عیوب پر ہے۔

ہم امام کی اصلاح کرنے کی فکر میں رہتے ہیں؛ کبھی اپنے ذمہ امام کے کیا حقوق ہیں اس کا بھی جائزہ لیا؟ کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ مسجد کے قریب گھر ہے، امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے سالوں گذر گئے، امام صاحب اپنے بچوں کے نام رکھوائے، نکاح وجنازے پڑھوائے، کتنی عیدیں گذر گئیں، مگر کبھی امام صاحب کو ہدیہ دینے کی توفیق ملی؟ کبھی کسی ماہ کا راشن پہنچایا؟ کبھی بہترین لباس ہدیہ دیا؟ کبھی بچوں کے لئے مٹھائی دیا؟ کوئی خدمت کرنے کی سعادت نصیب نہ ہوئی اور عیب جوئی کا سلسلہ شروع ہوگیا؛ ہم اپنے امام کو معاشی تفکرات سے فارغ دیکھنا نہیں چاہتے ہیں، انہیں استغناء کے ساتھ خدمت میں مشغول رکھنا نہیں چاہتے، غور کرلیں! ہم نہ امام کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے شایانِ شان عزت کرتے ہیں۔

مالی خدمات تو دور کم از کم اپنے مسائل کا مرجع بنوانے لیتے، فیملی ڈاکٹر کی طرح فیملی مفتی صاحب بنوالیتے، مگر اتنی خلیج پیدا کردی کہ دونوں ایک دوسرے سے نالاں ہیں، ہمارا تعلق نہ دوسرے مقتدیوں سے بہتر، نہ کمیٹی سے بہتر اور نہ ہی امام سے بہتر تعلق ہے۔

مسجد کا امام اور مؤذن ایسے برگزیدہ ہوتے ہیں کہ اگر کسی علاقے میں کوئی اللہ والا نہ ہی جس کی صحبت اختیار کی جاسکے تو کسی مسجد کے مؤذن وامام کے ساتھ بیٹھ جانا چاہئے کہ اب وہی اس علاقے کا ولی ہے جو دِمولی پر پڑا رہتا ہے اور اس کے گھر کی خدمت وآبادی میں مگن ہے۔

جب ہم اپنے دربان، ڈرائیور وغیرہ سے پوچھ لیتے ہیں کہ کھانا کھائے کہ نہیں کھائے، گھر

کی نوکرانی کے بیمار ہونے پر خدمت کر لیتے ہیں تو کیا امام ومؤذن اس محبت کے حقدار نہیں ہیں؟ جو اپنی نسل کی بھلائی چاہتے ہیں، ہمیں چاہیئے کہ ان حضرات کو اپنا فیملی ممبر سمجھیں، ان کے دکھ درد میں شریک ہوں، انہیں اپنا محسن سمجھیں؛ ان کے حق میں دعائے خیر کریں۔

مصلی حضرات تھوڑا صبر کریں

مقتدی حضرات کو چاہیے کہ وہ ائمہ کا انتظار کر لیا کریں۔ اُنھیں بھی مصروفیات یا عوارضات لاحق ہو سکتے ہیں، کبھی گھر سے وقت پر نکلے مگر راستہ میں بھیڑ اتنی تھی کہ وقت پر پہنچ نہ سکے، اگر مصلیوں اور کمیٹی کا اتنا رعب بٹھایا جائے کہ تھوڑی سی تاخیر پر برخواست کر دیا جائے گا تو شاید پھر مسجد امام کے بغیر رہ جائے گی، آپ بھی دو چند واقعات ایسے دیکھے اور سنے ہوں گے کہ امام صاحب گاڑی سے مسجد جاتے ہوئے راستہ میں اکسیڈنٹ ہوگیا، ہمارے جبر یا ان کے خوف نے کسی کے گھر کا سہاگ اجاڑ دیا، کوئی بیوہ تو کئی یتیم ہو گئے، مگر افسوس ہمارے ہاں نماز کے وقت سے ایک منٹ بھی دیر ہو جائے تو بے چارے امام کی خیر نہیں۔ لوگوں کی نظریں کسی اور امام کی تلاش میں لگ جاتی ہیں اور تقریباً گردنیں قبلہ کی جانب سے مسجد کے گیٹ کی جانب ہوجاتی ہیں، بڑے بڑے پارسا انسانوں کی زبانوں کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو متبع سنت کہلوانے والوں کا حال بھی ناقابل بیان ہوتا ہے، اگر امام عین جماعت کے وقت کسی کے ضروری سوال کا جواب دے رہا ہو یا صفیں سیدھی کراتے ہوئے کوئی حدیث سنا رہا ہو اور ادھر سے ٹائم ہوگیا تو مسجد کے کسی کونے سے ایک زوردار بھدی سی آواز نمودار ہوتی ہے: ''ٹائم ہوگیا ہے!!'' جبکہ عہدِ نبوی ﷺ میں تو صحابہؓ کرام بعض اوقات جماعت کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے سو جایا کرتے تھے، قطعِ نظر اس سے کہ وہ آدابِ امامت تھے یا آدابِ رسالت۔(۱) موجودہ زمانہ میں نہ ویسی عقیدت ہے اور نہ ہی اتنی فرصت ہے، مگر تھوڑا تو تحمل ضروری ہے۔

(۱) صحیح البخاری، کِتَابُ الأَذَانِ، بَابُ الإِمَامِ تَعْرِضُ لَهُ الحَاجَةُ بَعْدَ الإِقَامَةِ، حدیث: ۶۴۲

وضو کی وجہ سے تاخیر پر شکایت نہ کریں

کسی وجہ سے امام صاحب دوبارہ وضو کرنے چلے جائیں تو شکایت نہ کریں، مثلاً وضو ہونے کے خیال سے مصلی پر کھڑے ہو گئے تھے دورانِ اقامت خیال آیا کہ وضو نہیں ہے ،تو کیا مصلیوں کے خوف سے بغیر وضو کے نماز پڑھا دیں، سیدنا ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مسجد میں) تشریف لائے۔ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں برابر ہو چکی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصلاے امامت پر تشریف لا چکے تھے، ہم تکبیر کے انتظار میں تھے کہ آپ یہ فرماتے ہوئے کہ ''اپنی اپنی جگہ ٹھہرو۔'' واپس تشریف لے گئے۔ اس دوران ہم اپنی اسی حالت پر رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف آئے تو آپ نے غسل کیا ہوا تھا اور آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔(۱)

مصلی دوسرے مصلی کو برداشت کرے

مسجد میں مختلف ذہن کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، کسی کے لہجے میں ترشی، کسی کے انداز میں درشتی، کوئی اعلیٰ اقدار کا حامل، کسی کو بولنے کا سلیقہ نہیں اور کوئی نیچا دکھانے کا آرزو مند، ان مختلف قسم کے لوگوں کو برداشت کر لینا نہ صرف امام کی ذمہ داری ہے بلکہ مصلیوں کی بھی ذمہ داری ہے، ایک دیہاتی شخص مسجدِ نبوی میں پیشاب کرنے لگ جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اسے روکنے کے لیے اس کی طرف بڑھتے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے حوصلے سے فرماتے ہیں: ''اس کو پیشاب سے نہ روکو، کر لینے دو۔ **''لَا تُزْرِمُوهُ، دَعُوهُ''**

صحابہ کرامؓ اسے پیشاب کرنے دیتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کرنے والے دیہاتی کو پاس بلاتے ہیں اور نصیحت فرماتے ہیں: ''بے شک یہ مساجد ہیں۔ ان میں پیشاب یا گندگی وغیرہ درست نہیں۔ یہ تو اللہ عزوجل کے ذکر، نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے ہیں۔

(۱) صحیح البخاری، كِتَابُ الأَذَانِ، بَابُ هَلْ يَخْرُجُ مِنَ المَسْجِدِ لِعِلَّةٍ؟ حدیث :۶۳۹

"إِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لاَ تَصْلُحُ لِشَيْئٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَ لاَ الْقَذَرِ، إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ الصَّلاَةِ وَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ" (۱)

پھر آپ ﷺ پانی منگوا کر پیشاب والی جگہ پر پانی بہا دیتے ہیں، موجودہ زمانہ میں اگر کسی مقتدی سے غلطی سے بھی کچھ سرزد ہو جائے، مثلاً: وہ موبائل کو بند کرنا بھول گیا اور وہ نماز میں بجنے لگ گیا ہے تو تمام نمازیوں کے سامنے اس کو ذلیل نہ کریں، شکر ہے کہ نماز کو تو آیا ہے، اگر ہمارے برتاؤ سے آنا ہی بند کر لے تو؟

جماعت چھوٹنے پر ناراض نہ ہوں

پابندی سے جماعت میں شریک ہونے والے مقتدی کی جماعت چھوٹ جائے تو امام صاحب پر ناراضگی دکھانے کے بجائے اپنی دیری کو درست کرے، بعض مرتبہ امام صاحب مغرب میں قصارِ مفصل پڑھائیں گے مگر مقتدی کو اپنی جماعت پانے کے لئے طوالِ مفصل چاہئے ہوتا ہے، جس کی وجہ سے امام صاحب پر دوسروں کے سامنے کہہ دیتے ہیں "امام صاحب کو بہت جلدی ہے، وضو بنائے بنائے تک سلام پھیر دیتے ہیں" جبکہ امام کی طرف سے نماز مختصر کرنا مسنون قرأت کی وجہ سے یا حال ہی میں وقت تبدیل کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے پھر بھی امام کی خیر نہیں۔ حالانکہ حدیث میں واضح ہے کہ ایک شخص جب نماز کے لیے مسجد پہنچتا ہے اس کے باوجود وہ جماعت کو نہیں پا سکا تو اس کا اجر لکھ دیا گیا ہے۔ (۲) ایسے مقتدی کو امام کی دل آزاری کرنے کے بجائے ثواب کی اُمید کرتے ہوئے اپنی نماز ادا کرنی چاہیے۔

---

(۱) صحیح البخاری، كِتَابُ الْوُضُوءِ، بَابُ تَرْكِ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّاسِ الأَعْرَابِيَّ حَتَّى فَرَغَ مِنْ بَوْلِهِ فِي الْمَسْجِدِ، حدیث: ۲۱۹

(۲) سنن أبي داؤد، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ فِيمَنْ خَرَجَ يُرِيدُ الصَّلَاةَ فَسُبِقَ

بچے مسجد کی رونق ہیں، اپنی رونق کو ختم نہ کریں

مقتدی حضرات اور ائمہ کرام کے تعلقات میں کشیدگی کی ایک وجہ بچے بھی ہیں، خواہ وہ امام وخطیب صاحب کے ہوں یا مقتدی حضرات میں سے کسی کے۔ بچے تو سانجھے ہوتے ہیں۔ اور بچے بچے ہی ہوتے ہیں مگر مساجد میں ان کا وجود ایسے ہی ہے جیسے ایک خوبصورت پارک میں بڑے بڑے سایہ دار درختوں کے ساتھ رنگ برنگ پھولوں سے سجی کیاریاں۔ اور ان کا بولنا ایسے بھاتا ہے جیسے گھنے درختوں پر صبح وشام پرندوں کا چہچہانا۔ جب ان کی مائیں اُنھیں ٹوپی پہنا کر یا سکارف اوڑھا کر ان کا تعلق مسجد ومکتب سے جوڑنا چاہتی ہیں تو پھر ائمہ ومدرسین کو بھی اس کی لاج رکھنی چاہیے۔ اگر وہ ناظرۂ قرآن کے دوران ہنسنے، رونے یا بھاگنے لگ گئے ہیں تو اُنھوں نے کون سا جرم کرلیا ہے؟ ویسے بھی تو ہمارا طائرِ خیال ادھر اُدھر اڑتا ہی رہتا ہے، بچوں کی وجہ سے توجہ بھٹک گئی تو کیا ہوا؟ نبی کریم ﷺ نے ائمہ کرام کے لیے روشن اور اعلیٰ مثال رکھی ہے۔

سیدنا ابوقتادہ ؓ نبی ﷺ کا یہ فرمان ہمارے سامنے رکھتے ہیں: بے شک میں نماز کا قیام کرتا ہوں اور ارادہ رکھتا ہوں کہ قراءت لمبی کروں، اتنے میں کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتا ہوں تو اپنی نماز (باجماعت) مختصر کر لیتا ہوں کہ کہیں بچے کے رونے کے باعث اس کی ماں کو مشکل میں ڈال دوں۔

"إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا فَأَسْمَعَ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةً أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ"(۱)

رحمتِ عالم ﷺ نے نماز ختم ہونے کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ چھوٹے بچوں کو مسجد میں نہ لایا کریں۔ اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ ایسی مائیں گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کریں، حالانکہ عورت

---

(۱) صحيح البخاري، كِتَاب الأَذَانِ، بَاب مَنْ أَخَفَّ الصَّلَاةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ، حديث: ۷۰۷

کا نماز کے لیے مسجد میں آنا ضروری بھی نہیں۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے قرآن پاک کی تلاوت مختصر کر دی اور اس بچے کو یا اس کی وساطت سے اس کے سرپرستوں کی عزت پر ذرا سا حرف بھی نہیں آنے دیا۔ تربیت کے سنہرے انداز اور الفاظ کے بہترین چناؤ کا اس کے سوا کچھ مقصد نہیں تھا کہ جو بھی عورت اپنے چھوٹے بچے کو ساتھ لانا چاہتی ہو وہ اسے رونے سے حتیٰ المقدور روکنے کی کوشش کرے۔

بچے کے رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کی قراءت میں یقیناً خلل واقع ہوتا ہو گا مگر آپ ﷺ نے اس کا اظہار بھی نہیں فرمایا بلکہ دوسروں کی سہولت کی خاطر اپنے ایسے جذبات کو اُمت کے سامنے رکھ دیا۔ وارثانِ منبر ومحراب کے ذمہ ہے کہ وہ سیرت کے ان پہلوؤں کا عملی اظہار کریں۔

جہاں تک مسجد میں جماعت کے ساتھ یا جمعے میں شریک ہونے کا تعلق ہے تو بچوں کو اس وقت لے جانا چاہیے جب انھیں کچھ نہ کچھ شعور آجائے۔ اور وہ خاموشی اختیار کر سکیں۔ بعض اوقات ایسے چھوٹے بچے نماز یا جمعے کی خرابی کا باعث بن جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس حوالے سے جو راہ نمائی فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ

"مُرُوا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلاَةِ إِذَا بَلَغُوا سَبْعًا" (۱)

آپ ﷺ نے سات سال سے پہلے نماز کی طرف راغب کرنے کی تلقین نہیں فرمائی۔ اس میں حکمت ہے۔ آخر 5،4 یا 6 سال کے بجائے 7 سال کی حد بندی کی گئی ہے تو یہ ہمیں بتا رہی ہے کہ اتنی عمر کے بچے کو کچھ نہ کچھ شعور آجاتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر گھروں میں عورتیں یا بچے نہ ہوں تو میں عشاء کی جماعت کراؤں اور نہ آنے والوں کے متعلق نوجوانوں کو حکم دوں کہ وہ اُن کو گھروں سمیت جلا دیں۔

"لَوْ لا مَا فِي الْبُيُوتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ أَقَمْتُ صَلاَةَ الْعِشَاءِ

(۱) مسند احمد بن حنبل، حدیث: ۶۶۸۹

وَأَمَرْتُ فِتْيَانِي يُحَرِّقُونَ مَا فِي الْبُيُوتِ بِالنَّارِ"(۱)

غرضیکہ چھوٹے بچوں کو مسجد میں لانے کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا بلکہ گھروں میں رہنے کا اشارہ موجود ہے۔ دراصل سات سال سے کم عمر کے بچے عمومی طور پر مسجد میں کھیل کود حتی کہ پاکی پلیدی کا خیال بھی نہیں رکھتے اور نماز و جمعہ میں کل وقتی خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ چونکہ جمعہ کا بیان اور نماز ہونے میں کافی دیر بھی ہوجاتی ہے، جبکہ عام نمازوں میں اتنا وقت نہیں لگتا، اور بعض اوقات بچوں کی وجہ سے بڑے لڑ بھی پڑتے ہیں۔(۲)

امام صاحب کی اولاد کے ساتھ سلوک

کئی نمازی یا سامعین تو امام یا خطیب کے بچوں کو مسجد میں دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ اُنھیں ڈانٹتے ہیں، انھیں مرعوب رکھتے ہیں، ان سے حقارت آمیز سلوک کرتے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوتی ہے کہ محلے کے لوگ اپنے امام کو ملازم سمجھتے ہیں۔ ایسے نمازیوں کے لیے بھی آپ ﷺ نے روشن مثال ہمارے سامنے رکھی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ نماز پڑھاتے اور اپنی نواسی اور ابو العاص بن ربیعہ (ربیع)ؓ کی بیٹی امامہ بنت زینبؓ کو اٹھائے ہوئے ہوتے۔ پھر جب آپ سجدہ کرتے انھیں (نیچے) رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اُٹھا لیتے۔

"أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتِ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا"(۳)

ہمارے ہاں نماز میں بچے اُٹھانے کا تصور بھی نہیں مگر امام صاحب کے بچے یا پوتے،

(۱) مسند احمد بن حنبل، حدیث: ۸۷۹۶

(۲) محدث فورم، مولانا نعمان فاروقی صاحب

(۳) صحيح البخاري، كِتَابُ الصَّلاَةِ، بَابُ إِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيرَةً عَلَى عُنُقِهِ فِي الصَّلاَةِ، حديث :۵۱۶

نواسے اگر والد یا دادا جان یا نانا جان کی قراءت سن کر یا ان سے اُنسیت کی بنا پر مسجد آہی گئے ہیں تو بعض افراد کی طرف سے یہ بہت بڑا اعتراض بن جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث کی رُو سے ایسے مقتدی حضرات کو اپنے رویے میں نرمی لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ وہ نبی کریم ﷺ سے زیادہ خشوع و خضوع کا خیال رکھنے والے نہیں ہو سکتے۔

امام سے بھول اور غلطی پر ناراض نہ ہوں

نماز میں امام سے بھول چوک یا غلطی کا ہو جانا بعید نہیں۔ اس میں ائمہ کرام اور مقتدی حضرات دونوں کے لیے سبق ہے، مقتدی ائمہ کرام کو فرشتہ نہ سمجھیں بلکہ انسان ہی سمجھیں کہ جیسے اُن سے بہت سے کاموں میں بھول چوک ہو جاتی ہے اسی طرح ائمہ کرام سے بھی اپنے فرض میں بھول و غلطی ہو سکتی ہے، اور ائمہ کرام اس کو اپنی عزتِ نفس کا مسئلہ نہ بنا لیں، غلطی اور بھول کو اپنے وقار میں کمی کا ذریعہ نہ سمجھیں، نبی کریم ﷺ ایک دفعہ نماز پڑھا رہے تھے کہ نماز میں (کوئی معمولی سا) فرق آیا۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! نماز میں (اللہ کی طرف سے) کوئی فرق آ گیا ہے؟ فرمایا: ''بات کیا ہے؟'' عرض کی: آپ نے آج نماز کچھ اور طریقہ سے نماز پڑھائی جو معمول کے مطابق نہیں تھی، آپ ﷺ دو زانو ہو کر بیٹھے، قبلے کی طرف رخ کیا اور دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔ (چونکہ اس زمانہ میں نماز میں بات کرنے کی اجازت تھی) پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ''اگر نماز میں کوئی نیا طریقہ آیا ہوتا تو میں تمھیں ضرور آگاہ کر دیتا۔

''إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْئٌ لَنَبَّأْتُكُمْ''۔

میں تمہاری طرح بشر ہی ہوں۔ جس طرح تم بھول جایا کرتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں، تو جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دہانی کرا دیا کرو۔

''إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي''(۱)

---

(۱) صحيح البخاري، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ التَّوَجُّهِ نَحْوَ القِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ، حديث: ۴۰۱

پتہ چلا غلطی کا اعتراف شرفِ انسانیت کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ بھول انسانی فطرت ہے، اور صحابہ کرام کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوا کہ امام کا بہر صورت ادب کرنا چاہئے جیسے صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کے ادب و احترام کا خیال رکھتے تھے۔

افسوس کے اس مسئلہ میں بعض اوقات مقتدیوں کی طرف سے بڑے تلخ جملے سننے کو ملتے ہیں، امام صاحب! خیریت تو ہے؟ کہاں کھو گئے تھے؟ ہمارے امام صاحب کا دھان ایک طرف نہیں رہتا، وغیرہ، صرف جملے ہی نہیں انداز اور اشارے بھی قابل دید ہوتے ہیں، ایسے لوگ مجمع میں اپنے خشوع و خضوع کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، اور امام صاحب کا مقام کم کر کے دکھانا چاہتے ہیں۔ جبکہ بھول والی نماز سے مقتدیوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ائمہ تمہیں نماز پڑھاتے ہیں۔ تو اگر وہ صحیح پڑھائیں تو تمہارے لیے بھی اجر ہے اور ان کے لیے بھی اور اگر ان سے غلطی سرزد ہو تو تمہارا اجر تو تمھیں ملے گا مگر غلطی کی سزا ان پر ہو گی۔

''يُصَلُّونَ لَكُمْ فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ وَلَهُمْ، وَإِنْ أَخْطَئُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ''(۱)

مقتدی مخاطب بننے کو عار نہ سمجھے

ائمہ کرام اگر مقتدی کو کسی غلطی پر مخاطب بنا کر عزتِ نفس و احترام کے ساتھ متنبہ کر دیں تو ناراض نہیں ہونا چاہئے جیسے امام صفیں درست کراتے ہوئے کسی نمازی کو مخاطب کر کے کہہ دیں کہ آپ تھوڑا سا آگے یا پیچھے ہو جائیں، پائجامہ اوپر کر لیں، آستین چھوڑ دیں، پیر سیدھے کر لیں، ٹوپی لگا لیں، وغیرہ تو اس پر بھی امام سے ناراض ہو جاتے ہیں، آپ ﷺ کوئی غلطی دیکھتے تو جہاں عمومی طور پر اس کا تذکرہ فرماتے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ لیکن بعض مرتبہ کسی ایک کو خاص کر کے آپ ﷺ نے ٹوکا بھی ہے، آپ ﷺ ایسی کوئی بات دیکھتے یا محسوس کرتے تو سرعام یہ سوال بھی فرما لیتے تھے کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ اور سرِ عام پوچھنے کا مقصد

---

(۱) صحيح البخاري، كِتَابُ الأَذَانِ، بَابُ إِذَا لَمْ يُتِمَّ الإِمَامُ وَأَتَمَّ مَنْ خَلْفَهُ، حديث: ۶۹۴

یہی ہوتا تھا کہ سب کی اصلاح ہو جائے۔ جیسا کہ سیدنا ابو بکرہ ؓ نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تو آپ ﷺ نے نماز ختم ہوتے ہی تمام نمازیوں سے فرمایا: ''تم میں سے کس نے صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تھا پھر بعد میں چل کر صف میں شامل ہوا تھا؟ ابو بکرہ ؓ نے عرض کیا : میں نے۔ ''أَيُّكُمُ الَّذِي رَكَعَ دُونَ الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى إِلَى الصَّفِ'' (۱) اگر چہ غلطی کو آپ ﷺ نے ان صحابہ کے نیکی کی حرص کی شکل میں پیش فرمایا۔

نماز کے لئے بہترین لباس نہ پہنا کریں

۱۔ فیکٹریوں میں کام کرنے والے حضرات اپنے کام والے میلے کچیلے کپڑوں میں نماز ادا کرنے کیلئے مسجد میں تشریف لے آتے ہیں۔ اور بعض حضرات اپنے سونے والے کپڑوں میں ہی نماز ادا کر لیتے ہیں جو یقیناً نماز میں الجھن پیدا کرتے ہیں، چاہیئے کہ اپنی گھروں اور فیکٹریوں میں نماز کے لیئے ایک صاف ستھرا لباس رکھیں۔ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان پر کہ ''اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لیئے زیب و زینت اختیار کی جائے'' (۲)

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کالی اور سفید دھاری والی قمیص میں نماز کے لیئے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ کی توجہ اس کی دھاریوں کی طرف مبذول ہوگئی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: ''یہ دھاری دار قمیص ابوجہم بن حذیفہ کو دے دو اور سادہ قمیص مجھے لا دو، اس قمیص نے مجھے نماز سے غافل کر رکھا تھا''۔ (۳) اس لیئے تصویر والے کپڑے میں نماز ادا کرنا منع ہے اور بالخصوص جاندار اشیاء کی تصویر والے کپڑے میں نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ منع ہے۔

۳۔ دورانِ نماز ٹخنوں پر کپڑا لٹکانا بھی اکثر نمازیوں میں دیکھا جاتا ہے۔ نمازیوں کی

---

(۱) صحیح البخاری، كِتَابُ الأَذَانِ، بَابُ إِذَا رَكَعَ دُونَ الصَّفِّ، حدیث: ۷۸۳

(۲) بیہقی، مصنف عبد الرزاق

(۳) صحیح بخاری: ۳۶۶، صحیح مسلم: ۵۵۶

اکثریت اس بات کا التزام نہیں کرتی کہ نماز میں ٹخنے پر سے کپڑا ہٹا ہوا ہونا چاہیئے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو کپڑا ٹخنے سے نیچے ہوگا وہ دوزخ میں لیجائے گا''۔(۱) اگرچہ خاص طور پر نماز کے دوران ٹخنوں کے ننگے کرنے سے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں لیکن عام زندگی میں ٹخنوں کو ڈھانکنے کے متعلق آپ ﷺ نے بہت شدّت سے وعید فرمائی ہے اس لیئے اس حرکت سے بالخصوص دورانِ نماز اور عام زندگی میں بالعموم بچنا چاہیئے۔ یہ یاد رہے کہ عورتوں کو ٹخنے ڈھانپنے کا حکم ہے۔

اگلی صف میں جانے کیلیئے لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگیں

مسجد میں آنے والوں کو چاہیئے جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائیں لیکن اکثر دیکھا جاتا ہے بعض بعد میں آنے والے حضرات پہلی صفوں میں جگہ پانے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگتے پھرتے ہیں اور اس طرح دوسرے لوگوں کیلیے اذیت کا باعث بنتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے آنے لگا تو آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا: ''بیٹھ جاؤ! تم نے لوگوں کو ایذا دی اور دیر لگائی ہے''۔(۲)

مسجد میں پہلے آنے والوں کو چاہیئے کہ وہ پہلی صفوں میں بیٹھیں اور خالی جگہ نہ رہنے دیں تاکہ لوگ خالی جگہ دیکھ کر ان کے اوپر سے نہ گذریں تاکہ گذرنے والے بھی گناہگار نہ ہوں۔

جمعہ کے دن دیر سے مسجد میں نہ آئیں

جمعہ کے دن نمازیوں کو مسجد میں امام سے پہلے آنا چاہیئے تاکہ ایک طرف وہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرسکیں اور دوسری طرف ان کا نام جمعہ ادا کرنے والے نمازیوں کی

(۱) بخاری : کتاب اللباس

(۲) ابوداؤد ۱۱۱۸: ،ابن خزیمہ ۱۸۱۶: ،ابن حبان: ۵۷۲

فہرست میں لکھا جا سکے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''فرشتے جمعہ کے دن مسجد کے دروازے پر ثواب لکھنے کیلیے ٹھہرتے ہیں اور سب آنے والوں کا نام لکھ لیتے ہیں، جو شخص نماز جمعہ کے لیے اول وقت مسجد میں جاتا ہے اس کو اتنا ثواب ملتا ہے جتنا مکہ میں قربانی کے لیے اونٹ بھیجنے والے کو ثواب ملتا ہے، پھر جو بعد میں آتا ہے اس کو اتنا ثواب ملتا ہے جتنا مکہ میں قربانی کیلیے گائے بھیجنے والے کو ثواب ملتا ہے،اس کے بعد دنبہ بھیجنے والے کے برابر،اس کے بعد مرغی اور اسکے بعد آنے والے کو انڈہ صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔پھر جب امام خطبہ دینے کے لیے نکلتا ہے تو فرشتے دفتر (لکھے ہوئے اوراق) لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں''۔(۱)

صف بندی کے متعلق مصلیوں کا طرز عمل

۱۔اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ پہلی رکعت کے بعد صف میں خلا پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ شروع میں اپنی جسامت سے زیادہ جگہ گھیر لیتے ہیں اور پھر بعد میں اپنے قدم کے درمیان فاصلے کو مسلسل کم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔جس سے صف میں اتنا خلاء پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر چار چھ آدمیوں کے مابین ایک آدمی کی گنجائش نکل آتی ہے اور دوسری طرف صفوں کو ملانے کے لیے نمازی حضرات کو اپنی جسامت سے زیادہ پاؤں پھیلانے پڑتے ہیں اور پھر دونوں قدموں کے درمیان بہت زیادہ خلاء ہونے سے نمازی عجیب سی صورت میں نظر آتا ہے۔

۲۔بعض نمازی مل کر کھڑے ہونے کو بُرا جانتے اور دوسرے نمازی کو دور دھکیلتے ہیں یا خود کھسکنا شروع کر دیتے ہیں جس سے صف میں خلاء پیدا ہو جاتا ہے۔

۳۔بعض لوگ صف میں باقی لوگوں سے آگے ہو کر یا پیچھے ہو کر کھڑے ہوتے ہیں۔یہ

(۱) بخاری ۹۲۹:،۳۲۱۱ مسلم:۸۵۰

لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کی مخالفت کرتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صف میں کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملانے کا حکم دیا ہے۔

۴۔ بعض لوگ صف میں سختی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں یہ جاننے کے باوجود کہ ان کے ساتھ کھڑے نمازی کیلئے جگہ تنگ ہے۔ اس مسئلے میں بھی لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی سخت مخالفت کرتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صف میں ایک دوسرے کیلئے نرم ہو جاؤ۔

نمازی کے آگے سے گزرنا

پہلی صفوں میں نماز پڑھنے والے بہت سے نمازی حضرات باجماعت نماز ادا کرنے کے ساتھ ہی اپنے سے پچھلی صف کے نمازیوں کے سامنے سے ان کے سجدہ کی جگہ سے ایک قدم کے فاصلے سے گزر جاتے ہیں اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ ان کے اس رویے سے انہیں گناہ ہوگا۔ اور اگر انہیں اس گناہ کی شدّت کا علم ہو جائے تو وہ نمازی کی نماز کے ختم ہونے تک انتظار میں کھڑے رہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو فرمایا ہے: ''اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا یہ جان لے کہ اس پر اس کا کیا گناہ ہوگا تو اس کا چالیس (سال) تک انتظار میں کھڑے رہنا اس کے لیئے بہتر ہے''۔(۱)

(۱) فتح الباری

یادداشت

فہرست ماخذ

قرآنیات	شعب الایمان
جامع البیان	مصنف ابن ابی شیبہ
معارف القرآن	شرح مسلم للنووی
ترجمان القرآن	مشکاۃ شریف
کتب احادیث	مؤطا امام مالک
صحیح بخاری	الجامع الصغیر
صحیح مسلم	مجمع الزوائد
سنن ابی دواؤد	مستدرکِ حاکم
سنن ترمذی	
سنن ابن ماجہ	**کتب فقہ**
صحیح الترغیب والترہیب	البحر الرائق
مسند احمد بن حنبل	فتاوی شامی
مستدرک حاکم	تبصرۃ الاحکام
سنن الدار قطنی	خلاصۃ الفتاویٰ
کنز العمال	رد المحتار مع در مختار
موطا امام مالک	الہدایہ فی شرح البدایۃ

مصنّف عبد الرزاق	عنایۃ علی هامش فتح القدیر
فتاوی رحیمیہ	**کتب اکابر**
الأشباہ والنظائر	مدار السالکین
فتاویٰ دار العلوم دیوبند	مجالس مفتی اعظم
اسلام کا نظام مساجد	مسلم قانون
دار القضاء اہمیت وضرورت	عصر حاضر میں مساجد کا مطلوبہ کردار
کتب تواریخ	ہماری زبان
وفیات الاعیان	کتابوں کی درسگاہ میں
سیر اعلام النبلاء	المعید فی ادب المفید والمستفید
تہذیب الکمال	**خطبات و اصلاحیات**
من اخبار السلف الصالح	تحفۃ الائمہ
فتوح البلدان	مسلم قانون
سیرۃ العمرین	خطبات مکاتب
تاریخ ملت	سب کے لیے ابن غوری
مناقب احمد	کلید مثنوی
المسجد ودورہ فی التربیۃ والتوجیہ	خطبات رحیمی
مکارم الحفظہ	گلستان

الفاروق	شمع فروزاں
دنیا کی خوبصورت مساجد	
مضامین ڈاٹ کام	
راہ عمل	
ماہنامے	
الجماعۃ	
دار العلوم دیوبند	
محدث فورم	
روزنامہ پاکستان	
اردو لیکس	
مضامین مدینہ	
قندیل	

مرتب کی کتابیں

۱۔ رمضان المبارک معروفات ومنکرات
۲۔ اصلاحی واقعات دو جلدیں
۳۔ اصلاح الرسوم (تسہیل، تعلیق وتخریج)
۴۔ عصری خطبات مجلد (زیرِطبع)
۵۔ جماعت اولی کی اہمیت وجماعت ثانیہ کی حیثیت
۶۔ نیا سال مغرب اور اسلام کا نقطۂ نظر
۷۔ کرسمس کی حقیقت عقل ونقل کی روشنی میں
۸۔ ویلنٹائن ڈے تاریخ کے آئینہ میں
۹۔ اپریل فول کی تاریخی حیثیت
۱۰۔ خیر البیان (مدارس کے طلبہ کے لئے)
۱۱۔ ہندوستانی مسلمان آزادیٔ وطن سے تعمیرِ وطن تک (زیرِطبع)
۱۲۔ نفع المفتی والسائل (عربی، تحقیق وتخریج، زیرِطبع)
۱۳۔ اللمعة اذا اجتمع العيد والجمعة
۱۴۔ کھیل کود کی تاریخی وشرعی حیثیت
۱۵۔ احکام اعتکاف
۱۶۔ خواتین رمضان کیسے گذاریں؟
۱۷۔ یوم جمہوریہ حقیقت کے آئینہ میں
۱۸۔ پتنگ بازی حقائق ونقصانات
۱۹۔ وجودِ باری وتوحیدِ باری عقل کی روشنی میں
۲۰۔ ضیافت فضائل ومسائل

۲۱۔عظمتِ اہلِ بیت اور مسئلہ زکوۃ
۲۲۔ارطغرل غازی سیریل حقائق اور غلط فہمیاں
۲۳۔یتیمی اور یتیموں کے کارنامے
۲۴۔لون (قرض) کے جدید مسائل (زیرِطبع)
۲۵۔ظالموں کا انجام سچے واقعات کی روشنی میں
۲۶۔کرکٹ کی تاریخی و شرعی حیثیت
۲۷۔فروع الایمان (تسہیل، تخریج و تضمیم)
۲۸۔مسنون قربانی۔معروفات ومنکرات
۲۹۔عصمت دری اسباب وسدباب
۳۰۔نمازِ فجر کی اہمیت وسنتِ فجر کے احکام
۳۱۔خطباتِ قاسمیہ
۳۲۔برادرانِ وطن سے تعلقات۔حدود وحقوق
۳۳۔کمیشن اور بروکری کے احکام
۳۴۔کرایہ کے جدید مسائل
۳۵۔ٹوپی کی شرعی حیثیت
۳۶۔اسلام میں تجارت کی اہمیت
۳۷۔کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے؟
۳۸۔اسلام میں تقسیمِ میراث کی اہمیت اور ہمارا سماج
۳۹۔مروّجہ مضاربت کے احکام
۴۰۔اولاد کے حقوق شریعت وسماج کی روشنی میں
۴۴۔لو جہاد حقیقت یا فسانہ

۶۶۔قصّاب اور قریشی ۔احکام و مسائل
۶۷۔میلاد النبی کی حقیقت دلائل کی روشنی میں
۶۸۔رہن کی جائز و متبادل شکلیں
۶۹۔سونے کی تجارت کے جدید احکام
۷۰۔سرکاری اسکیموں کے احکام
۷۱۔دینی امور پر اُجرت اور غلط فہمیوں کا ازالہ
۷۲۔عظماء فی طفولتھم۔بڑوں کے بچپن کے تاریخی و سبق آموز واقعات